

हिन्दुस्तानी एकेडेमी, पुस्तकालय  
इलाहाबाद

वर्ग संख्या

पुस्तक संख्या

क्रम संख्या

६६५

Date of Receipt

26 10 29





جملہ حقوق نقل و اقتباس و طباعت محفوظ ہیں

# تذکرہ خوش گدگ

بجانب

اُردو فارسی کے ظرافت شاعروں کے حالات مع انتخاب کلام

مولفہ

مولوی عبد الباری اسی



# فہرست

حروف الف		اسد (اسد علی قدوائی)	۳۰
آبرو (نجم الدین)	۱	اسرار	۳۱
ابو	۲	اسماعیل (محمد اسلم)	۳۲
احاہ (سید فہر شین)	۳	اسمہا	۳۳
آراد	۴	اشفاق	۳۴
آس	۵	احمد (سید علی احمد)	۳۵
آراد	۶	افلک	۳۶
آسی (عبدالاری)	۷	افسر (عبداللہ)	۳۷
آشفہ (عبر شاہ)	۱۲	افسوس (سیر غلام حسین)	۳۸
آشوب (یعقوب علیاں)	۱۳	اقبال (ڈاکٹر محمد اقبال)	۳۹
اکبر (سیر)	۱۴	اکبر (سید اکبر حسین الداد)	۴۰
آشوب	۱۵	الاسان (ضاحاک)	۴۱
اٹل (سیر عبدالجلیل)	۱۶	المست	۴۲
اثر (مخدوم عالم)	۱۷	امید (ابوالکمال سید محمد علی)	۴۳
احاگر	۱۸	انشاد (یدانشا اللہ خاں)	۴۴
احسان (حافظ عبدالرحمان)	۱۹	انعام	۴۵
احسان (احسان علی)	۲۰	انوری	۴۶
احسان (آسن قلی)	۲۱	اربع (عبداللہ خاں)	۴۷
احمق (موسیٰ خاں)	۲۲	اودھ (کرانی)	۴۸

## حرف سپ

- ۱۳۰ یاگل داس  
۱۳۰ پری (محممن)  
۱۳۱ نجفا  
۱۳۱ پشینٹ  
۱۳۳ پیام (شرف الدین علیخان)

## حرف ت

- ۱۳۴ تبسم (مرزا علی قدر)  
۱۳۵ تنش (مرزا محمد اسماعیل)  
۱۳۵ تخی (منتخب الدین)  
۱۳۶ تبلی (میر محمد حنیف)  
۱۳۶ تصور (میر تصور علی)  
۱۳۶ تشکین (علامہ بول)  
۱۳۶ تونی  
۱۳۶ تونی آتون

## حرف ٹ

- ۱۳۹ ٹپیری  
۱۳۹ ٹریڈ مارک  
۱۴۱ ٹیسو پرشاد

## حرف ث

- ۱۴۴ ثریا (مہیت علی)

## ام آر۔ ٹیک

## حرف ب

- ۱۰۳ باپ (مادھورام)  
۱۰۸ بران  
۱۰۹ رن (جوالا پرشاد)  
۱۱۳ رمی (مرزا محمد اسرف)  
۱۱۴ بسل (گد علی)

## بسل

## بسل (مخ الدین)

## بقاد نقار اللہ خاں

## بکائی

## بلنچ

## بیلیلی (نڈت رام رین)

## بدری

## بواسحاق اطمہ

## بوکک

## بوم (ستبر محمد خاں)

## بجسٹ

## بیڈ سب (ایشیاری)

## بکس (مرزا محمد)

## بیگم (رشک محل)

حرف (لالہ ستیام لال) ۱۹۹

حریں ۱۹۹

حکم (محمد سمیع ارادت اللہ حاکم) ۲۰۰

### حرف خا

حضر ۲۰۲

خلیفہ (رحمی حجام) ۲۰۳

خلیق ۲۰۳

خندہ (میر شجاعت علی) ۲۰۵

خنداں (عبدالحمید) ۲۰۵

### حرف وال

داؤد (محمد داؤد) ۲۰۷

دنگ (سراج احمد) ۲۰۹

دگانا ۲۰۹

دل (عبدالرحمن) ۲۱۰

دلسوز (خیراتی خاں) ۲۱۰

دلیر (سورخان) ۲۱۰

دوپیازہ ۲۱۸

دوزخی (لالہ ہر سچندہ) ۲۱۹

دھبے ۲۲۰

### حرف ڈال

ڈاکٹر ۲۲۲

### حرف حبیب

حاکم (میر بابا علی) ۱۴۶

حکیم (میر امین بیگ) ۱۵۴

حکیم رائل (میر حکیم) ۱۵۵

حکیم ریکوٹ ۱۶۹

حکیم (رجلک موہن) ۱۶۹

حمیل (حمیل الدین) ۱۷۳

حوش (رحیم الدین) ۱۷۳

حوکر (حسن جعفر) ۱۷۳

جوئندہ یاہندہ ۱۷۷

### حرف حق

حق (سید اسحاق) ۱۷۸

چکر تین ۱۷۸

چناب ۱۸۴

چونچ ۱۸۸

چرخوش (سید اقبال) ۱۸۹

### حرف ح

حالی (خواجہ الطاف حسین) ۱۹۱

حاجام (عنایت اللہ) ۱۹۷

حجام ۱۹۸

حرق (میر حسن مرزا) ۱۹۸

## حرف زار

- ۲۴۹ راع (محمد بن بدایونی)  
 ۲۵۱ رانی  
 ۲۵۱ زستر (سبب باقرین)  
 ۲۵۲ زیرک (گوسد رام)  
 حرف س  
 ۲۵۴ سب رنگ (قاصی عسکری)  
 ۲۵۴ سجاد حسین  
 ۲۵۶ سخن (سید پروش علی)  
 ۲۵۶ سحر مولوی  
 ۲۵۸ سرشار (رمضان علی)  
 ۲۵۸ سرشار (رتن ناقد)  
 ۲۶۶ سرکوب  
 ۲۶۸ سعدی (مشیرازی)  
 ۲۶۴ سنگ  
 ۲۶۴ سوخته (میر حسین)  
 ۲۶۵ سفلی (عنایت خاں)  
 ۲۶۶ سودا (مزا محمد رفیع)  
 ۲۸۳ سوز (سید محمد میر)  
 ۲۸۵ سوزاں (حبیب الدین)  
 ۲۸۶ سسید (محمد بخش)

۲۲۲ دھندس

## حرف ذال

- ۲۲۳ داکر (تبیح زکریا)  
 ۲۲۴ ذبیح (محمد اسماعیل خاں)  
 ۲۲۵ دکی  
 ۲۲۶ دلیل (دوبار)  
 ۲۲۶ ذوقا  
 ۲۲۶ ذوق (میر عبدالواحد)  
 حرف رار

- ۲۲۹ راحت  
 ۲۲۹ رحیم  
 ۲۳۰ رسوا  
 ۲۳۰ رسم  
 ۲۳۱ رشک (میر علی اوسط)  
 ۲۳۲ رفیع الدولہ  
 ۲۳۴ رنگ (حریف خاں)  
 ۲۳۴ رنگیلے (محمد اسماعیل خاں)  
 ۲۳۵ رنگین (میر اسحاق میرزا)  
 ۲۳۶ رونق (سید محمد حسن)  
 ۲۳۵ ریاض (خیر آبادی)

## حرف ش

۲۸۷	شاہی
۲۸۷	شوح
۲۸۷	شرف
۲۸۸	شاکی (سید اکبر حسین)
۲۸۹	شمتاد (علامہ بخش)
۲۸۹	شوق (حافظ غلام رسول)
۲۹۰	شوکت (احمد حسین)
۲۹۰	شہداء
۲۹۱	شہناز (عبد الغفور)
حرف ص	
۲۹۵	صاحبزاد (امام علی)
۳۰۰	صفدر (مرزا پوری)
حرف ض	
۳۰۳	ضاحک (سرفراز حسین)
۳۰۳	صاحک
۳۰۴	ضیفم
حرف ط	
۳۰۵	ظریف (حسین الدین)
۳۰۵	طرزی

## حرف ظ

۳۰۷	ظراف (دور محمد)
۳۰۷	ظریف (امام اللہ)
۳۰۸	ظریف (ظریف حسین)
۳۰۹	ظریف (سید مقبول حسین)
۳۱۴	ظ - ح
حروف ت س ع	
۳۱۶	عالی (نہایت خاں)
۳۱۷	عارف (محمد عارف)
۳۱۸	عاجز
۳۱۸	عبید راکاکی
۳۱۸	عمرش
۳۱۸	عمرشی (ابن یوسف خاں)
۳۱۸	عزیز
۳۱۸	عسک
۳۱۸	عشق
۳۱۸	عسرت
۳۱۸	عصمت (محمد علی خاں)
۳۱۸	عطا (عطاء اللہ)
۳۱۸	عقاسیہ
۳۱۸	عمر

۳۲۷۴ فم حرف ک

۳۲۷۵ کافر (محمد طاہر)

۳۲۷۶ کافر ٹیکہ (سرٹلی سنی)

۳۲۷۷ کافرک (جلال الدین)

۳۲۷۸ کاسے صاحب

۳۲۷۹ کٹر

۳۲۸۰ کٹ کٹار

۳۲۸۱ کٹنیر

۳۲۸۲ کٹرینڈ

۳۲۸۳ کمن

۳۲۸۴ کوثر (محمد حسین)

۳۲۸۵ کودن (عبدالعلیم)

۳۲۸۶ ککوٹا

حرف گ

۳۲۸۷ گرم (منظفر علی)

۳۲۸۸ گنام (شیخ احسان علی)

حرف ل

۳۲۸۹ لا علم

۳۲۹۰ لاو بالی

۳۲۹۱ لاغر

۳۲۹۲ علی

۳۲۹۳ ل

حرف خ

۳۲۹۴ عازمی الدین

۳۲۹۵ تمکین (عبدالقادر)

۳۲۹۶ خدایت الملک

۳۲۹۷ خست غول

حرف ف

۳۲۹۸ فتی (فتح اللہ)

۳۲۹۹ فدا (عبدالوحید)

۳۳۰۰ فدا (سید محمد علی)

۳۳۰۱ فدا (سید محمد علی)

۳۳۰۲ فرد (وحید الدین)

۳۳۰۳ فضا

۳۳۰۴ فنان (اشرف علی خاں)

۳۳۰۵ فذا (شیخ باقر)

حرف ق

۳۳۰۶ قانی (حبیب)

۳۳۰۷ قائم

۳۳۰۸ قرم

۳۳۰۹ قصص





شاہ و مبارک آر و اتھا قی ایک آنکھ ۔۔۔ مودور تھے ۔ اں کے معاہدہ مرزا پاخاناں نہ

چشمک کے طریقہ یراں کی جو بین تھر کہا

آبر و کی آنکھ بین اک گٹھ ہے آبر و سدا شاعر وں کی ہے

شاہ آبر و نے بھی جو بین یہ شعر کہا

کیا کر دن حق کے لئے کو کور میری ستم ہے آبر و بگ بن رہے ہو جاخانان ہے

یہ لطیفہ جرنید آزاد کی مالک اخترع ہے اور حقیقت سے دور لیکن جو کہ آبر و کا

شعر رگس طراوت کا ہے اس لئے اسے لینا ٹیڑا اور یہ لطیفہ بھی درج کر ماضوری ہوا۔

انھیں کا بھی ایک شعر طراوت کا ہے ۔

بار و شکار خاں حو حوں کے بچ ہے تو مستی و لیکن مطلق

یہ عہد محمد شاہی کے شاعر تھے ۔ تاراج انتقال کا پتہ نہیں چلا ۔

آبنوس ایک شاعر مالموم الاسم کا تخلص ہے جبکا دیوان ایک سرسری نگاہ سے

میں نے ایک صاحب کے پاس دیکھا تھا اسی ضرورت کی وجہ سے عیب آبنوس کا سراپہ عمر

یچ رہے تھے ۔ مگر قیمت اس قدر مانگ رہے تھے کہ میں اس کو خرید نہ سکتا تھا ۔ تقریباً

دس جرو کا دیوان تھا ۔ مگر ایک شعر بھی ایسا نہ تھا جس میں ۔ سیاہ کالا ادھیرا ۔ یا انکا

مترادف کوئی لفظ نہ آیا ہو ۔ اسوں نے کہ ان حضرات نے مجھ کو اتنی بھی ہمت نہ دی کہ

جی بھر کر اسکو دیکھتا ۔ اور اس سے ادا نامہ کا انتخاب کر لیتا ۔ بیک نگاہ دیکھا اسی میں جو

شعر یاد رہ گئے وہ لکھتا ہوں قحاق سے دیوان میں ایک شعر نظر آیا جسے دیکھ کر ستم ہوتا ہے

کہ اں کا نام کائے حال تھا ۔ مگر مجھ کو اس گمان یرد لوق نہیں ہے شعر ہے ۔

دیکھ کر اس کی زلف پر قربان لوگ کہتے ہیں ٹھکڑے کا سنے خاں

اں کی طراوت اگرچہ اسی ہیں ہے جسے دیکھ کر آساں ہے اختیار ہنسی پر مجبور ہو جائے ۔ مگر

جو کچھ ہے کمال کا موم ہے ۔ یہ کچھ آساں مات ہیں ہے کہ تمام دیوان میں ایک ٹھکڑے بھی

ایسی وضع کو نہ لایا جائے اس پر باشندہ کی کیا سزا ہو گی یہی کچھ سہل نہیں سمجھتا ہے۔  
 طرافت کی کئی وجہ لگا دی جائے اور اطمینان کے لئے اس کا مایاں اور راستہ :-  
 مومنہ کلام یہ ہے -

یہ اُن کی رشتہ پہنچتی کئی چہ یاروں ہے	کہ کالے سایوں پر سنا سنا کھنکھار ہے
حکلاف وضع ہے مقرر نہیں فرنگی پر	ہیں آموں ہوں ہا ہوں جان لگی ہے
لے لیں تیری آنکھیں تیری دیکھیں مانے والوں نے	کالی اُمٹا کے کراہے پھلیدے کھائے کھانے والوں نے
حالت ہے کہ آموں ہوں میں	مجھے کہتے ہیں تیسرا کال لا غدر
ایڑی جوڑی یہ وار دو مجھ کو	کالے ہالی اتار دو مجھ کو
اسے مٹھا پھٹا سہ سہ رمانہ	مگر وہ مت سلو مانا لا لہ
حال و خط اس کے رشتے وں یہ	لال کلتی میں کالے لے بھگدو
مڑ مڑتی ہیں اس کے موٹے پوٹ	کار لے - تو س کے برابر ہیں
رام ہو جا - لے گھا سست کافر	برجنا ہوں میں کالی مائی کو
اِس جھوٹے پیر ٹٹے دانوں سر کیوں مار سکا والا	میں خوب سمجھتا ہوں سکو کچھ اچھ لاکا لا ہے
خال ہیں اس کے رشتے اور یہ	کالا دانہ پڑا ہے مجھ پر
دل میں کھینچی ہے رشت کی رشتہ	ساق ہے تیرے میرے اکرا میر
تھرے کا نشان شیخ بی کا	ماٹھے پہ کلمنگ کا ہے نمیکا
رشت سنبھالو تھکا رہے چہرے	بارع کی ایک کالی کوئل ہے

اختلاہ سید فخر حسین نام ہے - ادا تخلص ہے فیض آباد کے رہنے والے ہیں  
 دور موجودہ کے ایک خوش فکر خوش مذاق ظرافت گو ہیں سخرافت کے سوا اور کچھ  
 نہیں کہتے - نوجوان آدمی ہیں تعلیم مولیٰ ہے گالانے اسناد ایک قابل شخص ہیں



کامہ جلائے کویت معلوم ہوئی تشریف لے گئے۔

ایک ٹریڈ سائے چہرہ کی یاری  
ساری دسامیں ہو گئی حواری

راہ کو آس کے یاں جہرہ لٹا  
لولی چسپ ہو کے سو رہو پیٹا

ہلا کا ہستیاں بدریم ما      پئے بڑا لاس تیر تیریم ما  
 ارخیل آتش رستان ہم      یہ داں کہ درکش یزداں ہم  
 بکھنا اندرم سیرہ اوستلم      منم طعہ بر مصعے میسر نم  
 یلے ہچو من نیست اندر جاں      ہتر یز یا نم ہتر زیاں  
 نماید اگر دے من ہچو قیر      ہل یاساں را دیدہ دور ہم تیر  
 کہ در قلب مومن نگنجد ہراس      لود در دل کا فراں جا سہ یاس  
 دل کا فراں ہچو دوزخ بود      ردورخ سپے یاس مطیع بود  
 بہ قرآن کہ خواندیم لا تقنطلو      ثقبہ بر رخ یاساں نیک لفظو

آزاد۔ ایک شخص کا تخلص ہے جو علم سے بالکل بے بہرہ تھا قوم کا اُتسار  
 اور پادوں کا رہنے والا تھا۔ محمی قمر پاد یونی سے یہ دو شعر دستیاب ہوئے۔

آزاد کی ہے خانہ بدوشی کا یہ عالم      کاندھے پہ لے پھرتا ہے پھپھکی دنگ  
 ہمارے باغ کے کونوں میں کرنے کی ہارائی      اگر نیشہ کی خواہش ہو تو دنا دیکھ کر والو

آسی۔ خاکسار راقم تذکرہ کا تخلص ہے۔ اگرچہ رمزہ طریقان خوش مذاق ہیں میرا  
 ثمول اور شمار نہیں ہو سکتا۔ مگر پھر بھی چونکہ اس طرف کبھی کبھی متوجہ ہوا ہوں  
 لہذا اس اشعار کو ضائع کرنے کو بھی جی نہیں چاہتا طرائف میں تجھے اکبر کا رنگ سستا  
 بہتر معلوم ہوتا ہے۔ بعض شعر اسی رنگ میں کہے ہیں اور بعض واقعہ طلب ہیں جنکی  
 بعض جگہ جو دہی تفصیل کروں گا اور بعض جگہ اس تفصیل کو محض تملیل سمجھوں گا۔  
 میرا مولد و مسکن قصبہ آدن ہے جو ضلع میرٹھ میں ایک ہمایہ قدیم شہر فانی  
 بستی ہے۔ نظا ہراس کی آبادی بڑی نہیں ہے مگر اسکی خاک پاک سے ایسے ایسے

دی علم اور دی ہنر مضراس پیدا ہوئے جنکی حقوڑی سی افریقا کے لئے ایک دوسرے  
 درکار ہے۔ میری پیدائش ۱۸۹۳ء میں ہوئی ششہائے میں قاعدہ اعدادی ہڑھسا  
 شروع کیا۔ پھر فراک شریعت کے کیمو یا رسہ عطیہ کئے۔ بعد ازاں مہود، تریب  
 کو تمام کیا۔ اور فارسی شروع کی۔ ظاہر ہے کہ اس سے میں بھلیں برس پہلے فارسی کا  
 اچھا حاصلہ روح تھا۔ امداد فارسی کی تمام درسیات، سنیقا سنیقا حافظہ کرکٹ علی مرحوم  
 سے جو اس نصیب میں ایک نہایت ہی رودست، فاضل تھے پڑھ کر عربی شروع کی  
 اور صرفت۔ بخیر۔ مطلق۔ فقہ۔ حدیث۔ مولا مامولوی سید سراج احمد صاحب سے پڑھی  
 امداد ازاں حدیث کی بعض کتابیں دوسری جگہوں میں تمام کیں۔ ششہائے میں طلب کا  
 شوق ہوا۔ اور وہی کے اکابر، مامولوی، حکیم نواب جال صاحب، حرم سے اسکی کچھ کتابیں  
 پڑھیں پھر مختلف لوگوں سے اور انی طریق پر اسکی مراد لے رکھی۔

شعر و شاعری کا شوق ششہائے سے شروع ہوا وقت تک بہت کچھ لکھا۔ مگر  
 چونکہ ابتدائی روش اب مطبوعہ حاضر نہیں رہی۔ امداد پہلے دو دواں ایک صاحب کو  
 بالکل ویدہئے گئے اور اس شکل سے مجھے ان میں کا کوئی شعر یاد ہوگا۔ ایک دیوان  
 جس میں کچھ غزلیں پہلی کئی ہیں میرے پاس ہے۔ اس کے علاوہ میری بہت سی عربی  
 ان لوگوں کے پاس بھی ہیں جنکو مجھ سے کوئی بھی تعلق نہیں مگر مدتاً ان کو بہت کچھ  
 لکھ دیا گیا۔ ایک عربی کیا اکثر کتابیں مختلف علوم و فنون کی دوسرے لوگوں کے  
 نام سے لکھیں اور ملک میں شائع ہوئیں۔

میری نصیب سے اس وقت میرے نام سے یہ کتابیں ہیں اور حقیقتاً اس میں  
 انھیں کو ایسی نصیب سمجھتا ہوں مافی جس کو دیدی گئیں خدا انھیں کو مبارک کرے  
 دیوان جو ہو روز مطبوعہ ہے۔ طریقہ اللغات۔ جی چاہتا ہے کہ اس کا مودہ کچھ مودہ  
 کروں۔ مگر یکا ریہ شعر و شاعری امداد چار حصہ یا ایک، نصیب، مادل ہے جو ایک خاص مدت

چاہتا تھا۔ مگر ماہر ان فن جانتے ہیں کہ دروداثر پیدا کرنا انہیں لوگوں کا کام ہے۔  
 دیر علم و اہم کی گھٹنا اثر بھائی ہوئی ہیں۔ بدنامی نے خرمی صبر و سکون کہ روں انہوں نے  
 کے بند کر رکھے ہیں جسکو اربہاری کی طرح مضامین عالم میں روئے کے ۱۱ اور کوئی  
 کام نہیں۔ یہ دوسرا کام منع علم چاہتا ہے۔ عمل چاہتا ہے، دل میں شگفتگی کا طلبگار۔  
 یہ۔ دماغ میں شوریدگی کا خواستگار ہے۔ ادھر یہ عالم ادھر ان، عیان یہ  
 کے یہاں۔ نہ علم نہ عمل لہذا نتیجہ گمراہی کے ہوا اور کیا ہو سکتا تھا۔ ہرکس گئے اور بے  
 لاکے کہ پھر سے راستے کے چلنے والوں کو بھی ساتھ لیا اور وادی غریبہ میں لیجا کر لڑیہ  
 ویران آفت و پریشان چھوڑ دیا۔ خوارانہ راستہ پر لاکے ان لوگوں کو محفوظ نے اپنی  
 مصلحتی اور نادانی سے یہ سمجھ لیا ہے کہ ہرے کے جذبات ہی سے شہر میں دروپیہا ہوتا ہے۔  
 رزق کا عالم آخری تکلیف و مصائب دم توڑتا۔ ہاتھ پاؤں سر، بیٹھن وغیرہ ہی تاثیر  
 و تاجر کی جان ہیں۔ غرض کہ ان لوگوں نے انھیں مضامین یا زائد از زائد مشکل  
 تیرکیوں کے غالب کارنگ سمجھا اور اسی پر طبع آزمائی کرتے رہے تا انکا لکھنؤ کی تمام  
 مضامین صاعری اسی سم قائل سے مسموم ہو گئی۔ اور اب تک مسموم ہی چلی جاتی ہے۔  
 تیسرا اگر وہ تھا جسکو دعوی تھا کہ ہم زبان کہتے ہیں۔ ہم زبان وال ہیں حالانکہ یہ  
 دعوی بھی صرف زبان درازی کی حد میں تھا۔ اس سے زیادہ کوئی وقعت نہ تھی  
 کیونکہ یہ لوگ زبان صرف اس کو جانتے ہیں اور جانتے تھے جن میں محض عورتوں کے ناز و  
 نخرے۔ اداسے بیجا بانہ۔ انداز بیجاکانہ۔ انگلیا چوٹی وغیرہ کا ذکر ہوجاتی زبان کے اعلیٰ  
 اور صاف بے تکلفی۔ سادگی۔ روانی۔ آد۔ کا کہیں نام بھی نہ تھا۔ یہ حال تھا جسکے  
 میں لکھنؤ میں آیا۔ لطف یہ تھا کہ اگر ان مذکورہ بالا رنگوں کے سوا کوئی کچھ بھی کہتا مگر یہ  
 ممکن نہ تھا کہ اس کو داد و بھائے میں سمجھ جیران و بریشان تھا نہ اسے رفتن و حاسنہ  
 مانڈ۔ مجدد اس رنگ کو جو مرزا داغ کا تیغ تھا میں سے چھوڑ دیا۔ اور دہلی اور کدہ کے



ساقۃ اظہار کرتا رہوں اسی روشنی پر اس وقت تک فاعلم ہوں کہ کچھ دیر میں  
 کہے دل میں کہی آگ شعلہ زنی ہوئی اور ہمیشہ ہمارے لوگوں میں مصروف رہیں گے ان کے  
 اس تراجم کے ہیں۔ مگر یہ نہیں سمجھتے کہ اللہ نے ان کو ان کے لئے اس لئے  
 متناظر ہو کر کیا ہے اور یہ اختیار انہیں تو ہر لمحہ ملتا ہے۔

۱۔ پاس کی طرف سے چاہیں کہ کیا کرنا  
 چو کہ یہاں یہ قیاسی اس واقعہ کو لکھنا چاہیں معلوم ہوا کہ اس سال ۲۱ مئی  
 محفوظ رکھتا ہوں پھر کبھی لکھوں گا اس وقت ضرور اشعار و نظموں کا کیا ہوں۔  
 اب بھی صحت کی سبب ان میں کچھ قلم نہیں  
 معافی صاحب پھر ہی اچھے ہیں کہ نہ ہوں  
 ریل کی اکثر زندگی، شیخ صاحب سے ہی  
 ہاں مگر ڈیڑھ سیکڑے سے بڑھ چکے ہیں  
 تم نے تو یہ کہہ دیا ہے کہ میں نہیں  
 باسیادہ اس کی گیس وہ کوں ہر مہینے

غلط فہمی کا فیشن سے ازالہ نہیں سکتا  
 جناب شیخ بھی نہیں ہیں کہ چپکے چپکے کہتے ہیں  
 مرد و سوردوں کو جیسے سکڑا کر لٹا دیا  
 ہر گز روشنی بھلی کی وہ ضعف بنائی  
 کوئی گوارا کسی کا نہ کا سالہ نہیں سکتا  
 یڈنگ اساتذہ جلیلہ ان کے اعلیٰ نہیں سکتا  
 کہ نامکس سہ ہرگز دل میں جھالا نہیں سکتا  
 چراغوں سے مگر ایسا حال اب نہیں سکتا

شیخ مسجد میں کیے صاحب کلب میں ڈل گئے  
 ہم کسی قابل نہ تھے محض ہر گز نہیں

ہلکے ہلکے ہو گئے اس دور میں  
 پانچواں جذب ہو کر رگبا سلوں میں

اس کا اقرار ہو چکا ہے کہ اچھا لگائی  
دیکھا ہے کہ کہا لیتی ہو گندائی  
میرے شاگرد ہیں نے ایک ہوش قائم کیا تو میں نے مذاقاً یہ شعر کہہ کر سنایا۔  
کھٹیا رپڑ کے چر کے رہا آپ کھائیے  
چوٹل میں رہتے اوٹل چا پ کھائیے

حن کہ ورازی شب غم کا گلہ ہے کچھ  
بنگالوں کے حلقے ذرا مال دیکھ لیں

کچھ مکڑ ہو اگر طے ظرافت رخ میں  
دیکھو بے جا کر سوں کا رنگ خضر گن میں  
ہندو مسلم اتحاد کے بند جو نفاق پھیلا ہے اسی سے متاثر ہو کر یہ کہا تھا۔  
اختلاف ہم ہی جو وقت پیدا ہو گیا  
اتحاد قوم چوں چوں کا رہا ہو گیا

قومی تشریوں کی تعبیل پل ہے  
کہتے ہیں جھوٹیل وہ لڑکوں کی گیل ہے  
لیڈر ہیں دیکھے انھیں ساربان قوم  
اترا انھیں کے ہاتھ میں پال کی گیل ہے

کیوں کہ ہم جاننا مانی کی رسوائی قبول  
کیک دشواری طلب ہے روٹیاں مل بھول

یہ زیادہ ہے ہر رسم کی خشدید کرد  
کوئی قیدی جو پیچھے ٹھیل سے تو عید کرد

کچھ شاعران کہتے والے یہ بھی ہیں جنکے ہاں  
حقے ملے الفاظ ہیں لے ہی معنی نیست ہیں  
ان کو راہم کہتے ہیں بھوکہ راہ کہتے ہیں  
وہ ایسی دھن میں سست ہیں ہم اسی دھن میں سست ہیں

ابھل جو قوم کے بہرہ میں وہ لوگ اور ہیں  
شیخ سچا رہ تو اسی معیت میں بدنام ہے

سنا تھا لفظ کو اسلام کہتے ہیں بزرگوں سے  
مگر پڑتھیں سے انہیں تک محی نہیں۔

تسب گم ہے روز قیامت کی چور  
مگر میر سے نزدیک دلوں پہ ہے

دیوانہ س کے ماصح ناداں کی دہلیا  
یہ کیکے اٹھ گیا کہ بڑا ہے تنہا ہے

مقام عید کا مبعود سے چاہی رہا  
بتوں سے ہے نہ سکا کچھ خدا ہی رہا

خیال تو مہر وقت اور زندگی ہے  
سوائے اس کے کوئی کام ہی نہ رہا ہے  
جو چوڑی قوم بڑے سے وہ ہر مری پائے  
جو ہوش اٹھائے جہاں سجدہ آگ کا ہے

خواب بیدار کی چپکے سے کہہ گئے آہر  
شراب رات کو اکثر حلال ہوتی ہے

عکس لاہور اہلوں و کمر حسین و منہا کا  
قصہ چھڑا ہوا ہے رنگیلا رسول کا

دل میں ادھر ہر چوٹی دھڑکتی تھی  
اِس یا لسی کو قوم مگر جانتی تھی ہو

یہ کچھ بھی نہیں کہنے دانا ہیں کہ ہم نہیں  
اتنا ہی سمجھتے ہیں ہم خاں ساد ہیں

یہ تو کہنے کہ حضرت ماصح  
آپ اسان ہیں کہ بدر ہیں

میرا اپنی صدیہ آؤں لئے ماضی قریب  
 دباں جان پوئی یہی مغربی عالم  
 ساری نصیبوں کا جواب یک عالم ہے  
 کہ اس زمانہ میں کالہ لکھ کا پھندا ہے  
 اس سے پھر اچھے ہیں اچھے کہ وہ قول لکھ  
 کیا پوچھتا ہی حال تال سے طیب ہے  
 چاہے جو خیر میں تو نہ آنا قریب ہے تو  
 دم بھر کھراپہ ہا کر سے رکھتے جریب ہے  
 لئے شیخ بھکا حال جست ناسیہ

آشفتہ ہے۔ غیر شاہ خاں نام تھا۔ رام پور کے رہنے والے تھے۔ فاضل تھیں تھے  
 قائم چاند پوری سے اردو میں اصلاح لیتے تھے اور فارسی میں قدس الشانوں کو  
 اہل کلام دکھاتے تھے متعدد کتابوں کے مصنف تھے ایک بیاض و ریاض غفر  
 ایک فارسی دیوان موسوم بہ "تشریق النہال" اور ایک اردو دیوان موسوم بہ  
 تدریق النہال ان کی یادگار ہیں۔ ستر سال تک بقیہ حیات تھے۔ آخر وقت میں مروا گیا  
 آگئے تھے اور وہیں انتقال کیا۔ سید مظاہر کے گھیر میں مدفون ہوئے۔

آشفتہ نہایت ظریف الطبع اور شوخ مزاج واقع ہوئے تھے۔ بات بات میں  
 مذاق کرتے تھے۔ اور ظرافت ان کی طبیعت ثانیہ بن گئی تھی۔ ذوق بہہ گیر ہا یا بھقا۔  
 کبھی کبھی ریختی بھی کہتے تھے۔ مگر اس وہ کلام نہیں ملتا۔ تلاش اور محنت کے  
 بعد یہ دو شعر مل سکے ہیں جو درج کرتا ہوں۔

خراب تھی بھری جاتی کی ایک ایک ٹی میں  
 مری انگیا گئی جوتی ابھی تو چاکھسوٹی میں  
 کوئی فوج اپنے شیشے سے لینے جی کہ کھاشے

آشوب۔ یعقوب علی خاں نام تھا۔ علی گڑھ کے رہنے والے تھے پڑھے  
 لکھے مدد دلدار حسن خلق۔ تھے۔ ریختی کے رنگ کے شعر کہتے تھے۔ مگر وہ رنگ

نہ تھا جو خان و صاحب پار گھیرن کا تھا۔ بلکہ اس سے شائبہ طرز تھا۔ اسی سے چال و کار پڑا  
 جس پہلے کے شائبہ میں۔ نہ تو نہ کلام ہو سکتا

رکھتے ہیں جو کہ پہلے ہی پہلے ہی رہا رہا رہا  
 لوسٹ ہے روز صحبت و لغات کے منے  
 توں فرخ بھی دیکھ کے دم ہر توٹ جاتے  
 کیا کہا مرے اڑا میں جو چڑھنے اپنے ہاتھ  
 پیار سے ہر ایک چیز سے زیادہ پسند ہے  
 کس مرد سے کے ہاتھ پڑا ہے یہ تو اپنی  
 آشوب آن کو ڈر ہے کہیں مانٹل نہ ملے

ہو نا ہے ایسے لوگوں کا ڈھیللا ازار بند  
 کیا خوش نصیب ہے وہ رنگیلا ازار بند  
 وہ لال لال بیخہ وہ سپیلا ازار بند  
 وہ کورا گورایٹ وہ نیسیلا ازار بند  
 ہاتھ کا تھپیلا اور رسپیلا ازار بند  
 کیوں ہو رہا ہے رات سے رنگیلا ازار بند  
 اس واسطے وہ ڈالے ہیں سیلا ازار بند

نگوڑا نگوڑا ہے ہمسائی والا  
 نہیں رکھتا بانی بھی اکٹن چاکر  
 میں کیوں سانسے آؤں ایسے سے کے  
 میں توں پہنچ کر اچھی ایسے لگے ہیں

کراہے کا ٹٹو ہے ہمسائی والا  
 کہ بھٹیلا رہ چھو ہے ہمسائی والا  
 کوئی سالا سٹو ہے ہمسائی والا  
 بڑا ہی نکٹھو ہے ہمسائی والا

انگریز لیس۔ احمد شاہ کے زمانہ میں ایک سفر تھا۔ جو کوئی اس کے سامنے رہا  
 با شہر پڑھتا تھا۔ خواہ وہ فارسی کا ہو تار یا کوئی دوہا وغیرہ کہتا۔ وہ بھی اس کا  
 جواب دہی زبان میں ناموزوں یا موزوں تو راکھ پڑھ دیتا تھا اور کوئی تامل نہ کرتا تھا  
 جب کہنے کے پھر سنا تو دوسرے طریق پر سناتا۔ اسوں سے کہ میر حسن نے اپنے  
 تذکرہ میں اس کا ذکر کیا ہے مگر کچھ نمونہ کلام نہ دیا۔

آشوب - میرجن ایسے تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ یہ ایک شخص کا تخلص ہے جو چمپک رو درار قد ہے۔ نہایت سحر اس ہے۔ پورج بے معنی شعر کہتا ہے۔ ۶۰ دیکھی ہنسا ہے لوگوں کو بھی ہنسا تا ہے یہ شعر اسی کا ہے۔  
 در عشق تہے چڑھی پست بچا یغ یہ پھر کی وہ دنیا یغ وہ بچا یغ

اٹل - تخلص میر عبد الجلیل نام، نازول کے رہنے والے تھے۔ میر جعفر زٹلی کے معاصر تھے۔ کلام بالکل انھیں کے رنگ میں ہوتا تھا۔ نہایت بانسے سپاہی اور وضع دار تھے۔ ظرافت اور ذندہ دلی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ مہنسی کے بغیر کوئی بات ہی نہ ہوتی تھی۔ جس زمانہ میں یہ دہلی آئے وہاں میر عطا مانگے کا دور دورہ تھا۔ چونکہ خود یہ بھی بڑے بانکوں میں تھے۔ لہذا کبھی کبھی محمد عطا سے ان کی نوک چوبنگ ہو جا یا کرتی تھی۔

تذکرہ نویسوں نے ان کے بارے میں عجب خلط مبعث سے کام لیا ہے۔ میر علی صاحب فیلیں نے ان کو بلگرامی اور سید ابوالفرح واسطی کی اولاد میں لکھا ہے۔ غلامی میر عبد الجلیل واسطی کے ہمنامی نے ان کو دھوکے میں ڈالا۔ حالانکہ میر عبد الجلیل بلگرامی جعفر زٹلی کے زمانہ سے پہلے گر چکے ہیں۔ تذکرہ خجنانہ میں ان کو دہلوی لکھا ہے۔ مگر یہ بھی صحیح نہیں ہے۔ کلیات جعفر زٹلی میں ان کے نام کے رقبے موجود ہیں جن میں انھیں نازول کا رہنے والا بتایا گیا ہے۔ اسی طرح یہ بات بھی کچھ صحیح نہیں معلوم ہوتی کہ یہ میاں جعفر زٹلی کے شاگرد تھے۔ میراٹل جعفر زٹلی کو جن الفاظ سے یاد کرتے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان کے ٹیسے دوست تھے۔ مثلاً پناہ ڈلائی دچوٹائی میر محمد جعفر زٹلی بڑے بھائی ہر روز از دباؤ میالی سکھی باشند۔ ان سید اٹل بعد از دہینگ و جو ہار بہت و بسیار و منو ہار بشمارا و جھل و غنی نامت۔

اسی رعبہ میں جھڑبیاں جھڑبے لئے کاشت تان طار کرتے ہیں اور لکھتے ہیں "امگا  
ملاب و اشتیان آں مکہ آقان ار حد رگھٹا دیمیت سیر دل وار حمت اندیشہ امروں لیکن  
موجودہ آں مکہ بنی امیہ مرھٹا نا نا و قانہا ح الہ مودہ دو انگیر مے لکار د"

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ میراٹل ابھی معمر رٹلی سے ملے نہ تھے۔ اگر دہلی کے رہنے والے  
ہوتے تو یہ ممکن نہ تھا کہ اپنے معاصر اور ایسے متہو و معاشرت ملاقات نہ کرتے۔ بہر صورت بہت  
ممکن ہے کہ اس خط کے بعد ہی وہ دہلی آئے ہوں اور پھر ہنس سکو مت اختیار کی ہو اور  
معمر رٹلی کے شاگرد ہو گئے ہوں۔ کلام نلاس سے بہت کم دستیاب ہوا جو کچھ بلوچستان میں

چیمبر مسیرائل زمارت و داد	ی جیکہ ہیجو کہہ سد و کشا و
تجھے دے خدا بھول بھول دھڑوٹ	حوشنات مخی الدی لایموت
دلف ہے حمرے نہ ماجمال ہے	حاش ابرو سنہ یا بھو کمال ہے
رحیوت بھر مار میں رقص رکھے حوں مار کج	دلفاں کج وار کج و زنگاں جھڑدار کج
ظالم کما لے توج و شنگ و مروت چھا	دستاراد مکدار کج رقص خوب بلددار کج
کرتی ہے قتل عاتقاں رحیمی ہودہ چھی گاہ	گھوڑے چڑھا سوار کج ناندے کمر ہیار کج
اس طرہ خوش رنگ اوینر نگاری رزل	کاسے کج و طرہ کج داس طرہ پر ہزار کج

دیکھ سب کے جس کو معلوم رہا ہو جگ بھی      دور نظارہ ایسے کائنات اٹل اٹیکٹیک

انگریز مدد محمد دوم عالم نام تھا۔ مارہرہ کے پیر راوے حضرت صاحب عالم باہری  
کے پوتے اور سپید مقبول عالم مقبول کے حلف اکر تھے فارسی کی قابلیت نہایت تپہ تھی  
بھوڑی بہت انگریزی بھی جانتے تھے۔ نظم و نثر اردو کے ماہر تھے طریقہ نگار کے

اشعار بھی کہتے تھے۔ مگر انہوں نے کہا کہ میں عالم سب میں انہماک: ۱۰ کلام ایسا صانع ۱۰  
کہ پھر مل نہ سکا۔ مجھے ایک صاحب نے وعدہ کیا تھا کہ ملا کر کے بھی ۱۰ کا دیا کہ مہتمم  
یا دہی دلایا مگر انہوں نے ایسا وعدہ نہ کیا ہر صورت دو شعر مجھے مل سکے ہیں جس میں توحی  
طبع کا ایک ہلکا سا رنگ ہے۔

واعط کسی محمانہ میں ہو گا مگر کیا جو چاہے سو کہ لے نہیں لے سکے

روئے گئے مجھے تھا ہو گئے مات بیت کی خوشی کھو گئے

اُجاگر۔ مجھے یاد ہے کہ میں نے کسی تذکرہ میں یہ نام اور اس نام سے کچھ کلام  
دیکھا تھا مگر اس وقت تذکرہ لکھ رہا ہوں تو نام کلام کچھ بھی یاد نہیں آتا۔ مجدد اشخاص  
لکھ دیا گیا ہے۔ سب تذکروں کی ورق گردانی کی مگر کوئی میٹھ نہیں نکلا۔

احسان۔ حافظ عبدالرحمن نام تھا۔ دہلی کے مشہور و معروف استاد و محقق تھے۔  
شاہزادہ مراد حسدہ بخت ایڑ بخت مرحوم عرف مرزا نیلی حلف حضرت شاہ عالم تانی  
کی سرکار میں مختار کل تھے۔ استاد سلاطین کے معر لفظ سے مشہور تھے بڑے مشہور  
روایہ اور شاہزادوں کے استاد تھے۔ تمام اصناف سخن پر قدرت رکھتے تھے مگر اہلسلی  
نوم عزلی کی حامی تھی۔ فارسی بھی کہنے تھے مگر اردو سے تعلق خاطر زیادہ تھا۔ بلکہ آپ کا  
قول تھا کہ "عزل ریختہ اگر حوب ماتد ہترار فارسی ست" مگر ساتھ ہی فارسی کی مراد و ملت  
کا یہ عالم تھا کہ ہزاروں شعرا ساتھ من کے آپ کو یاد رکھے۔ ایک مرتبہ شاہ عالم کے اس  
مصرع پر "صبح بھی لوسہ تو دبا مجھے اسے ماہ میں" یہ مصرع "ناما ست" میں آیا  
وقت سحر گاہ نہیں لگا دیا تھا۔ کسی نے وقت سحر گاہ پر اعتراض کر دیا۔ یہی۔ وقت۔



ادگاہ کا اجتماع درست ہیں۔ در اُس میں نہایت کاہ نہ شعر پڑھا۔  
 آدمی یہ۔ سد حصہ حوالہ می گرد۔ وہ اس سگ وقف سحر گاہ گراں مسگرد  
 تمام ختم صدیں سسگر سائے میں آگئے۔ اسی طرح آپ کی عادت تھی کہ جہاں کوئی  
 حلاف معمول ترکیب بالفاظیہ، شعر میں لاتے تو سن اُک کی استاد کا شعر لکھ دیا کرتے تھے۔  
 اگر شاہ ثانی کے مقر میں حاصل میں سے کئے اور حاصل حاصل صحتوں میں بھی آپ  
 ہمدتہ شریک رہتے تھے۔ شاہ نصیر بھی چونکہ درباری شعرا میں تھے اس لئے حافظ صاحب  
 اور اُس سے کبھی کبھی لوک چھوک ہوتا ماکرتی بھی۔ ایک مرتبہ شاہ نصیر نے انھیں یہ جوٹ  
 کرتے ہوئے نہ شعر کہا تھا۔

اے حال سچ یا رکھے جو سمجھتا چاہیوڑ دما حافظ قرآن مجھ کے  
 غالب نمونہ دوق و غیرہ۔ ب لوگ آپ کی عزت کرتے تھے اور آپ کو مصلح دہاں  
 جانتے تھے۔ اگر حیر عایت لفظی کا آپ کے کلام میں کافی التزام ہے مگر کبھی ماماؤں کیوں  
 دوزا کار سببوں۔ تکرار اصافات و غیرہ سے آپے حتی النوع احتراز کیا ہے۔ ہمارے شاہ  
 طہر کے دربار میں بھی آپ کو سوج حاصل تھا۔ اور کچھ دربارہ میں تھا۔ ایک مرتبہ ماہوری  
 کے بیو کچھ میں دیر ہوئی تو آپ نے یہ قلعہ لکھ کر پیش کیا۔

صید ماہی و صید دل ستا ہا جو ہے اور کچھ ہمیں معصوب  
 حال ہوں اور تکرار غفیلی کا لعلی ڈولے کا سہ کالسا جو  
 قطب صاحب تھے حصہ گئے وہ دو ماہہ گیا ہے میرا ڈوب  
 اس کو بھی حکم ہو ٹھکل آئے صرکب تک اد میں ہیں الپ  
 مدگوپوں نے ایک مرتبہ اگر شاہ ثانی کے کان بھر دئے تھے اسی وجہ سے عریا حسان  
 قلم میں آجاءہ سکتے تھے۔ سلام حیر اس مد تھا۔ آپ نے جب نہ رنگ دیکھا تو ایک  
 قطعہ نظم کر کے بھیجا جس کے بعد ہی ورا قلم کی آمد و رفت جاری ہو گئی قطعہ کے بعض

## تغریہ میں

عرص عازید یا ہونی میرے حق میں کیا گیا میرا اگر اکا ہی امان گیا  
 حکم والا یہ ہوا قلعہ میں احسان تو جس کہ اسات اک تھر کا اوسان گیا  
 لے شہنشاہ جہاں قدر شاعر احسان حلق کیا کہوے گی گو حکم کو میں مان گیا  
 شہر وہ کیا ہے کہ جس تھر میں احسان قلعہ وہ کیا ہے کہ جس قلعہ سے احسان گیا  
 حضرت احسان کی پیراہ سالی کا عالم تھا۔ مگر کچھ بھی اتنے بڑے تھر والی کا کوئی شاعر  
 ایسا نہ ہوتا تھا جہاں آپ شریک نہ ہوتے ہوں۔ نمکنت۔ عور۔ حدود داری۔ نام کو تہی۔ اور  
 لطف یہ کہ ہر رنگ میں شوکتے تھے شہستہ اور مہذب طرامت میں بھی یدِ طے حاصل تھا  
 اور تاحین حیات تعین طبع کے طریق پر عمل ہی میں کچھ نہ کچھ ایسے شوکتی کمال جاتے تھے  
 حوصلے والوں کے دلوں میں سنگتگی اور مسرت پیدا کر دیتے شہستہ لاد میں پچاسی برس کی عمر  
 یا کرامت ال کیا۔ تار سچ وفات یہ پائی جاتی ہے سہ دل گیا بیٹھ آہ جب عالم سے احسان گیا  
 ہر چند اس کے عدد ۱۲۶۱ ہوتے ہیں۔ وہ کلام میں میں شہستہ طرامت شامل ہے ملاحظہ  
 فرمائیے۔

قاصی نے گلگوں کی حرمت ہے نہ لکھیں  
 لیکن بڑی ذلت ہے بدست کا بچا جانا  
 نے منی میں منی اس رفق کے دلکش ہیں  
 مانگ اپنی دکھا جانی چٹکی کو بجا جانا  
 ہے دو سمجھ اپنی یہ حکم ہو اسی منی  
 حبب رات بچے آدھی نام پاس تو آ جانا  
 دلاد ذلعت سے دل درد سے کتا ہوا  
 کہ جھکا ہوا لٹیرے نے ہے ابھی لڑا  
 سحر اہ ایک بوسہ ہے تسیر ہے تجھ میں  
 ہے ناز ہمد آپ کی سرکار ہے طرح  
 ہو جو روج تیغ اس تو تیغ کا جلاں  
 اگرچہ پیر ہے پر سہا مرید کا اخلاص  
 دھوڑتے بہتر گم ہیں اقلان دولت کو کم  
 یاں نو دور رہا کی پڑی سرسبز گنگا من گم  
 قیمت بوسہ جو بھی لوئے ہے قیمت ہو  
 آج لے قیمت ہی لے لے قیمت ہو کم  
 آج لے قیمت ہی لے لے قیمت ہو کم

مخاستہر ہوا تو ق سے نکلے انگوڑ  
اور محروم رہیں مادہ انگوڑ سے ہم  
دھماکے ہو جسکو ٹھکانے میں ہیں  
درارہ رہے آستائے پہنچاں  
سکھ پر دقیا مت کو بھیتا تیرے میں جاؤں  
کہہ درج لئے صحت یہاں ملام کرتے ہیں  
دو بھی لوب مجھے کہہ میں لے ماہ دو  
دھنیک کیلئے کہہ لو کر رکھو تنخواہ دو

**احسان** - احسان علی نام ہے صحابہ سابع لکھنؤ میں تمام ہے۔ تجارت  
دعوت سے کسب معاش کرتے ہیں۔ حوالہ آدمی ہیں تقریباً ۲۷ برس کی عمر ہے۔ دست باز  
ریں یہ شعر کہتے ہیں۔ جو کہ اس تعداد علمی معمولی ہے۔ اسی لئے یہ سب عربی کہ۔ رل کی طرف  
ریا دہ توجہ ہے۔ عرب بھی حب کہتے ہیں تو ابھی کہتے ہیں۔ درہ بدتیں گر جاتی ہیں اور ایک  
مصرع بھی زمان پر ہیں انا۔ جہاں شمس لکھنؤ کے شاگرد ہیں۔ اقامت خود کے بھی تہا ساز ہیں۔  
موت طرانت یہ ہے۔

اسے درماں ڈالنا کیا ہے  
آئے ہم تیرے مایا کا کیا ہے  
اب مسیحا میں رہا کیا ہے  
یوں دہو جھیسٹر تو مرا کیا ہے  
لو جی کیا اور مانکا کیا ہے  
کہہ رہے ہیں وہ مسخرا کیا ہے  
تصویر کے قہیں لولا درمان کی ہنس یہ  
یہ کالے کالے سے کب ہیں بوج حسین یہ  
آرا دیوں کا ٹنگو گر مٹھیں دیکھنا ہو  
میر سے پیار سے جانی اور میں تہا را حاتم  
موت پنہوں سے کوئی سکھ سیت و بلند ہوا  
اچھا سچا کسی دل ٹھہرا ملو کہیں پر  
حلتی یوں نے ڈاکا ڈالا ہے ملک میں پر  
سوانی اک مدرسہ قائم کر کہیں پر  
یوں حاشیہ چڑھایا میں ے جیاں چسپیں پر  
ادبچی بھی ہیں کہیں پر سچی بھی ہیں کہیں پر

دکھا سا ایا مہی یکا کا رنگ دکھا  
لنگیں ہیں آماں یو ماہا ہر دیر پہ  
سکر نہیں پہ کوئی آماں صیل کی تپ  
آسا یاں ہیں صاف فاس کی دلیں

ر کو اس درمہ سیار کرتے ہیں  
حیہ کھی یکہ کے کہتے ہیں  
کیا مار ہمار ہی کا ہے  
آپ کے ماپ کا احار ہے  
مسی آنکھوں میں سرمہ دانتوں میں  
حور دکھی مالدار کرے ہیں  
یوں شکاری سکار کرتے ہیں  
مرد کو مرد بیار کرتے ہیں  
ایک کیا ہم ہرار کرتے ہیں  
اب وہ اثا سگار کرتے ہیں

ترقی العلوم ارنے اتنی کی زمانے میں  
اکڑ کر بیٹھا اُن کا گدھے رصا کہتا ہے  
کوئی ہے جو جیسے والا یہی اک بھاتا ہوں  
نکل آسے ہوا احساں ادھر تو دلقہ حکم لو  
کہ عطاروں نے پیٹھے دیدیے اکھاروں  
سختی ہیں کہ تم بھی ہو گئے ہیں شہسوار و شہیں  
وہ کیا ہے جو مچھاسے تول جاب جہاں ہوں  
عدائیں اچھی بلجانی ہیں اکثر بردہ دار ہیں

سیکریوں کا شعل جو آزار ہو گیا  
یہاں سا ہے مرغ دل کوئے دم زلفیا  
بھوں بھوں سے جیسے زہر کیا اُن کا  
احساں رہ گیا جو ہوں کا یہ دھوکے ہر  
مردوں ہمارے واسطے آزار ہو گیا  
اتو وہ رنگ حور چڑ سیار ہو گیا  
مالہ اتر میں ساپ کی پھکار ہو گیا  
گر حیر کو پلیگ کا آزار ہو گیا

کچھ عم نہیں حور محی پھر انا مہر مرا  
چھکا لگا کے آیا ہر دے صبح یہ  
اچھا ہوا کہ سادہ تھا گلدار ہو گیا  
اب وہ ماہ اختہ سرد مدد ہو گیا

جواسہ صاف مرادوں کو ہر گھل سے ماسہ  
کس اسامہ نے والوں کو پڑی کل سے ماسہ

عمر مھر لوں ہی رہا ہجو وراقی حال  
کس طرح وہ وہ دفا ہوتا کر تھکا  
عمر مھر جواب میں دیکھے ہیں عملا اس  
یر مقد سے کھئی رشتہ کو جیسیر دما

صدقے میں اس ہی ہوئی متوالی فال  
تو ار بھی دماں ہیں باعث یہ کال  
کھٹکا اسکے قرونگے لنگر طے ادا ر ہی  
یو دم صیام د کیوں جستہ حال ہوں  
دل صاف کر کے گئے ہیں محفل میں کرج تیج

اثر اثر کو کام ہی گیا حدست کا  
نر گیس میں بیہال میں محوں کی لغت کا  
مکان دل شکستہ ہو گیا ہے اور اسد سے  
میاں محوں نے جہاں بستے ہیں کہ جلست کی

وصف لکھے کے لئے اس غیر سہو تہا د کا  
ہم قلم بھی جیسے گھٹٹا کھر حسین آما د کا

جز می گو کہ تو انہی میل انکا دیتا ہے کام  
آ مال تک حاسہ گو لا مری فریا د کا

احسن۔ ان کا نام حاسم نے اس تذکرہ میں 'سن قلی' اور 'را علی لطفہ' اور  
صہر لکڑی نے اپنے تذکرہ میں صرف مراد حاسم نامی خوشنویس اور صہبائی میں حاسم  
لکھا ہے۔ مصحفی اسے تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ ان کے استاد میں طراقت شامل ہوتی تھی  
مگر اس میں کہ اہل مذکرہ نے طراقت کا کلام درج نہیں کیا بڑی دقتوں کے بعد ایک دو شعر  
مل سکے جو درج کرتا ہوں۔

کما جو میں نے کہ رُوح کو ترسے قمر نہ لگا      لکڑی کے بولا کہ چلے اور ہر لکڑی لگا  
حام سے ساقی کے آگے لئے حوں مجلس کو بیچ      غیر دل کو ہم دیے اور بارہ منہ کو لے رہے  
اکتر دل نیلی اور اکثر قطرے کو ترسا کے      تر رہ گئے دو حیا را در دو چارہ کو لے رہے

احمق۔ اسم گرامی مصطفیٰ حاکم ہے۔ یہی جو مذکورہ صلیح اٹا دہ کے رشتہ دار ہے۔  
اور وہ ہیں شورے کی ایک فیکٹری قائم کر رکھی ہے غازیانی زماں وہی دربار معائنہ  
آپ کی عمر اس وقت ۴۵ - ۴۶ - برس کی ہوگی۔ مشق شاعری بھی نہیں سیکھیں برس  
کی ہوگی۔ آپ عاشقانہ رنگ کی قرلیں دہاتے ہیں اور اسی میں جاسا طراقت بھی شامل  
ہوتی ہے۔ سلسلہ یا سلسلہ ۱۷۰۰ میں حب آپ کو سیاسی معاملات میں قید ہو گئی اسی زمانہ میں  
آپ نے سیاسی مضامین کو بھی داخل عمل کر لیا۔ اور ایک مجموعہ نامہ مجموعہ زبداں شہادت کے  
نام سے شائع کرادیا جسکو دیکھ کر اسی زمانہ اور پسند کے موافق حیدر سوز خطاب کر کے نازاظر  
کرتا ہوں آپ کی علمی بیاقت دعوہ کا حال اگر مجھے صحیح طور پر معلوم نہیں ہے۔ مگر کلام کے  
دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اردو فارسی عربی انگریزی میں آپ کو نقد و مرثیہ دست نگاہ  
ماہل ہوگی مابین حلیق۔ لکھنؤ اور میک طلیعت آدمی ہیں۔ عائدہ بدریہ مراد سلسلہ  
حطوط راقم سے بھی ملاقات ہے۔ اسباب و روح دیل ہے۔

نئی حد بدیاں ہونے کو نہیں آئین گفتن ہیں      کہو بلبل سے اس انداز سے کہ گئے ایشیا نے میں

اسٹراڈ کس قدر سسے ہوئے کھتے میں ماں  
 حاکم عاتق کیا ہے گواہ مری مارو دے  
 کہیں سوکھا مانگے کھا رہا دل کو کما  
 وہ ہی ہے اتنی مانی ہی کوئی لہر دے

مرے مہمانے کی کاس تو بھائی ہیں  
 سام و عراں دہ کی سمیں بھاری خاطر  
 بیلے در اتم اما تیلوں کو سمعہ  
 مرد کی فکر کما ہے چاہو جہاں سالو

بھاگنے کی سبہاں راہ یہیہ کی سک  
 میں وہ پنڈت ہوں کہ اس دور کے کٹر ہر  
 آہ لائی ہے کہاں بہرہ دیدار مجھے  
 دور سے دیکھ کے کرے ہیں مسکا ر مجھے

کمرے کو کہ جس میں کیا کرنا بھی ہیں  
 یہ سوچی نہ مرارت یہ لائی کہاں اُن میں  
 وہ ماحق کر سیوں یہ بیٹھے کی متق کرتے ہیں  
 رسوں کے چاہے داسے کہیں جو درد پر مرتے ہیں

رفیقہ روسہ کی صورت و سیرت محاد اشد  
 سمعہ او آسمان تیلوں کے تسمے دراکس لے  
 ملا تسمہ وہ لگور کی اولاد سسر ہے  
 کہ مری آمہ وراں اس امرے کہے تہا ہر ہے

صحت صانع میں رہ کر ہو گئی صلاح حال  
 یہ تیرے دہ کی ہے ہما مانتہ باحو  
 میں گدھا بھاشی کے پاس آگے چر ہو گیا  
 تیل کی پھیلی ہے کنٹر سے کل کر

حادثہ دل میں حسیال پار رہے دیکھے  
 ہیڈ کر دیکھے عدو کو شہر میں لیکن مجھے  
 اس مکان میں نہ کرانہ دار رہے دیکھے  
 گاؤں کا اسے ہی چوکندار رہے دیکھے  
 حاکمیں سکتی عدو کی شتی عہد با عشق  
 روحن رر سچ دسم الفار رہے دیکھے

دوڑ مائیکا اتحق آپ کا خط دیکھا  
ا کہ کار دہیسی سے مار رہا ہے، دیکھ

باوجود اس الفاسے حاس کے بھی بڑی  
ایسے وعدے تو اچھا تھا کہیں کا ریل  
ریل گاڑی میں لکھی ہے یہ ہے اچھا ریل  
مار لیا ہے گئے ہیں اس کے گھر چلے ہوئے  
دوہٹ ہو گئے ظالم کو شتر خاے ہوئے  
مع گدھ سے اگرہ کی میل کو حاتے ہوئے

گل غاض ہے بلبل تیرا کی طرح  
ایک آنکھ بھی نہ کھلتی غزلوں ہوا

جیس جب نذر مر مر ہوئے والا ہوئے بلبل  
وہا کا امتحان گو سخت تھا لیکن میاں کلا  
مرا لاہیں گمینی باغ محبت کا  
ہیاں گھر سہلے کسوا سٹے نہ لے بنائے ہیں  
حدا کا تنکے پہ کراخ ہیں سیتے ڈٹے آئے ہیں  
ابھی تنکے آئے لے جان من کو تے اوڑائے ہیں

خدا ودا تعلق کچھ تو حسن و عشق کا کر دے  
وہ گھر جائے کو ہیں یکس کوئی ایسا نہیں ملتا  
دل حاسق دراخت کی جگہ ہے تم جو فرماؤ  
وہ کچھ بانس بہا کر دل را لیجائے ڈالے ہیں  
مجھے سدر بناوے یا انھیں کو لو گدھا کر دے  
جو دور روٹی پکا کر ساتھ آئے مانتا کر دے  
وہ اس گھر کو بھارے اسٹے سیتا لکھ کر دے  
اکھی دو گھڑی کے واسطے چھک گدھا کر دے

حب کوئی ادٹ دیکھا ہو پس دے  
جلا ماس ہے کہ وہ مری لیلیا سوا ہے



دکھن ہی میں مکوں اٹے کی عمارت ہے  
دکھی سرکھی آدائیگے وہ شہنشاہ جواں درگزر  
مرا دل ادا علی آدوں میں ہم کما  
رہیں دو آدمی ماحاندہ بیوی میاں ہو کر

اک یہ دہشتیں پیستے کرایہ ہے اس  
کس درہ یسیدار ہو - ہیں وہ مرمر  
رہتا ہے مرا حاند دل آٹھ ہیر مسد  
یا حامے میں اتنا بھی تہ لودا ہو کر مسد

دل کی ممت چار نیسے بھی ہیں لگتے وہاں  
اک میاں جیسے کی حسرت بھی اسکا دلیر ہے

کہ رہا ہے یہ آپ کا انکار  
کستی دل کی جو آر میں  
لوست آئے گی ہا بھائی کی  
لاٹ صاحب لے ماحدائی کی  
ہاے تقریب دھل کیا ہوگی  
کاٹ گیا حاکراں لے کوچے میں  
سچ تو یہ ہے کہ شمع جی سننے  
کاٹ لی ماک با مسائی کی

ہم مکھوں نے روکے نام ہی مالکل ڈو دیا  
تخ استہار مانے بھرے ہیں تہ میں  
گنگا کا گھاگرا کا انک کا چناب کا  
میلام ہوئے دالا ہے ٹھیکہ تراس کا

دور سو ہے اور دہ یوں نے لٹکا ہے  
دلت اٹھا کے عمر و فادار بن گیا  
گو یا صاحب شمع کے گھر کی دکان ہے  
ہل ہی حویں گئی ہے اس عمر میں ہے

بغیر اکرہ دینگے مجھے حرم عنس میر  
یا حی گدھا سور تو معرر چائیگی

تیری وفا کی ہے سب گری  
دل دوستوں کا کو بھی منکر مانگا

سوال وصل نہ مار وعدہ کو  
یہ اس اٹو کے بیٹے نے کہا کسا  
ہمارا دل ہے ہم چاہتے جسے  
میاں صاحب ہمتارے مایا کیا  
چلے کالج سے یو کے کول میں  
ہماری ات اکیا اس کا کیا

ہمارے دل کا کوئی راز داں نہیں ملتا  
نہ اڈ وہ ہے جسے درد داں نہیں ملتا  
کچھ اُن کو ایسی جفا دی ہے  
تو دے کے لئے اس کو اں نہیں ملتا  
وہ مرگ عیرا طار عم کریں کس طرح  
کرا یہ یہ بھی کوئی لوح حواں نہیں ملتا

تو اے عشق رکھاں ہو کے انا بیچ ہے  
کام آئی عاسفوں کے امی درپورہ گری  
سسمی حیر کو ہم روح شلم کر دیا  
کچھ دنوں سے واسطہ آٹا ہم کر دیا

مرض کو تر ہو تو درج میں طوں بے باقی  
اور تھا کیا مجھے یا بس کا صلا کیا ملسا  
مچھکو کچھ اور میں جیا سنیے کدے سے سوا  
س و ہیں بیٹے کے فرما نیگے یلعین صلوۃ  
حسرت لوٹ کی سرکار سے ٹھو کرے سوا  
سج جاس گے کہاں ہم مر عمر کے سوا

دلِ صحیح محو مساحات ہے  
داں پیپ کے جاتا جو غیر طرح  
شب لیلۃ القدر کی رات ہے  
خود تکبیر یہ سمجھے مسما ہے

جاگیر بچہ کام ہی آئی کہ آخر شش  
میںوں کا حانداں رہتند ادھر ہو گیا

لکھنا نہ ہو کام مایا دم و مال      انکار کرے واسے مجھے اقرار ہو گسا

ہر درد کو حاتمیا ہوں کھور      ستاری محض کو کر میں انی

دو دہے میں ظلم و ہستاد کا      حوت آلو لولہ ہے آکل میا کا  
یستہ آئی ہے رت میں مجھے سخی کو      لانا صاحب کی دہائی وقت ہے ادا کا  
ہستہ ہو کی حاتی ساق ہوتائی مگر      ہے پڑی یاروں کے ٹولے میں کل میا کا

سے سخی طرار ہیں سہ ام مار ہیں      مار کی ڈیزھ ٹانگ میں لطف پہ ستر کا

یری لگہ کے دایسا      دل ہے ہمارے یاس مار مالو نہیں

اکی اہت سے ہو ستر کھا کہ ہم      کہیں نہ رہی سجا یا کرے

ہا کہ آسے خود ہستہ ہی لب      ہم بھی ستر اس کو حلوا کرے

ایکالی میں سے ایک والد اکہ ہم      آپ ہی کیے گد ر کس طرح ہو قش میں

اکہ جلی ایک یا حاتمیا کار میں ایک      کون کون اساتر یک قسم تھائی نہ تھا  
وہا ایسا کہ میں ایک بھی رہتا ہوں      جیر گری جا ہے والا را مائی نہ تھا  
سکھ کر بھی لیے اس نرم کے یری ہیں      اس کے ہاں کتے کی عاتق نہ گزری نہیں

ہم اور عرصہ طلب اسے عذر دے کہ گھر میں  
 اس یاسِ حسرت و غم کر دلی و گلزار میں  
 بکھڑے مال کتنے رہتے ہیں آج سڑیں  
 ان مالہ نگوں سے جو ملک حالِ خطر میں  
 ہر دم ہی تماثل ہے اکلی رہگذر میں  
 کلا اک لکے گھر و پوہا اک لکے گھر میں  
 عمت میں عومس ہو جاے ہے عایت  
 کا ڈھے میں نقص کیا ہے جونی ہو کبار میں  
 جو راہزن کا کھٹکا ہوں فکر راہر میں  
 کل قصد ہم حواصی شریف آدمی کا  
 یسوا کے کھوڑی ہادی رکھ آئیے گا سر میں

دوسے میں ہر ملامت گالی میں ہے حالات

دلِ حسیہ جتنا ہے سس ہے وہی دلِ آرا  
 کتنے نہ تھے کہ دیکھو دشمن سے دور رہنا  
 کتنے ہیں وہ انکی عارب ہوں یہ گوڑے  
 چھوڑا نہ ایک لکڑا ان مندر دل لے گھر میں

ڈرے حسابِ آسمانی ہوتے دکھائیں اکدرا

چھپ چھپ کے رو رہتا ہے ہر ایک گھر میں

اسلم - حسابِ اسد علی قدوائی کا تخلص ہے جو حسابِ احد علی قدوائی کے بھائی  
 ہیں لکھنؤ میں قیام ہے جس زمانہ میں کینگ کالج میں پڑھتے تھے تو ایک متاعہ سالانہ  
 میں میں نے آکھو دیکھا تھا لوجواں خوش مذاق ہیں اس زمانہ میں غزوات کہتے تھے یہ معلوم  
 اب بھی یہ سلسلہ جاری ہے یا نہیں۔ جو کہ زیادہ حالات معلوم نہیں ہیں اس واسطے صرف  
 کلام درج کرتا ہوں۔

آٹھنا مردہ بس اب آذادیاں ٹپتی ہیں دانی کی  
 یہ ہوتا ہے یورپ کے حوالہ فتنہ سامان کی

جہاں تار کشتا تھا دروں میں سر کی یہ حالت  
 سا ہے جیاک کی جو عیر کی تو داسے حشر سے  
 یہ تہہ ریکھ بھی کرے کامیرے ہوا طہا  
 نہ پائی لو کری حب مسم صاحبے تو فرمایا  
 سی جی بھجیو کار اہد اتر ہنگی میں دکھلاو  
 دکت بھائی لئے کھیرے ہیں مہار ہلس میں  
 راہی۔ وہ اسے حشر تری رہ پر لپیاں کی  
 ہے عل سہری فریونوں میں لگی ترور میں ٹانگی  
 ادا مانگی بھی پیلے اس کی اسٹی کی بھی ہے مانگی  
 چلوںس جاک ٹرائیں جیکے یور کے سیاہاں کی  
 بیڑھو میرے اڈے یہ سا کر شکل ٹیاں کی  
 ترقی حیر سیڑھی ہے یہ اٹھال و مستان کی

اسرار۔ رمانہ حال کے ایک ساعر ہیں مائیں تئیں برس کی عمر ہے فارسی کی  
 تعلیم معمولی ہے اگر گیری میں سی اسے تک تعلیم پائی ہے۔ لہذا وہاں ہیں مگر زندہ دل معلم  
 ہوتے ہیں۔ میرے تاسا اور دوست ہیں مگر انیام اور پتہ کھنے کی اسارت میں دی کبھی کمی  
 طراف میں کچھ شکر کہہ لیے ہیں۔ جس سے کوئی اظہار کمال مقصود نہیں ہوتا۔ بلکہ صرف  
 ایسے نفس طبع کے لئے۔ کلام کاموہ یہ ہے۔

آن کے لب سے حوالا ہوتی ہے اسکو کہتا ہوں مسد کا ستیرا

نہ آلوہ گہیاں نہ تعلیم نہ ٹیپس  
 وہ ٹپس کے اوپر سحر کر رہے ہیں  
 مری ہر ٹپا پہ کھتے ہیں اوں ہونڈ  
 وہ اوڑھے دیتا میں ماندھے ہوں صاف  
 مقہر میں عاشق کے لکھا ہوا ٹیپس  
 فنن ہے نہ گھسی نہ موڑ نہ ٹیپس  
 ہیں سحر میں ہوتے دم کھر کوٹس میں  
 حودہ ماز میں ہیں تو میں ہوں مہدس

آلوہ میں نے کچھ لکھا یا مجھکو کھوسٹ خطاب دے

و کما کرتا ۔ ۵

کسا سداں میر متیں حال یار کاظم  
خوں بیتا ہے مرجہ سم کا ٹل بکر

جیسیں کمانی یڑیں حجاب یر  
سہیں۔ لہہ ہو تم، او سونا ہوں  
سہ مڈا لے ہیڑ گئے اوسے  
سکھیا کھالے یو لے دو تو لے

یہ کہتا ہے جو گر حاتا ہے کھٹل چار یاں کا  
جو اپا سر جھکا ہے محامت اُنکی کرتے ہیں  
ہات، عم ہے اس فطر سے کو دریا کی ہوائ کا  
حسیاں جہاں کرتے ہیں اکثر پتہ مانی کا

سب کیا ہے حلوں نیکر جھیری سیمے ڈا میرے  
منہاں دلاو کرے کی نہ میں پچھ تصانی کا

مولوی محمد اسماعیل۔ آپ سرحد کے رہنے والے اور رامہ آخر کے ایک مستور  
نثار اور ادیب تھے۔ سرستہ تعلیم کے لئے جیسی کتابیں آپ نے لکھیں دیسی آتشک  
سرکاری مدارس کے لئے کتابیں نہیں لکھی گئیں۔ آپ کی بیسیوں خطیں آج بھی کھوں کی  
رباوں پر ہیں۔ علاوہ تریاویسی کے آپ ایک ذمہ دہ ستا عوٹھے۔ مرزا مالک مرحوم  
کے شاگرد تھے اور نہایت عمدہ شعر کہتے تھے زمانہ کے رسم و رواج اور مقصدنا طبعیت  
سے کبھی کبھی طریقاً متحرکی فرماتے تھے۔ مگر آپ کی طراوت ہایت ست بنتہ متیں عورت انگیز  
اور اصحاء ہونی بھی۔ حالی مرحوم اور مولا ماسے مذکور کا ایک رنگ ہے۔ بلکہ ہر باتوں  
میں آپ حالی مرحوم سے بیش پیش ہیں۔ آپ عام عمر تعلیم کے ٹکڑے ہیں اگر ہم کے ملازم ہیں

اور اپنا دماغ کو اس حس و حرکت سے ادا کر دیا کہ وہ اس حال میں نہ رہا  
 طاب بھی تھا، کما آج میں نہیں لکھ سکتا جیسے آج کے گراموں میں سارا سالو کر  
 بھی اس کے علم اور تعلیمی ماحول میں کوئی فرق نہیں رہا اور آج کے بچوں کیلئے  
 اس مفید مہکتا میں لکھ رہے ہیں۔ یہ بیا، برسوں کی عمر میں تمام سہولتوں  
 یا سہولتوں میں اتنا حال فرمایا کہ اس کی مصایف سے سہولت و مفید قلمیں اور ایک کا اس  
 نظم یادگار ہے

آج کے ایک قصیدہ عرب کے مام سے کہا ہے حسین اہل زمانہ کی عقل اور  
 کبر و سرور سے سب علم و طراوت کی گئی ہے یہ قصیدہ ہمایوں لڑیل سے لکھا ہے  
 اس کا مطلب کہ درج کرتا ہوں حقیقت یہ ہے کہ عجب قصیدہ کہا ہے جس میں  
 مصاحف کے رہبر کو ظرافت کی حاسی و مکر ترس کی صورت میں نہیں کہا ہے۔

میں شاعر رہوں، میں قصیدہ نگار  
 کہ اس کے ماہ میں سالوں میں مارچ  
 تو دیکھتا ہوں کہ کرسی میں اس کا کٹاڑہ؟  
 نہیں، وہ صرف تھالی لئے بھری گئی  
 حواس سے یاد آتا ہے، یاد آتا ہے  
 شخص، تھالی میں سر سے عجب بھرتی  
 چلا ہے ایک مٹی کا ماندہ لکڑی سیکڑ  
 میں ایسے دل میں لگا کئے کما وقت ہے  
 سیرگی کا یہ من تھا کسی زمانہ میں  
 کہاں ہیں اس دور میں ان صفت جس کی  
 جواب دل نے دیا کہ سب بھٹ کر

اس کا سادہ گراں رش ہے یاد آئی اللہ مار  
 کیا جو گھر سے قصار خاص و مارا  
 اور اسی فکر کہ نکالیں حساب و شمار  
 ہر ایک فن بھکتی میں طاق اور طرار  
 دکھا باجیرہ تو ہیلتو جا کیا  
 راسے ڈھنگ سے کر رہا کہ ہر ازار  
 کھڑا ہے ایک لے سب لڑ رہا ہے کو بار  
 شہر ہے۔ میں حواس میں یہ حال تو  
 رہا رہا رہا رہا رہا رہا رہا رہا رہا  
 کہ ان قوں رہو لے کئے جاں و دلے تار  
 میں اس سے ٹھہرے کہ ساؤں زمانہ کر طرار

یہ رہا  
فانک طہار  
انک عاشق ار  
ما مومو مار  
عیرت وقار  
سس و تمار  
سس پیم سوار  
لچر و خار  
مین وقار  
در شہوار  
سس ادکار  
رہا معیار  
را ہوا واد  
لوست عار

وفا سکار  
نکی سہ چکار  
سرسہ پیار  
بھول کی قطار  
نہو گا بیچار



تبہ دران کا دیکھو اگر کرس تحریر  
 دہی لندری ہے قمری نویر کی نسل  
 عرب سے ہر دم دو لٹیاں جھاڑیں  
 ہے مرج میر تو دنیا ، تا حیران کا میر  
 حال یو ہے دا عمار میمنی و موسیٰ  
 کہہ خدا کا لحاظ اور نہ امیا کا ادب  
 ہوں اہل کی طبع دلی عسکوت کا حال  
 وہ لڑتے ہمیں بھری مسالو کے ما دل  
 سا اور دوع کی کرتی ہیں کھیاں مہن مہن  
 لکھیں جو قصہ لہو وری کا ار مار  
 کرس چیرلی کو ہواں جا سہر لستہ  
 حسب امید ہوئے ہیں معرواں بتدل دارد  
 کرس اوج کی یرکے کی وہ ماہرین  
 بنائیں اُسکے مہر و بحر کا سلطان  
 ہے سچ تو یہ کہ اکھیں ترا مروت کہ انہیں  
 مساعرو ہو تو لڑتے ہیں جیسے ٹھنی مرغ  
 وہ جو درویش سے ارج استوار مار  
 اگر میں کہ ہوا ہے دلاں - نائیں ملیں  
 احرا کئے ہیں وہ تھاں اور لہ کئے ڈیرے

جہاں جو شادیوں شاد و نکی تھی بھرتی

اب ایسی کاٹھ کی آٹھ ہیں کوئی سرکار

## فلسفی علما

ساعوں ہی تارے میں فقر کہ عالموں کا بھی ایسی دیر نہ شمار  
وہیں ہیں آت جہاں تھے در ہندی پہلے گناہے قافلہ دراد ٹم لیتے ہیں عسار  
دہاتہ کم رہا کا قافلہ سسٹیل ہو جیسے کہہ کھار کی ٹاہی رڈی دیوار  
جہ کہ جسے ہرست طول نہ اس لئے اسی راکتھا کی لگی

اساد کا سہہ کیا اگر نام و یاد پڑھتے پھر وہ اس کے مراوں یہ درد  
کچھ باہ میں فقہ رابع الدس بھی ہے مابا اسی ہی یوحی یہ دم سسٹالان لود

کراکتہ میر اس میں صفیاں اسلام حبیب مع مساحد سے بنیہر اپنا کام  
روہ کھات کے لیے مومرا کہ جبار بھی ہے یا نہیں حد اکامیلام

یہ کارہ وقت کو گزارو یارو یوں سب ٹپسے ٹپسے نہ بہت بار  
رسات کی فصل میں ہے درخت لارم کچھ بھی نہ کہہ دو کھکیاں ہی مارو

اکہن چیرس ما کے کھچیں انگریز سب کرتے ہیں دندان ہوس اپہر تیر  
یرٹے ہیں مگر علوم انگریزی سے گڑ کھاتے ہیں اور کلنگوں سے برہم

اشہدشا۔ ایک ایرانی ساعر کا تخلص ہے جس کا اصلی نام مرزا عبد اللہ تھا  
اس کا مولد انصہاں تھا وہیں متودنایا ئی اور ممردی تعلیم ہی اسی سر میں حاصل  
کی۔ استہما کے وال کا نام حاجی مرید دل تھا جو گر حشاش سے ایران میں آئے اور  
اسراویہ کی کو بھی کہ وہ بھی گرس تھیں اپنے ہمراہ لے آئے شہلاہ میر مرزا عبد اللہ

یہاں ابوس اورا۔ یہ والد کے سایہ عاطفت میں، پردیس پاتے رہتے۔ یہ استاد ہی سے  
 حمایت کی اور وہیں واقع ہوئے تھے۔ مگر مدعیب بھی اول دم کہ کچھ بی ہور  
 یہ ہن تھے کہ والد ماجد کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ اور پیار سے استہما کو مدرسہ میں داخل  
 ہوئے کی ضرورت پڑی۔ کہو کہ بعد اس کے اوقات گزاری کی کوئی صورت ہی نہ تھی۔ اسی  
 حالت میں یہ تحصیل علوم میں متغیر رہے۔ اور ساتھ ہی ساتھ قوسوں کی بھی ترقی  
 کرتے رہے۔ چند روز میں صرف و نحو۔ منطق۔ کلام۔ عروض و قافیہ میں کمال حاصل کر لیا  
 علم کے ساتھ ہی ساتھ اس کی جو سس سیانی اور طرائق بھی ترقی کرتی رہی مائیک علوم سے  
 سے فراعہ کرے یہ ایک ربر دست طریقہ میں گئے اور اس کی ہر طرف تہرب ہو گئی۔ اور  
 استاد ہی سے یہ بھی متوق دانسگر کھا کہ ایسے معاصرین اور متقدمین کا عمدہ کلام میاں۔ کے  
 طریق پر جمع کرے رہتے تھے۔ اسی شعب اور علو کی وجہ سے جو دن کو تساعری کا شوق پیدا  
 ہوا۔ مگر یہ خیال آیا کہ ہر اردوں ذی کمال شعرا گزر گئے اور آج ایسے گوسٹ گمانی  
 میں بیٹے ہیں کہ کوئی اس کو حاشا ہی نہیں تو کچھ دل افسردہ ہو کر رہ گئے مگر طبیعت  
 کے ابھار اور دنی جوشن لے بھلا نہ بیٹھے دیا۔ یہ حیثیت نظرانت کی صورت میں بھوٹ کھلا  
 اور در در و تہ سے پیسے لگا۔ مگر طرائق میں بھی ایک خاص قسم اختیار کی۔ سہی تمام کھاؤ  
 مٹھائیوں، میوؤں اور کھوک کا ذکر کرنا ایسے ادیر در میں کر لیا۔ اور آحر کار وہ تمام کلام  
 اچھا خاصہ سکرستان طرائق میں لگا۔ مگر آماہ اہل کمال کا ہیستہ و تمس رہا ہے۔  
 استہما بجا رہے ہیستہ مہلوک الحال ایرشاں، در کار ہے۔ کھی سیٹ کھو کھا مایبست  
 نہ ہوا۔ آخر اسی عالم کس میر سی میں مشلہ میں انتقال کیا۔ حرم نے ان کی تاریخ  
 وفات کہی۔

ابوس کہ استہما سے یا فصل و ہنر      ار ملک صا سو سے لقا کر دگر  
 گفتا سئے ساریج و فالتش حرم      اسے واسے کہ استہما دارم دگر

## فلسفی علم

رسا عوں ہی ہ سارے ہیں یہ عمر کہ عالموں کا کسی اسی وہ ہیں نہ تمار  
وہیں : ما آت جہاں تھے یہ دس صدی پہلے گیا ہے قافلہ دراور لہ لیتے ۹۰۱  
دو ہ م م رانہ کا قافلہ سسٹل ہر جیسے کہہ کہہ کر کی باہی ہرئی دیوار  
جہاں وہ ہست طرل ہ اس لئے اسی راکتھائی گئی۔  
ساد کا صہ تھا اگر مام و مار پڑھتے پھر اس کے مرادوں یہ درد  
کے بابہ میں بعد رارخ درست بھی ہے با اسی ہی یوحی م م سلطان لود

کہا جیتے ہیں اس میں معنیایں اسلام ہ مع مساعد سے نہیں چلتا کام  
ا وہ کھاف کے سلیم م م کو جبار بھی ہے یا میں جدا کا سیلام

لے کارہ وقت کو گزار د یارو یوں سست ٹھہرے نہ بہت ہارو  
رسات کی فصل میں سپہ ورنہ لازم کچھ بکھیر کر د لا کھیاں ہی مارو

اکہ ک پیرن سا کے بھیجیں انگریز سہا کرتے ہیں دندان ہوس امیر تیر  
پڑے ہیں مگر علوم انگریزی سے گڑ کھاتے ہیں اور گلگلوں ست پر ہیر

استہما۔ انیس ایرانی ساعر کا تخلص ہے مں کا اصلی ام مر راعہ اللہ تھا  
ان کا مولد اہم ہاں تھا وہیں لہ و کا پائی اور محمدی تعلیم بھی اسی سر میں میں حاصل  
کی۔ استہما کے والد کا نام حامی حمد دل تھا جو گرجستان سے ایران میں آئے اور  
اسی م م کی کو بھی کہ وہ بھی گرج تھیں اپنے ہمراہ لے آئے شہر اسلام میں مرزا علی اللہ

۱۔ ادا یہ والد کے سارے عاقلیت میں مردِ سست پاتے رہے یہ اتنا ہی سے  
 حمایتِ ذکی اور دہرا اربع ہوئے تھے۔ مگر مددِ نصیب بھی اول درجہ کر کے لے لی اور  
 یہ اچھے والد ماجد کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ اور پیار سے اٹھ ہوا کہ اس نے ہر حال  
 ہوسے کی ضرورت پڑی۔ کہو کہ پوراس کے اوقات گزاری کی کوئی ضرورت ہی نہ تھی۔ اسی  
 حالت میں نہ تحصیلِ علم میں مشغول رہے۔ اور ساتھ ہی ساتھ حوسہ سوسلی کی بھی مشق  
 کرتے رہے۔ حیدر در میں صرف و نحو۔ مطلق۔ کلام عروض و قافیہ میں کمال حاصل کر لیا  
 علم کے ساتھ ساتھ ان کی حوسہ سالی اور طراف بھی رتی کرتی رہی تاں ایک، علوم سہ  
 سے دراعب کرے ہر ایک مردِ سست طریف س گئے اور اس کی ہر طرف تہمت ہو گئی۔ اور  
 اتنا ہی سے نہ تھی سو قدامتیکہ تھا کہ اسے معاصر میں اور مقدم میں کا عمدہ کلام میاں سے  
 طریقِ پیر جمع کرنے رہے تھے۔ اسی صعب اور علوی دم سے حوداں کو شاعری کا متون پیدا  
 ہوا مگر اب نہ خیال آیا کہ ہزاروں ذی کمال شعرا گزر گئے اور آج ایسے گوسٹ گمانی  
 میں بیٹھے ہیں کہ کوئی اُن کو جانتا بھی نہیں تو کچھ دلِ افسردہ ہو کر رہ گئے مگر طبیعت  
 کے اچھا اور دلی حوسہ نے پچلا نہ بیٹھے دیا۔ یہ حیثیتِ طرافت کی صورت میں بھوٹا مٹا  
 اور در در دشو رہے بیٹھے لگا۔ مگر طرافت میں بھی ایک خاص قسم اختیار کی۔ اسی تمام کھانوں  
 مٹھا ہواں میووں اور بھوک کا ذکر کرنا اسے ادیرِ قرض کر لیا۔ ادا آخر کار وہ تمام کلام  
 اچھا خاصہ شکرستانِ طرافت بن گیا۔ مگر مانہ اہل کمال کا ہمیشہ دشمن رہا ہے۔  
 اشتہا حیا سے ہمیشہ مہلک الحال پارتساں درکار رہے۔ کھسی سیٹ کھ کھا مایہ  
 نہ ہوا۔ آخر ای عالم کس پرسی میں ہلاکہ میں انتقال کیا۔ خرم نے اُن کی مانج  
 وفات کہی۔

اسوسن کہ اشتہا سے باہل دہن  
 ار ملک ما سوسے لقا کہ دگر  
 اگلہا بے تاریخ وفاتش خرم  
 اسے داسے کہ اشتہا ندرم دگر

اشہا بہایت یکدل اور عیور رکھے۔ کسی سے سوال کر، کہ مایہ سڑاھا ہے  
 تھے۔ ایسا فقرِ دقائے حق المقدور کسی پر ظاہر نہ ہوئے وسیع اور عالمنا علی سے  
 مسرادات کرتے تھے۔ اُن کے کام میں طراوتِ دست ہے۔ آوہ اسی حد میں  
 ہے حکام ہم ذکر کر چکے۔ سختی اُن کے یہاں قدمائے کم ہیں۔ اگر قدیم رماں او  
 رں کی زمان میں فرق ہے۔ تو یہ کلام یہ ہے۔ جو تمام دیوان سے انتخاب کیا گیا  
 متنبو گشتہ است در آفاق نام ما ریں اشتہا سے بھی و ملا کلام ما  
 باماکے چگونہ زلفایر جوری کایں سکے زاردید در اول نام ما  
 گردوری تمام خلایق کد جن گرد عدا سے محو وضع و سام ما  
 اس گندیہ رنگ کہ در محدثہ است سرپوش کو یکے استہارہ فاریہ طام ما  
 قتاد رار مارساند کسے سلام ق دانگہ رود سے لطف نیا یا یام ما  
 جوں ذکر جبرماہہ سیر ہی نہات دور از مرآت و اہل دست کام ما  
 ارفیض نام ترمیت تاریخ عامیت پیش از سکھیں ہمارہ رقوم ما  
 ارمیکہ آتشہ بہ دل است از عم کباب سور سمدری کہ کہ قصد بام ما  
 مشکل کہ دور حشر بر آیم سز خاک تاپو سے قورمہ رسد و دستام ما

ہو سے رسد نام رقمہ مستام گرامر گرامد ہمہ دیگہ چہاں را  
 گریدہ دلمہ مدرم در نظر خلق یک لحد کم کشف دوشہ رار ہماں  
 گر یک دوشہ مانے نکھارم مجرم صہ یارہ کم کوں بن تہرستان

دستم مرن ردول دگر از درد و جو ہم در گردہ دگر گیا در درتال ایں طیل سے ہنگام ہا

میشم که نه بد حلوا را      بخورم هر چه می بینم یکبار  
سرد را التیام التیام      قامت قدس در دالار

یک سر را حیه که تا که بر اتم کون      از کعب این ساربان ایدل مهارت خویش را

کو تخص کریمه که در بر منمسم به ما      هر صبح طلیعه به گرامه و به بهما  
از بوسه حسن قوام فردا به ما و حرام      از محنت سهر چه اندیشم حسیه پردا  
در حین و خطار در رکایت صفایان      بر قاتل یو دست کسادم چه به عیسا  
ماں تنگم به ما      از بد کسان به  
یک میله مریم به ما      در همه سالم  
شب تاه حیرا به ما      در وقت انگر

گر ریخته اگر - ام درم دست صبح      ماد گورم هم اندر دست کند سدا را  
اگر در لقل سار به دراز خیر به      همه عمر به کمال می طلیع را در ارا

تهار پوسه کله به اریا قتاده ایم      که سر در رنده است میکیا و پیشا

تمام سال خورم حسرت شب و فصل      از آنکه از دل و جان مانم زیسار  
به در گار چه ما هر که به مرئی بود      به دولت مشیدی مر بار  
دو صد هزار فدک میدم شمرده انگر      و در اندر حدک آورند خرمارا

گر چید و شیر و شیر مجور می انگیرا  
اروت ارد هم شکست در نغیرا  
دم ارم عمری رید در پیش ماما قایل  
که مانگ در تاساحه رید دم کلهگیرا

گنگی که گندم ستم دانه ام بود در حبیب  
نعمیه در نظرم روز عیال و روز مر اسباب

حلق را اگر همه رحمت به پیر میستر اسباب  
میتز میل دلم ما کرده گامش از  
به حیانت به مرد شام گرم همسایه  
آستاسه اسباب که بهتر در ازل و ازل  
لا عزا گرفته گا به چه گرد و سر به  
شیر در عرصه آینه با سرش چون میسر است  
عناک و خودم از تنگ آمد تا کخشر  
هر چند حق شود در وانه آوردت  
آنکس که تاج امت میوسه طعام ما  
از حاندان آدم خاکی فرشته فرست

ما حوس است نزد قمر سجد القرم  
چون مرد ما کیسه که رآل پیر است  
هر کس که هر شتم به حیانت همدار مد  
در نزد من به رستم چو سلمان یزدت است  
رزدک هر آنکه سیم رخاں میوزد مدام  
در دین صیغ و تمل در سوره لاعراست  
هر کس که خورد و یار در اوان بر در و سب  
اد در حمار ناخر مصری سراسر است  
روغن ندانی از به ردمه عدس نکوست  
این نوع دس زنت است ادا را زلیو است



اسیہ بادا دم در رہ کر تم جو دم  
مالا لو ادا سار دلا سار سیتا  
یہ رہا میں دگاہ طعناے آد  
گوس را کہ کھگر رہا میں است

جل صبا جیالے جو رہا اگر کس تو  
ہیتو دیکھاں میرو عا جہ ورتو  
کھن درم سرور دگی رہ کر گم  
رہا اگر منہ موم پور رحہ بابوت  
میں کشم لم اہل امار را ہر گز  
کہ دہا اسیت لودہ رقتہ ما قوت

ہر کہ خاک در ما د کسد کل ہر  
ہر کھافہ حرارہ آمد مسان  
ہر ہر رسد لیتیک بہ سہ مار دو  
ہتر آنت سمن ار حوجو ار دو

ماں و پیا سہر جو ردیم مسکان  
مارا کے اریو نیکے سیر نیکیک

ہر کہ جو رہا کو دیکھ دیکھ تہ  
چوں یل نیکی تہ تہ تہ تہ تہ

اخوان قلم آنکس کہ رہا دلا قہ  
سہا مارے است کہ ادھر ہا سہ دارد  
قیمت شہر رخ ار حہ گرا سہ رخ  
تیر دوتیرہ صعب سیر ہا سہ دارد  
دقہ را کہ لود شلم در دیک اسار  
اہلی ما سہد اگر در طلب ہم در دند  
عیر در دلی و در و کمر مار صباع  
ار پیا را است مہیا دوسہ آرا دگر  
روستاں جہاں پیسہ ار صیب شود  
تمام عمر بہ پناہیم این شہب و دواز

اشفاق - ایک غیر معلوم شاعر کا کلام اس نام سے علی گڑھ میگزین میں دیکھا گیا

ہر تھک ہے کہ یہی نام بھی، و زیادہ حالات معلوم ہو۔ کہ مرگ کلام ہے۔  
 مصرع کا لگا نا تو ہے حصہ سحر کا سما ہی ہے وہ کدہ مار چکا  
 قہمی سے میا کی کی پی حال رہوس تھدیر سے یہی بھی لی نام کو لاکا  
 مٹیا ہے جگر گد کی طرح نودی مہم پیسے سے وہ دبا دے اے تاکا

اصغر۔ آپ کا نام سعد علی اصغر ہے۔ شاید یہ مطلع فہم کے رہے، واسطے ہیں  
 رہا حال کے مدد سے سحر سحر ہیں اودہ تیج سائق میں آپ کی ایک نظم سمجھوں  
 رنگ میں صلیب لطر سے گری۔ جس میں حصہ جگہ شوجیوں اور طراست کا لفظ  
 رنگ تال ہے۔ اتنا بظلم ہے۔

محررم میں ہولی کا توار تہنسی صورت ہے اور دل بیار  
 گر ٹپے جھک کے پردہ ہا چیم حب نہ آنا سمجھتا ہا بیار  
 لگ گئی آنکھ موت آہی کی ہوگی حس مت ترک بیار  
 روح قالب سے سیر کو کلی عالم حواس کی دکھائی ہا  
 نظر آیا سب بڑا امدان عرصہ حشر کا ایک مانج گرا  
 کوہ آئیں مٹاں میں ماکل دعوہ ہا ہے تیر ہر آستار  
 ایک بڑھا صوف ریاضیل نظر آنا، صورت، جو غرا  
 بیٹ میں آب تھی نہ مہر میں ہا جھریاں جسم میں یڑی نہیں ہا  
 صوف بیری سے جھک گئی تھی مہر سر بھی جہناں بھلا صورت، یخرا  
 یاسے ماندیں ہا سے رہن بھی تھی عجب مٹھنے میں جان ہا  
 کچھ ہراس اور کچھ یہ بھی ہمت ٹھہر کے دواک قدم ہوا ہا چار  
 چڑھ گیا چہ آیت قرآن کر کے دم۔ دم میں لایا جسم زار

دل میں آیا سال بارگاہ  
م بھی تو آدمی ۶، ۷، ۸، ۹، ۱۰ دار  
صبر مقرر نہ بنیں  
ا ہں در ولس کال ویدار  
بیرہ آما حسیال، دیکھے ساتھ  
ہو نہ انسان یہ کوئی آدم دار  
ایک ہی لمحہ میں اگل حاسہ  
مجھ کو حلوا مجھ کے لذت دار  
بھینچا لا حول کہہ سکے لسم اللہ  
دلہن ڈھارس پہ بھی چلا پایا  
یہ بچا اکدم میں اس بیڑ کے پاس  
دکھی آنکھوں سے اسکی حالت دار  
میں یہ چیا کہ کون ہو کا  
ان اٹھکے سا دمام و دار  
کس کے بیڑ نگہ کے کھانک ہ  
کس کی حستم سیم نے جو ہمار  
لولا وہ مدد کس دوست ہلوس  
سال کہا یو جیتے ہو تم اسے مار  
تخ ارد کا یں میں گھائل  
کسی حرور کا عاشق رار  
الغلابا فلک کا اہل  
دلیر آٹھنی سچے درد کی دیار  
لوگ سر سوسہ پہلے تیرا  
اُن کے افعال یہ ہوں رار و رار

و طعم سے جو کھل گئیں نکلیں  
مٹ گیا سب طلسم کا گھر مار  
و ہی کچھ قصص وہی فریاد  
سسر تم ہے اور اصغر رار

ظلم۔ اس تخلص کے ایک شاعر نے جو ضلع شاہجہاں پور کی تحصیل پاکپتنہ میں  
عالم لوہی کر کے، مراد قات کرتے تھے۔ زمانہ حالات معلوم نہیں۔ طرادت کے  
ہے شعرا کی طرف مسوب ہیں۔

یہ تہہ لہا کھا عمر سے پہلے چارکا  
مگر بھی نہ ٹا۔ کیے کہ ملاوٹ پیرکا  
وہ کھو گار درستی یہ صاف کہتے ہیں  
امام آسے مگر ساتھ نہ قضا رہ ہو

ہمت مشکل ہے کبھی شکل اوصاف ہمانی کی  
ہاں یہ آسکے کھس جانی ہدم بہاقل لانی کی  
سہید ماری حب کر چکے مئی ٹھکائے ہم  
یری سے ناٹھکر سے سر میں لوحہ دانی کی

اقتصر آپ کا نام مامی حامد اللہ ہے۔ آپ سرٹکے کے معیوں کے حامداں کے ایک  
معرر رک ہیں آپ کی شاعری میں ہمت سی وہ سی جیریں پاتی ہیں جس کا اس سے  
بیلے وجود نہ تھا۔ بعض دلچسپ نظمیں جو بچوں کی قابل ہیں آپ نے اس دلکش امداد  
میں لکھی ہیں کہ اسے اختیار داؤدینا پڑتی ہے۔ تمام اصناف سخن پر قادر ہیں۔ ہمت  
سچی ہم۔ مکتہ غ دہ رس طبعیت پائی ہے۔ اگر یری میں بی۔ اسے تک بھیل علم  
کر کے دکالت کے استخاں کے لئے بیاری کی سی۔ کہ بیکامیک طبیعت اچاٹ ہو گئی۔ اور  
تقدیف و تالیف کی طرف لوحہ کی۔ جتنا سچہ اس وقت تک آپ کی متعدد تصانیف ملک  
میں شائع ہو کر مقبول ہو چکی ہیں۔ جس میں بے کتب سررہ شستہ تعلیم خصوصیت کے ساتھ  
قابل قدر اور لائق تحسین ہیں۔ انگریزی کے علاوہ فارسی کا مطالعہ بھی نہایت دقیق  
ہے۔ آپ مسلسل ملازمت متعدد مقامات پر رہے اور ہر جگہ ادبی خدمات اور ریاں  
اُردو کی اتاعت و ترویج میں مہم رہے۔ آپ کی عاتقانہ ساعی میں بھی ایک  
خاص قسم کی حدت ہوتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ کبھی کبھی رنگ طراص کی طرف بھی  
توجہ فرماتے ہیں۔ اور نفس طبع کے طور پر کبھی کبھی ہزل بھی کہتے ہیں۔ مگر آپ کو کبھی بخیال  
پیدا نہیں ہوتا کہ ان کو شائع کیا جائے میرے سخت اصرار پر یہ چند تعزیرات مرتب ہوئے  
آپ میرے در دوست حمایت و ما اور موطن ہیں۔ اتفاق وقت سے آ شکل لکھو میں مقیم ہیں  
اور جو ملی کاربج لکھو میں اُردو پڑھاتے ہیں آپ کی عمر تقریباً ۲۸ سال ہے

نظر کو وسعت حاصل ہو گئی دو بیوں سے  
حدانک ہو میں سکتی رسانی اس میں سے  
یوں سیاہی کی طرح عمر بسر کی ہم سے  
یہی کی روح کے دفتر میں کلر کی ہم نے

جہاں میں عیب جتنے ہیں وہ سب کئے میں ہیں  
 کہ عینوں کو چھپا لینی کے طبع سے نہیں ہیں  
 کیا یہ تیجے طعنے میں راہ صدق و صفا  
 سکھانے میں ہیں اس کا دل اس میں  
 یہ اسی بات ہے جیسے کوئی کہے افسر  
 تراب ملتی ہے شیشے کے کارخانے میں  
 وہ کہتے ہیں سوا دیشیوں سے تنگ کر  
 ہمیں جا بد دے دو تو ہم سرت کا تیں  
 اُن کی یہ دوا انہیں تاء فلک لے پوچی  
 ہم ہی سوچ رہے ہیں کہ حیاں اچھا ہے  
 مدد ہا میں فورم ہے سیاست میں لکھتے  
 چیکے سے کان میں سویر دے کی مات ہے  
 یہ یہ وہ دردہ کچھ نہیں سمجھا وہاں ہے  
 آپے موجودہ زمانے کی رومس پر بعض اسے استعارہ کہتے ہیں جس کے الفاظ نہایت  
 سلسلہ اور یرستگوار ہیں مگر معنی نام کو بھی نہیں۔ مگر اُن کے لکھنے کی احاطہ نہیں دی۔

افسق۔ مہ علام حسین نام تھا۔ برہن پور کے رہنے والے تھے۔ اگرچہ عام اور  
 مشہور مذکر ہے آپ کے ذکر اور نام سے خالی ہیں۔ مگر پھر بھی ایک معاشرے آپ کا  
 ذکر ان الفاظ میں کر ہی دیا ”امش میر علام حسین امش تخلص اشعارے اس عصر است  
 اور لبکہ مزاسے بہ بچو مائل است و ستر تیج رلی مہاید اکثر مراج او نہ طرف ہر لی آید  
 ستو می طبعش ار کلامش بہ دیر است و حنی مراحت ار تخلص پیدا است کا تن کہ این خیال  
 در دل او جا میاتے و آفتاب اشعار رنگیں رستہ آفتاب تاسفے انتار الشدر مہ رفقہ  
 ازین تا دیب سو و دخلص خود ہدایت قرار دہد۔ درین ایام اذرا تم الحود ار تباط کلی  
 دار و دیما سیم دیوان را بطل خود نقل کردہ فقیر اذرا لی داشت۔“ یہ ہے وہ عبارت  
 خوشی بکھی نار این صیق اور رنگ آبادی ہے اسے تذکرہ چستان شہر میں امش صاحب  
 کے لئے لکھی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا تھا کہ سر صاحب صاحب دیوان شاعر تھے۔ مگر  
 اس زمانہ میں اتفاق وقت سے آپ کا وہی لکھا ہوا دیوان جو صاحب تذکرہ کو اسے ہاتھ سے

لکھنے عیادت کیا دیا بھاری سیاب ہو گیا ہے۔ اس۔ ۷۔ معلوم ہوتا ہے کہ مرہا حب اور  
 حسینؑ سلسلہ ہم تک نقید حیات ہے۔ کونکہ دیوان کے آخر میں دونوں کی مرہا  
 آگئی ہوئی ہیں، اس صاحب کے ایک مقطع سے اس کا سلسلہ کا بھی پتہ چلتا ہے  
 اذنی کے اس میں کا ہوا تہہ اس ہے میں اس کے انی عالم ار کا

دیوان میں سب اصناف میں۔ رماعیات۔ مستزاد خمس۔ داسو حب۔ اور ایک  
 میں می گھنچہ آفاق بھی شامل ہے۔ مثنوی حار کمال مکہ محمد۔ جو کہ میدان۔ دائرہ سر۔  
 چادر گھاٹ۔ چار محل۔ اور جو کہ حیدر آبادی نہیں ہیں اور لطیف یہ کہ حیدر آباد کی اخلاقی  
 حالت کا اس زمانہ میں بھی فوٹو لیکن دیا ہے ساتھ ہی ساتھ ایسی آوارہ مراحمی ادا شہ کی  
 حالات بھی صاف صاف بیان کرتے چلے گئے ہیں۔ حیدر آبادی کے ذکر حیرت دیوان  
 الامال ہے۔ تناحو رحمت۔ جلی سنگم۔ حیدر مارح النساء اللہ۔ پی حال حیدر  
 رہ رہ۔ گلابیہ کے نام کا عادیوں میں نظر آتے ہیں۔ جمعیہ کا عادیوں کا پتہ  
 سا ہوا ہے۔ اور یہ ذکر صراحتاً ایسے عریاں الفاظ میں کیا گیا ہے کہ زمانہ موجودہ سے  
 مصالحت اس کو مثلاً بھی عین کر کے کی اجازت نہیں دیتے۔ غزلیں محنت اور مرایا محنت ہیں  
 کہیں دلربا یا نہ کر کے جو براتراتے ہیں تو ریجے ادا دیتے اس کا نام ہے اور استعارہ کا ہفت  
 سے متعلق ہیں کیا محال کہ کہیں دیکھی جاتی ہوں کہ وہ کھری سما کی ہوں کہ  
 طرانت اہرائی سے گزر کر قوا حشاش میں جایو بیٹھے ہیں اور یہ۔ راسے ہر ان علامہ صہ  
 حال بر نظر آتے ہیں اور حساب اذنی ہرائی کے میر مفضل سے ہو۔ ۷۔ نظر آتے ہیں عریہ کا ان  
 حضرت کا دیوان ہر لیا ت کی اس مسئلہ پیٹ یا بھی قافوس الفوا حشاش میں کر رہ گیا ہے۔  
 مگر ہرل میں اتنے متاق معلوم ہوتے ہیں کہ آج بھی ہر لیا ت ان کے کمال کا پتہ دیتا ہے۔  
 سرنامہ دیوان۔ حسب سیم الشیطان الرحیم لکھا ہوا نظر آتا ہے تو پڑھنے والے کی طبیعت  
 خوش ہو جاتی ہے۔ ہر لیا ت میں اس کے دیوان کا انتخاب کر کے واضح صاف سے بجا کر

صاحب محاسب کا یورپی نے نہ نہ متغیر زمانہ رسالہ کاں پورس طبع کر اسے کہے جس کو ہم نقل کرے ہیں۔

قطرہ آب .. کو دیکھو لوسے دوس ہم نے کم دیکھا ہے مونی جگ میں ایسی پاک  
قطرہ آب کی آب سے ہرہ گوہر ہے یا نی اور  
حب اسے جھکل نکلو کے لیتے ہیں میں حرد کے حیا ماں سے کھنچا  
ادھر سے ہوا اور آہر سے مولا آ کہ دو لوں نے جھکا گریاں کیے کھنچا  
حدر ناماد میں سسہ دی کا اس۔ اند میں شرار دور سور تھا اسی کے سعلق کہتے ہیں۔

ا جکل ہے دور سیدی کار کھنچے حق آید ہے ، دگر دور، دوں کی ال دالوں کی نظر  
اس گردس فلک میں اسے اتنا ہے ، لیاں ہٹووں کو تنہا رسالہ اور دولہاں ہوا  
مارہ صدی کے دو میں رات میں رہی اورہ زندگی کی لاو ، میں رہی  
حسن کی تحیر سے اسے ، ہمارا ڈل کئی مان سکر مارا ، مونی کی اسے ٹل گئی  
کس دیک سے کہ اسے سوچ و مضمون پڑی ہے حرم کی تہہ ، کھنچا مضمون ٹی ہے  
ماکر سے یا بھوت پڑا عیہ و ری کہہ لیکھا تو مٹی ہوئی کیں گونم پڑی ہے  
اٹھو یا۔ و تماشہ کہ جہاں سنگام ہوئی ہے کسی کی لال ساہی۔ کس کی رر پہلی ہے  
ماؤں کے حق میں گر یہ طوفاں ہے گلزار کاٹنے کے حق میں لیکن سلطان۔ ہے گلزار  
یہی حیدر تنویر سے ہیں میں میں واحشات میں ہیں ، بان نام دیواں اسی سے کھرا ہے۔

اقبال ڈاکٹر تج عہد اسال صاحب بی۔ ایچ۔ ڈی۔ بیرٹر ایٹ لاہور کا  
تخلص ہے۔ آپ کے حالات، عاید، سترت کی دودھ سے محتاج تعریف ہیں آپ کی  
شاعرانہ قوت مشق۔ فکر صائمہ، مختل۔ محبتیں، حیرہ کا ملک، دانکہ، ایکہ، یکہ قابل  
ہے۔ اور وحہ قوت اردو فارسی نظروں میں آپ کو یہ طوئی حاصل ہے۔ یہ کہ آپ نے

اگر مضمون کے رنگ طراوت میں بھی کچھ دریا ہے اس لئے مانگ دراستہ حوآیہ کی نظر  
 عربوں دیرہ کا مجموعہ ہے چند استعارہ کا انتخاب کر کے شامل تذکرہ کرنا ہوا، اگر  
 آبی کی اصلی شاعری کے مقابل میں اس قسم کے اشعار کم تر درجہ بھی نہیں دے سکتے  
 مگر صرف آبی کے نام مامی کے لحاظ سے درج کرنا ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس قسم کی  
 شاعری کے لئے ہرگز آب کا دماغ مورد نہیں ہے۔ کائنات جو کچھ فرمایا ہے نہ فرمایا  
 ہوتا۔ انتخاب ملاحظہ فرمائیے۔

مشرق میں اصول دیں بھاتے ہیں	مغرب میں لکڑیوں بھاتے ہیں
رہا نہیں ایک بھی ہمارے پلے	واں ایک کے تین تین بھاتے ہیں

سچ صاف بھی تویر دے کے کوئی حامی نہیں	محنت میں کالج کے لڑکے ان سے مدد بھی نہیں
وعدتیں و نوا یا کل آپ نے یہ صاف صاف	برہ آور کس سے ہو صوبہ مردہ ہی ان سے نہیں

لستے ہیں ہند میں جو حیدر ابھی سقوط	آغا بھی لیکے آئے ہیں اپنے وطن سے ہانک
------------------------------------	---------------------------------------

تھو وہ بھی دس کہ خدمت استاد کی عرص	دل چاہتا تھا بدیدہ دل نہیں سیکھنے
مدلار مانہ ایسا کہ لڑکے کا پس اسبق	کھانا ہے ماسٹر سے کہل بیٹھ سیکھنے

ایسی خدمت کی یہی حالت اگر قائم رہی	آتش گئے عین مال کا بل سے کہیں حمان سے
------------------------------------	---------------------------------------

ہم مشرق کے مسکینوں کا دل مغرب میں جا بگاڑ	واں کمر سب لاد ہی ہو بل ان ایک بڑا لشکار
---	--



مہری امیریل کو سل کی کچھ مشکل ہے      وٹ د ملھا نیگیکی پیسے می دلو انیگیکیا  
میردعالت جا اچھے محامہ مانگے      ہم سے یہ مانا کہ دلی میں رہے کھا نیگیکیا

اٹھا کر پھینک دو مار گلی میں      نئی تہہ کے انڈے ہیں گیت  
مساں محار بھی چھیلے گئے ساتھ      ہمایت تیز ہیں یورپ کے رہدے

ساہے میں بے کل یہ گفتگو تھی کا جانے میں      یراے مہوڑوں میں ٹھکا مادہ شکاروں کا  
مگر سرکار نے کیا جواب کو سل ہاں سوا یا      کوئی اس شہ میں تکیہ نہ تھا سرمایہ واردوں کا

اکبر۔ یعنی سدا کر میں صاحب رحمی آلہ امادی م حوم اگرچہ آپ کے  
کمالات نے آپ کو ہمد و مستان میں اساتہد کر دیا ہے کہ اس یہ احتیاج مائی میں  
ہے کہ آپ کے حالات لکھے جائیں مگر قاعدہ و ترتیب کو جو سے کچھ لکھتا ہوں۔ آپ  
۱۶۔ دوسرے ۱۷۶۶ء اٹھارہ سو چھیالیس کو بمقام آلہ آمادہ ہوسے۔ ویسی مددوں  
اور مکتوں میں تعلیم پائی ۱۷۶۷ء میں آپ نے ادنی درجہ کا امتحان وکالت پاس کیا  
اور اس تحقیق پدار ہو گئے۔ اور رنی یا کر ۱۷۶۸ء میں اسکو رٹ میں مسل حوال ہوئے ۱۷۶۹ء  
میں وکالت کی وجہ اعلیٰ کی سدا جمال کی اور ۱۷۷۰ء تک وکالت کرتے رہے ۱۷۷۱ء  
میں دوبارہ سرکاری ملازمت اختیار کی اور تری کر کے شش منج کے عہد سے تک  
ہو بچ گئے ۱۷۷۸ء میں خان ہاوی کا خطاب پایا۔ آپ کو فارسی آزد دو اور  
انگریزی زبانوں پر حسب ضرورت کافی عورتقا۔ استدرا عمر ہی سے شعر و شاعری کا  
شوق تھا۔ اور شاپ و حیدر آبادی کے شاگرد تھے۔ رنگ قدیم آپ کی شاعری پر  
قالب تھا۔ مگر طرافت کے پہلہ انداز ہی سے کلام میں نمایاں تھے۔ مالا حراسی رنگنے

اسقدر ترقی کی کہ آپ کے قدیم رنگ طبیعت رعابہ اگما۔ اور ما اسکے آپ رنگ قدیم کے ایک بختہ مستی شاعر تھے مگر پھر بھی طراوت پر آپ کے کلام اور کمال کا محصر ہو گیا۔ اور اگر یہ نظر غور دیکھا جائے تو آج ایک آدمی بھی ایسا نہ ملے گا جو آپ کی حریت کی حیثیت سے آپ کو جانتا ہو بلکہ سب طراوت کے ان درجہ سے آپ کے کمال کے گرد یہ اور دلدادہ ہیں۔ آپ ہایت ہی سیک طبیعت رمدہ دل مسکس المراح مکمل انسان تھے اسی درجہ سے آپ کی طراوت اس ہزاروں اور محاشوں سے مائل الگ ہے جس کے دیوانوں کا سرمایہ یا آپ کی ہریاں مرئی اور مرحرات ہیں یا فحاشی اور خرافات۔ اس کے علی الرغم آپ کی طراوت نہ صرف طراوت ہے بلکہ مید و نصائح اور قومی مذہبی تمدنی معاشرتی۔ روال۔ رسوم۔ تاریخ۔ سیاست و غیرہ کا محلی اور مصفیٰ آئینہ ہے۔ آپ کی طراوت سے دل کو ایک سچی خوشی اور روح کو صحیح رحمت ہوتی ہے۔ اور آدمی اس سے اسقدر فوائد عظیم حاصل کر سکتا ہے جو بڑی بڑی اخلاقی کتابوں سے بھی حاصل نہیں ہوتے۔ حق بابوں کی تعلیمی اور یہ و نصائح کے رہبر کو خوش سیالی اور مراح سے شدید شکر کے شرت کی مانند ایسا خوش برد اور گوارا کر دیا ہے کہ اس سے کبھی سیری نہیں ہوتی۔ طراوت کے ساتھ اعلیٰ تخیل اور حدت مضامین طر داد اور سلیقہ میاں۔ جیتی بندش۔ تسست العاطف۔ تلاش معالی۔ ہر جگہ حسب محل و موقع موجود ہیں۔ جس سے آپ کی شاعری ایک پری کی طرح فگنی ہے جو مصاحبت و بلاغت کے آسمان میں اڑ رہی ہے۔ اور ایسی بلند ہے کہ دیکھیے والوں کو ٹوپی یا بیگڑی سنبھا لکر دیکھنے کی مروت بڑتی ہے۔ آپ کے محدود ساتھ استعارے۔ اور اصطلاحات ہیں جنہوں نے سونے میں سہاگے کا کام دیا ہے۔ اور جس کلام کی جاں سن گئی ہے۔ مبتدل نام جتن۔ گھوڑوں۔ کلو۔ بدھو۔ نختو وغیرہ جو استعاروں یا اصطلاحی یا اشاریہ کی ضرورتوں میں پیش کئے ہیں۔ اسقدر خوش نما نظر آتے ہیں کہ دیکھ کر جی پھڑک جاتا ہے۔ بھل بھل رہے ہیں اور قلمیے اس حسن کے ساتھ لائے گئے ہیں کہ خیال میں ہیں اس کے حقیقت



## انتخاب از جلد اول

مری تقریر کا اس سچ کچھ قارئین جلتا ہماں سدوق چلتی ہے دہاں حادو میں جلتا

لیپے دے دوسہ جھکو نہ تو تیں یا بج کر  
میں لے سمجھ لیا ہے حساب کا حاج کر  
دوسہ لوں کا لیتا ہوں میں جھکو نے یلا  
حلو امار با ہوں در اتسر آج کر

ملگیا ترع سے شراب کا رنگ  
حب بلا عص حساب کا رنگ  
جلدینے سچ صبح سے پہلے  
اڑ چلا تھا در اضا کا رنگ

سا ہے حلت مادہ پہ ہو گیا موی  
حالے نعل کیا بچ گئے حرام ہے ہم

موسم گل میں صا کو جو ہوئی ملج کی دہاں  
لکھ ملل سے بھی میدا ہوئی کھلج کی دہاں

الایا ایبا الطفلک سورا حہ ماو لسا  
کہ قرآن سہل او واول دے افتا و مشکلا  
لکھ ترئیں یائے خود ہوش و اس قتلوا  
کوسر سید جہر دار در راہ در سم و سر لسا

یروے کا کیا ہے حوڈا گاییدا  
خود ہے کیا ازار او انگاییدا  
کیا حب کہا ہے مولوی میں لے  
بیچر لے کیا ہے ہلکو سکا سیدا

میں کو دیکھا عاشقِ رلفِ جلیا ہو گیا  
مست تھا دل بھول کر وہی کا بیٹا ہو گیا

کہا یہ غم سے دعا طے نہ کیو ساو گی میری  
ہیں شوقِ مائنس کچھ ہوتا ہوں گری گاڑا  
کہا اکبر نے میں بھی پوہی کر لیتا مو دا می  
عطا کرتا خدا تمکو جوہر تن تو مش یہ داڑھا

ایسا شوق نہ کرنا اکبر  
گور سے کہ نہ بنا سا سالا  
بھیا رنگ بھی ہے جیہا  
ہم بھی کالے یا بھی کالا

رحیم بیکاری کہ سب باوا  
تتاؤ دراعقل ہے میری گم  
عجب حال ہے یہ کا کا قوا  
کہ ہر جو سچ ہے اور کہ ہا سکی

کرں دیکھ کر کی حالت یہ جو کل  
کہدیا میرے کہ ہے یہ صاف مات  
وہ صم قشر سچ کا طالب ہوا  
دیکھو تو تم رہیں یہ سرعالب ہوا

یانی بیٹا پڑا ہے یا تب کا  
میٹ جلتا ہے آکھ آئی ہے  
زب یڑھایا ہے شاہ کا  
شاہ اڑوڑ کی دہائی ہے

چنکی رلف میں الجھا رہتے عطیہ  
دل غم ہوا الہ امتحانوں کا

سائیں بیکر دور بیٹیاں تھوڑی سی مولا  
ہماری کیا ہے اسے بھائی نہ مٹریں مولا

سکہ زر مالوے در دہوتی کرتا رداست  
گفتست دریں وصل این مالہ و دریا و حبیبیت  
ما و دوستس نا مالہ سے راد در اخبار دہشت  
گفہ مارا حوف میس و ٹیکیں این کا رداست

ہر رنگ کی ماتوں کا مے و میں ہے جھڑٹ  
احمیر میں کھلجا ہوں علیگڈھ میں ہوں بسکٹ

شیخ جی زرف سے پھرتے تھے پہلے جرج ر  
جیشم مدد و رابا ہے ہی آپیکسٹ سکاوٹ

سید کی طرف تو جیدہ لائے کی ہرج  
ہتر ہے ہی کہ مت برستی کیجئے  
اور شمع کے گھر میں بیچکا لے کی ہرج  
گو آئیں بھی صبح کو نہالے کی ہرج

تہہ یہ ہے بہیم و حقارت کی لطر  
ہر سے بھی کہنگے پھرئے اکثر  
یتلوں یہ عصہ و سترارت کی لطر  
شاند یڑ جاہ اسی کی رت کی لطر

حوس کے مری غزلین تو بولے لاجدہ  
جو مہنا یا ہے اتنا تو تھوڑی لید بھی کر

ابھیں شق عبادت بھی ہے اگلا کی جاو بھی  
سکاتی ہں دعائیں انکے سمجھ سے ٹھمریاں ہو کر

آگے اچھے کے دیں ہے کیا چیر  
کھیں کے آگے میں ہے کیا چیر

دہائیں مرا تصور حضرت حرماف  
انکار ہمیں مارا روئے سے مجھے  
حوا مر ہے واقعی گزارش کردل صاف  
لیکن یہ طریق اب ہے پیش کی خلافت

شیخ صاحب کو میں شاعر بنی مانتا کام  
حس کی قید ہمیں میں ہے مسماۃ سے کام

ماسٹر صاحب کا علم اس وقت گو ہے سیکام  
اہل دانش میں مگر اوروں ہے میرا احترام  
مات مالکل صاف ہی سچیدگی کچھ بھی ہیں  
میں ہوں سعدی کا محتاج وہ ہیں ملش کے غلام

میں العلم تلیلا کو بھی دیکھو بعد اذنتم  
ہر ماہو گے تو اکدن بھائیو کھاو گے حوتی تم

آپ کی حرکت میں کل میں رات بھر سو رہا ہیں  
لکس اتنی مات کھی گاتا رہا رہا رہا ہیں

دوسہ کہیا کہ گاوری بھی نہیں یا تا ہوں  
یہ کلام اپنا اچھیں خاکے بنا آتا ہوں  
وہ یہ کہنے ہیں کیا خوب کہا ہے واللہ  
میں یہ کہتا ہوں کہ آداب کا لاما ہوں

حلاف شرع کھی شیخ تھو کتا بھی ہیں  
مگر ادھر سے ادھالے یہ جو کتا بھی ہیں

چاند میں آیا نظر عار ہمیب  
ہاے اب اسے ماہ سہا کیا کر دلی

جیکوں دیا سے کس طرح میں  
عورت لے کہا کہ گو مدہوں میں  
قومی جید سے کہ ہر سمانیں  
کالے کہا کہ تو مدہوں میں

یورپ والے جو جاہل نہیں ہوں  
حسکے سر پر جو چاہیں اہمیت ہوں  
بچے رہو ان کی تیروں سے اکسر  
تم کیا ہو حد کے تین ٹکڑے کر دیں

کوٹھی میں جمع ہے وہ ڈیارت ہو میکس میں      قلاس کر دیا مجھے وہ چار کھنکس میں

عال ویا سے سحر ہیں آپ      کو تقدس باب میشک ہیں  
تج جی بر یہ قول صادق ہے      جاہ ر حرم کے آپ میڈک ہیں  
سچ جی کو جو آگیا عقدہ      لگے کہ یہ یھیک کر دہسا  
ہے ہتھاری مودس اتی      حطر ج ہوڈی ریڈ یہ لیس

ہے ہیب سے یکارا اسے اگر اندہ ہیں پچی ہیں      یاروں کے کیا یہ قول غلط تجوہا ہیں لکچھی ہیں

ہم ایسی کل کتابیں قابلِ مصطیٰ سمجھتے ہیں      کہ جنکو یڑھ کے لڑکے باب کو حلی سمجھتے ہیں

اگر مجھے تک ہیں تیری تیری میں      اور تیرے میان کی دل آدیری میں  
شیطان سربا سے ہمدیں ہے بیخوب      لا حول کا ترجمہ کر انگریزی میں

گرمینٹ کی حیرت د سساؤ      گلے میں حو اتریں دہتا میں لڑاؤ  
کہاں ایسی آزادیاں یقین میں      انا الحق کہو اور بھالسی نہ یاؤ

تقی لیا سے سول سروس کے مجھ محلوں کو      استاد ڈا یا لنگوٹی کہ دیا پتلون کو

نیکی کے حق میں کہ ادائی نہ کرو      امل کے ساتھ ہو خالی نہ کرو  
نینگو بھی رہو گے اور مرد لگے بھی ضرور      کہتا ہوں کہ دعویٰ خدائی نہ کرو



اصدا ہوتی تھیں گے م یہ م      نہ تہے تھی اک - طالی  
سختی دست رقی ٹوٹ دات      خاص کوڑی کوڑی ادا ہو گئی

رہا کرتا ہے نہ ہم سہاکی      نہ سہا - اڑ - پرہاکی  
تیر ہی سے اُن کی کوا کر ملک ہے      حراما نے ہمارے مال کا ادا  
ابھی ادا کیا ہے اس کا      کہ نہ سہا کی داک

ہر اُس آدمیری ہوا میں نہ پڑتی      نہ داک کی سہا کوڑی داک  
راں اسے سہا ہے سہا کی لڑائی      نہ کہ نہ تہے ہر کما ماسلمانی

کچھ لوں میں ہر سہا کی لڑائی      نہ ماسلمانی داک کی لڑائی  
سہا سے ہر لڑائی داک کی      نہ تہے ہر لڑائی داک کی

لڑائی میں سہا کی لڑائی      نہ تہے ہر لڑائی داک کی  
سہا سے ہر لڑائی داک کی      نہ تہے ہر لڑائی داک کی

سہا سے ہر لڑائی داک کی      نہ تہے ہر لڑائی داک کی

سہا سے ہر لڑائی داک کی      نہ تہے ہر لڑائی داک کی

کامیابی کا حدیثی پرہیز درست ہے      چونچ طوطا رام نے کھولی مگر پرستہ ہے  
 زارہ ایسے بخت میں ابرو سے خمدار سے      جس طرح بابو کو ہے بیگانگت تلوار سے  
 سینہ مس کا بھارا ایدل فساد انگیز ہے      لوگ سچ کہتے ہیں بادِ بخان باد انگیز ہے  
 شیشی جی گھڑت نہ ٹکھے اور عجبتہ کمدیا      آپ بی۔ لے پاس ہیں تو بندہ بی بی پاس ہے  
 ممکن نہیں مے ترا نوٹس نہ لیا جائے      گال ایسے پر نیا دھوں اور کس نہ لیا جائے  
 ہر اک رمارک آپکا عقرب کا نیش ہے      مجھکو بھی رنج غیر کا بھی سینہ ریش ہے  
 مجھ سے کہا کہ گوز شتر ہے ترا سخن      اس سے یہ کمدیا کہ تو گو بر گنیش ہے  
 کہتے ہیں حرج کیا ہے جو بار کیا ہے وہ پل      بائیکل پر گز رنگے ہم پل صراط سے  
 ہے نور خدا بھی طالب رزق کا دوست      داڑھی بھی تو پیٹ کی طرف جاتی ہے  
 کچھ شک نہیں کہ حضرت واعظ ہیں خوب شخص      یہ اور بات ہے کہ ذرا بے وقوف ہیں  
 اردو کے تین ربع کے مالک ہندو ہیں      پھر کیا سبب جو اس سے انھیں انحراف ہیں  
 یعنی اردو ہے چیز انھیں کے مذاق کی      اردو کے تین جزو ہی صاف صاف ہیں  
 شمع سے چھوٹے ایلچے انجن میں      اسیں بک بک تھی اس میں بھک بھک  
 شاہان مغربی کرتے نہیں مجھکو قبول      ٹال دیتے ہیں یہ کہہ کر آپ کا لا لالہ ہے  
 چہرے کے نیچے قرہ ہے داڑھی کا جھول بھال      اس فرد کو بچائیے تفصیل ذیل سے  
 جب کہا گیسو کا بوسہ دیکھے دل سیجے      ہنسنے بولے آپ کو سودا ہے مسہل لیجے  
 ہم سے شب وصال وہ بے میل ہو گئے      افسوس انٹرنس میں ہم فیل ہو گئے  
 واسطہ کم ہو گیا اسلام کے قانون سے      دب گئی آخر مسلمان مری پتلون سے  
 اب کہاں تک بتدیس صرف ایماں کیجے      تالکھا عشقِ تانست بیماں کیجے  
 جو رہی بہتر علی گڑھ جا کے سید سے کہیں      ہم یہ چند لکھے ہو کو سلطان کیجے  
 برسے ملک میں ہر نامہ کیا تہنیم شوق سے      بجز زس کے کہنا د اور بھی گھبراہٹیں مان سے

ان کو کیا کام ہے مردت سے اپنے رخ سے یہ منہ موڑینگے  
 جان شاید فرشتے جھوٹ بھی دیں ڈاکٹر فیس کو نہ جھوڑیں گے  
 اس اکھاڑے میں اڑنگے دیکھ کر قانون کے شیخ نے ہمد سے ہجرت کی طرف پتلون کے  
 راہ تو مجھ کو بتا دی خضر نے اونٹ کا لیکن کرایہ کون دے  
 اب تھیں پیر میں ہینگے جا کے خوب خانقاہوں میں تو برسوں رہے  
 ہوتا ہے نفع یورپین نان پاؤ سے میں غرض ہوں ایشیا کے خیالی پلاؤ سے  
 ایسا بیچنے پہ ہیں اب سب تلے ہوئے لیکن خرید ہو جو علیگڑھ کے بھاؤ سے  
 دھمکا کے بوسہ لوں گا رخ رشک ماہ کا چندہ وصول ہوتا ہے صاحب دباؤ سے  
 چٹھی اس مس کی ہے کہ یہ جامدو ہے دل جوش مفاخرت سے بے قابو ہے  
 ایسی پرسی اور محب کو پیا را لکھے القاب میں دیکھے ڈیر کھو ہے  
 اس غرق سے کہ سینہ پوش انو شیخ کی ریش روز بنتی ہے  
 مستو تہ شراب قاقہ مستی لائی پتلون کو کر دیا لنگوٹی اس نے  
 پردہ در کی راے سنکر بیباں کہنے لگیں اب ہمارے وارث ایسے ہی نگوڑے رہیں گے  
 جو وقت ختمہ میں چنچا تو نائی نے کہا ہنکر مسلمانی میں طاقت خون ہی بہنے سے آتی ہے  
 عاشقی کا ہو چراغ سنے بگاڑے سارے کام ہم تو اسی بی میں رہے اغیار بی لے ہو گئے  
 پردہ کا مخالف جو سنا بول انھیں بیگم انڈ کی مار اسپر علی گڑھ کے محلے  
 کھائی خرنگان و نظر کی جو قسم بولا وہ شوخ آپ اب قسمیں بھر کر رہیں جبری کاٹے سے  
 قلعہ منصور شکر بول انھی وہ شوخ رس کیسا احمق لوگ تھا باگل کو بچانے کیوں نہ  
 کس سوس سے آپ کسی سب نہ چو کئے جیسی گھڑی ہیں یہ انھیں ہر روز کو کئے  
 نکالا شیخ کو مجلس سے اس نے پہ کھنک یہ بے وقوف ہے مرنے کا ذکر کرتا ہے  
 ہمتو کالج کی طرف جاتے ہیں گروہ کس کو سو نہیں تھیں لنگھان ہے

## استخاب از کلیات دم

ہم نے کہا جو اس سے ٹکڑا کے جلیغ عالم  
 حیرت میں آئے بولا کیا آپ جی رہے ہیں  
 یہ یوں کے عاشقوں کو سودا ہوا مسوں کا  
 جو پھاڑتے تھے جامہ اب کوٹ سی رہے ہیں  
 میرے لئے شراب بیاں بھی ہے کیا حرام  
 اس شہر میں تو کوئی مجھے جانتا نہیں  
 ترس کوئے گلگون کو پری کہتے ہیں  
 شمع خوش ہوں کہ خفا ہم تو لکری کہتے ہیں  
 اللہ کا حال کچھ نہ بول چھو  
 دیکھا نہیں نام رکھ لیا ہے  
 حسرت بہت ترقی دختر کی تھی انھیں  
 پردہ جو اٹھ گیا تو وہ آخر نکل گئی  
 چار دن کی زندگی ہے کون سے کیا فائدہ  
 کھا ڈبل روٹی کلر کی کر خوشی سے پھول جا  
 شاعرانہ داد اچھی دی یہ مجھ کو چرخ نے  
 تیغ ابرو کا تھا عاشق خان بہادر کردیا  
 شایق تحقیق کے مقدمہ میں سن لیں  
 انسان کی شکل جیسے میموں بنا  
 با جامہ بھی یوسفی ارتقا سے بدلا  
 سمٹا ابھرا غرض کہ پتھلوں بنا  
 حکم انگلش کا ملک ہندو کا  
 اب خدا ہی ہے بھائی صلوا  
 پہلے ہم لوگ یہ سمجھتے تھے  
 ہر چہ از باپ میرسد نیکیست  
 ہر گئی اب خیال کی اصلاح  
 ہر چہ از آپ میرسد نیکیست  
 یہ وزیر بھی جو سب سے تم امید  
 ترقی را چہ آمادہ برآمد  
 بد ہوش لذت ہم نہ انام و گرہ کز  
 اکوں کرو ماغ کہ پرسد زبانہ  
 کز دہ گفت دلا بچہ شیدہ دانا  
 زہر زہاں سے بچا ہوش  
 بزرگ ماہر و مادی گم مشہور  
 مرد نامہ تو از شد چرا تہیہ شود

فقط یسٹ ہی کھاتا ہوں بار بار  
 نئی ملت کا ہوں میں زائد خشک  
 حتمہ تمام سب کر وہ مذہبی تعلیم کم  
 عزت پر ایم باقی دین ابراہیم کم  
 حسرت عشاق بازار جابیں کچھ بچو  
 ازمدیاز نہ اردس کی کثرت سیم کم  
 وہ مناتے میں بھی جاتے ہیں  
 کہنے میں مان جاؤ منارام  
 یہ ری گرد تپ ہیں شیطان کے احسان بت  
 ترک لا حولی یہ مجبور ہوا جاتا ہوں  
 شیخ تشلیک کی تردید تو کرتے نہیں کچھ  
 گھر میں بیٹھے ہوئے وہ اتین بڑھ کر تپ  
 جنگل کے جو تھے سائیس وہ ریل کے ہیں تپ  
 امی کی جاگ سنگل تری کی جنگل انجن  
 اسلام کی رونق کا کیا حال کہیں تھے  
 کونسل میں بہت سید مسجد میں فقط تپ  
 پڑے گنگناتے تھے لالہ نہ بن  
 نہ آنگھوں میں انجن نہ دانوں میں منجن  
 چھٹے ہسے بالکل وہ اگلے طریقے  
 کہ ان کچھ لیجائے گا ہم کو انجن  
 شیخ پر گو کہ رشک آتا ہے  
 ادٹ کے سولفات جانتے ہیں  
 ہیں مگر ادٹ پر نہیں قابض  
 کام کی ہم یہ بات جانتے ہیں  
 ہماری مفلیں اب بھی لطیف ابرائے ملک ہیں  
 براحتش تھے قبل ایک ایسا ہنر کہ نہ تو ہیں  
 نہ لیس ہتھیار کا ہے نہ زور  
 نہ دل سے ہم کو سستے ہیں مگر  
 کہ اٹلی کی توپوں میں کیڑے پڑیں  
 شیخ صاحب کے تعلق کی نہ قلعی کھل جلتے  
 لاٹ صاحب کا کہیں حشر میں اظہار تو  
 کہ یہاں ہنشا سے بر حال بندہ  
 کہ ہستم اسیر کیٹی و چندہ  
 عمر گزری ہے اسی بزم کی طراری میں  
 دہ سری پشت ہے چندہ دہ گزری  
 زبان اکبر کی اس طرہ سخن پر نایہ کرتی ہے  
 بھن کی دہن میں تردید بیت طائر کرتی ہے  
 تدبیر حفظ جان بقیہ ضرور ہے  
 اس وقت مومنوں کو بقیہ ضرور ہے  
 بنیاد رکھنا ہے جس کے نہ شکست کے برغ کی  
 دیکھ سکتے ہیں جو چہ ہنسا کے برغ کی

دوزخ سے سوا بیدار کن انجن کی سیٹی ہے      اسی سے شیخ بیچارے نے بھائی اپنی پیٹی ہے  
 گھل پھینکے ہیں یورپ کی طرف بکھر بھی      اے پنجرہ سائنس بھلا کچھ تو ادھر بھی  
 رات افسوس سے کہتے تھے یہ منی بھائی      ہم سے ناحق ہیں الگ کانفرنسی بھائی  
 وہ تو گرجا پر مکا اور یہ گیا کعبہ کو پھاند      شیخ کا ٹوٹا انجن سے بھی بڑا ہکرت ہے  
 دنیا آخر کو تم سے لپٹی      ہو ہی گئے تم عرض کہ ڈپٹی  
 کرتے کیا ان سے بھینٹ خالی      کر آئے ہم اپنی ٹینٹ خالی  
 مکہ تک ریل کا سامان ہوا چاہتا ہے      اب تو انجن بھی مسلمان ہوا چاہتا ہے  
 کچھ آہ آبادیں سامان نہیں بہود کے      یہاں دھر کیا ہے بجز اکبر کے اور امر کے  
 وہ مس بولی میں کرتی کہ اب کو اپنے پاس سے      مگر آپ اللہ اللہ کرتا ہے پاگل کا افک ہے  
 کاش کرنے مجھے وہ شاہد ہر مل منظور      لیک تو روز ہے اک رات تمنج بھی سہی  
 اکبر دے نہیں کسی سلطان کی فوج سے      لیکن شہید ہو گئے بیگم کی فوج سے  
 ان سے بنی بی نے نقطہ اسکول ہی کی بات کی      یہ تبتلا یا کہاں رکھ رہے ہیں ڈرات کی  
 یہی ہے عقدہ کشائی قوم تو اک دن      ازار بند کو کہہ دیں گے جس بیجا ہے  
 سدا سرحد پہ حاجت ہے رفل کی اور کاٹھی کی      چلی جاتی ہے گستاخی بندوق، خان کی لاٹھی کی  
 اب کمان دست جنوں تار گریباں کہاں      پانیر اور دست مجنوں اور خبر ہے تار کی  
 لے لیا شیریں نے کسرٹ میں ٹھیکہ دودھ کا      ریل بنوانے لگے فرہاد اب کسار کی  
 ڈنر سے تم کو کم فرصت یہاں فالتے کہناں      چلو بس ہو چکا ملنا تم خالی نہ ہم خالی  
 بتاؤں آپ سے میرے کہ جد کیا ہوگا      پلاؤ کھائیں گے احباب فاتحا ہوگا  
 رشتہ در گردنم انگندہ بیٹ      می رود ہر جا کہ میرا ست و پلیٹ  
 ہوا آج خارج جو میرا سوال      کہا میں نے صاحب سے باطل  
 کہاں بھاؤں اب میں دیر تباؤ      وہ جھنڈا کے بولے جہنم میں جاؤ

یہ نذر بہت صبح سنیں ہوئی مگر اس تصور سے تسکین ہوئی  
 کہ جب اہل یورپ میں بھی ذکر ہے تو بیشک جہنم بھی ہے کوئی شے  
 نہیں مناسب کہ ہو یہ ذکر کبر زانیہ ہو چکا  
 درکار چندہ سیم و دراز حیب و در رفت مال حضور بود بہ پیش حضور رفت  
 شیخ اپنی رگ کو کیا کریں ریشہ کو کیا کریں مذہب کے جھگڑے چھوڑیں تو بیشک کو کیا کریں  
 فرماوے سے کہا کہ مناسب ہی جھگڑا کریں کہنے لگا بتائیے تیشے کو کیا کریں  
 رہیں ہر پھر کے آیا بی نصیبیں وہ گو اسکول میں برسوں پڑا کہیں  
 زمان حال میں اگلے فسانے امر ماضی ہیں جو تلوار میں چلاتے تھے وہ اب ٹھوکر بہ رخی ہیں  
 شراب اڑتی ہے مجلس میں رداں جو خون تھے کا مزا حباب تو رندوں کو نہ مفتی ہیں نہ قاضی ہیں  
 نام امجد و رسول اب تو میں کم سنتا ہوں پہلے رائج تھے یہ الفاظ مسلمانوں میں  
 یاد کرتا ہے گزشتہ باثر لا حول کو شیخ کو طعنے دیا کرتا ہے شیطان اندوں  
 بت سے مراست ہے تو عزاں سادہ چھوڑے ناخوش کہیں توں وہ ہوا مستعان پر  
 مجال کیا کوئی کمد سے خوشامدی جھکے اسی سبب بہت سہل ہے جناب کی صبح  
 لاکھ روئے کر رہے جاتے ہیں امجد و رسول دیر کا کورس برہمن نے مگر کم نہ کیا

## انتخاب کلیات سوم

اطبا کو تو اپنی فیس لینا اور دوا دینا خدا کا کام ہے لطف و کرم کرنا شفا دینا  
 خدا کا نفس ستہ بنی ہے نہ دینا نہ لینا غریب کو غصہ نہیں آتا  
 غریب اکبر ہے خوشی پر نہ کی کئی بہت کبر کرنا غریب کو غصہ نہیں آتا  
 کام اس ملک میں بہت گزشتہ سے کیا دیر کو جہنم رست کوئی پیر منٹ سے کیا

مال کا ٹرمی یہ بہرہ دے ساجے جنہیں لے اکبر	اُن کو کیا غم ہے گناہوں کی گرازاری کا
بجائو تم کبھی ہندی کے مخالفت نہ بنو	بعد مرنے کے کھینکا کہ یہ سختی کام کی بات
بسکہ محتانامہ اعمال مرا ہندی میں	کوئی پڑھ ہی نہ سکا لگئی فی القور نجات
بظاہر عتقا یراق راہ عسرفاں	چودہم برداشتم لسیڈر برآمد
کونسل میں پڑا ہے ہیں ناتعلی اپنی	عاقل ہیں مگر می بھو اتی پرشاد
شیخ کہتے ہیں کہ پیر و نکی پرستش ہی ہر دھرم	ماٹر کہتے ہیں اسٹر کی بھی یاد تہ کہ
مولوی ہو ہی چکے تھے نذر کالج اس کے قبل	خانقاہیں رہ گئی تھیں یہاں سے انعام
بند ٹاپے میں تھے وہ بنگلہ پر	صبح کے وقت ہنس پڑی وہ دم
جب وہ بولے یہاں سے کوڑیوں کوں	مرغ شاخ درخت لڑا ہو تہم
یاد دہر کے ساتھ لوگ کھانتا تھا کی کریں	لیکن موت آئے تو بڑھ بھی کیا کریں
گو بہت اونچی ہے پرواز حرلیف	تخ بھی کچھ کم نہیں ہیں جپ میں
اں کا طوطی بولتا ہے عرش پر	انکی مرغی بولتی ہے گہ پتیا
تعلیم خزانہ سے یہ امید ہے ضرور	ہمارے دلن خوشی سے تو دانی برات میں
بیسے برنگد میں مغرب کی رخت ہو گئے ہیں	یہ سہ مدفن تکیہ میں اصالہ اسکو کہتے ہیں
بوزے نورقص پر کس بات کی میں داد دوں	ہاں یہ جانا ہے ہمارے کو مبارکباد دوں
چرخ شمشیر کیشن کھدیا اٹھار میں	قوم کا لڑ میں اور اسکی زندگی اخبار میں
پاپ کوئی کھا نہیں گھر میں گئی براگ	بجھاگن ضرور ہوا غور کیا کریں
کہتے ہی بے وقار ہوں مرزا کو غم نہیں	کافی ہے یہ شرت کہ وفاقی سے کم نہیں
اولہ مرزا ہر طاقت بدنام ہیں	تینگ پڑو وارث اسلام ہیں
مفتی شرع نہ ہوں لیڈر اسلام تو ہیں	یو سے مسجد نہ سہی کمپ کے گلفام تو ہیں
اس شرع پر جسے فلک سے صلح آخر ہو گئی	قبریں حسیادہ کہے ترنگیں ادنیٰ کم کریں



کسی کو بحث نہیں آج پاپا پر ہے : سب سیات کے نغمے ہیں دس کی دہن میں  
 میری نصیحتوں کو سنکر وہ شیخ بولا : بیٹو کی کیا سند ہے صاحب کے تو ماںوں  
 مرہانی سے مجھے گودام کی کچی تو دی : لیکن اب گہن میں میرا تو گہن گہن  
 خوب اکبر نے یہ اڑائی تان : دین ہے آنکھ اور مذہب کان  
 جیسا موسم ہو مطابق اسکے میں دیوانہ ہوں : مارچ میں بلبل ہوں تو جولائی میں پروانہ ہوں  
 ہمارے دم سے تابندہ ہوں کہہ کر اڑتا ہے : ہم نے ان کو چمکایا ہیں وہ جن کے کندہ ہیں  
 یہ کیا ضرور ہے کہ ہمیشہ پڑے رہو : کہتا ہے اب یہ بچہ کہ کھاؤ پڑے رہو  
 قاصد ملا جیسا من سے وہ کھیلنے تھے پولو : خطر رکھ لیا یہ کھرا اچھا سلام پولو  
 قاعدوں میں حسن معنی گم کرو : شعر میں کتا ہوں بچے تم کرو  
 خوب لڑوایا بہم دل کھول کر : مار ڈالا راویون نے قوم کو  
 سزا دہی ہو اونٹوں کی تو گرنے کاٹے ہو : اگر بندر کی بن آئے تو فیض ارتقا کہئے  
 جیب کہا میں نے کہ پیار آتا ہے جھکو تیر : ہنسکے کہنے لگے اور آپ کو آتا کیا ہے  
 عام الزام ہے اکبر یہ کہ پیتا ہے کیوں : اسکی پریش نہیں ہوتی کہ یہ کھا کیا ہے  
 وہ دل کو جو کلیسا بنا کے چھوڑیں گے : اس اونٹ کو خر علیہ بنا کے چھوڑیں گے  
 کریں گے شوق سے مسلم غذا میں مے دخل : شراب کو بھی ہر سیا بنا کے چھوڑیں گے  
 توپ کسکی پر وفسر ہو پئے : جب بسولا ہٹا تو رندا ہے  
 کینیٹی میں چندا دیا کیجئے : ترقی کے بچے کیا کیجئے  
 اب نہ جنگی علم نہ جھنڈا ہے : صرف تو یز اور گنڈا ہے  
 کیا ہے باقی جناب قبلہ میں : کچھ حدیثیں ہیں ایک ٹڈا ہے  
 تاکہ عبادت یہ اب کہتے ہیں (ٹکے : پیری میں بھی اکبر کی خرمست نہیں جاتی  
 دریا میں تو صاحب آگن بوٹ میں ہائے : میدان الکشن میں گئے وہ دھن میں ہائے

اندر بدم بود پس نہ سہی نہ شد  
 جب غم ہوا چڑھالیں دو بوتلیں اکٹھی  
 ہر روز کی نام نہ پڑی نہ پڑی  
 ملا کی دھڑ مسجد اکبر کی دھڑ بھٹی  
 نجد کے فتنے کہاں ان ٹھٹھوں کے سامنے  
 جو پوچھا دس اس جینے کا کیا مقصود  
 دس کو جتنے بھلا یا یہ وہی کھاج ہے  
 حضرت اکبر سے کہد وقافلہ تیار ہے  
 شکم بولا کہ اس کی بحث کیا خام تو حاضر ہے  
 عقل نہ اچھی کی کس الہ مجلس سے  
 اک رزدیویشن کا ٹوٹا آپ بھی کس لیجے  
 سیوہوں کو فکر تھی ایک کس کے دس دس کیجے  
 جھک کے چلنا چاہتے ہم سب کو دل سے  
 موت آپہنچی کہ حضرت جان واپس کیجے  
 تو مہینہ تنگ یہ چہ برون کی مانگے  
 کالج کے چوتھے پٹے میں بیڑی کی ٹانگے سے  
 نیو کی گز رہم والی ہی پر  
 کالا اس طرح وال میں ہے  
 امنوں تو سب کے آگے ہیں  
 عموا الصالحات مشکل ہے  
 ایشیائی کی کئی کیا خوب ریل ہے  
 اس راہ میں ہر ایک پسو کا میل ہے  
 کیا پوچھتے ہو دل کو مرے کیا مقام پر  
 فطرت کے کارخانے میں غم کا گدام ہے  
 ہو دھرم میں مبارک یہ چھل کو دآپ کو  
 خون مجھ میں بھی ہے لیکن شکر ہے  
 اک ڈوسر میں کھا گیا اتنا کہ کھلی تن سے جان  
 خدمت قومی میں بارے جان مٹا دی ہو گئی  
 نجد میں بھی مسرتی تعلیم جاری ہو گئی  
 یلی و مجنوں میں آخر وہ جاری ہو گئی  
 یہ مشرق قافیہ ہی کے لیے ہے خوب اسے اکبر  
 جو آجڑا لکھنؤ کچھ علم نہیں پیرس تو باقی ہے  
 دسوی لطف لہم گھی ہی سہی  
 شیخ صاحب مہنت جی ہی سہی  
 زندگی کو فرد ہے اک شغل  
 غیر با فضل لیڈری ہی سہی  
 ان کو بکٹ کے سے سوچی کی پھیل لگئی  
 کمپ میں غل پر گیا مجنوں کو سلی مل گئی  
 تھے معزز شخص لیکن انکی لائف کیا کرب  
 گفتنی درج گزٹ باقی ہے سب ناگفتنی  
 شکم سے حضرت انساں نجات پاد سکے  
 اب اپنے پیٹ میں ہیں پہلاں کے پیٹھے

آنکھیں ساقی کی بخشیں رسیلی اب تک میں بچا تھا آج بی بی لی  
 شوہر افسردہ پڑے ہیں اور مرد آوارہ ہیں بیسیاں اسکول میں ہیں شیخ جی دہار میں  
 تعلیم لڑکیوں کی ضروری تو ہے مگر خاتون خانہ ہوں وہ سہاکی پری نہ ہوں  
 ذی علم متقی ہوں جو ہوں ان کے منتظم استاد اچھے ہوں مگر استاد جمی نہ ہوں  
 آدم چھپے بہشت سے گیوں کے واسطے مسجد سے ہم نکل گئے گیوں کی جان لیوی  
 دوا سے شوہر و اطفال کی خاطر تعلیم قوم کے واسطے تعلیم نہ دو عورت کو  
 منزل گور تک پہنچنا ہے خواہ موٹر ہو خواہ چھکڑا ہو  
 مرزا غریب چپ ہیں انکی کتاب ردی بدھو اکڑ رہے ہیں صاحب نے یہ کہا ہے  
 جناب ہی کو مناسب ہے یہ سول لائن نیاز مند کو تو شہر ہی میں راحت ہے  
 مرغی نے کہا خوب کسی کپ میں لٹ کے انڈا وہی اچھا ہے کہ بچہ جسے کھٹکے  
 کیوں اپنے سر پر زحمت بیسود لیجئے کونسل کے بدلے لگے میرا بھیل کو دلچسپ  
 ہر چند کہ ہے مس کا لونڈر بھی بہت خوب بیگم کا مگر عطر حنا اور ہی بکھو ہے  
 قیمت کو ترے بڑ بڑ دیتے ہیں ٹھہرے کے دام بے حسی کا میکہ ہر غفلت کا دور ہے  
 بھرتے ہیں میری آہ کو فوٹو گران میں کہتے ہیں فیس لیجئے اور آہ کیجئے  
 شیخ کے دامن کو اکبر نے دیا بوسہ جو کل بھنے برکت کیلئے اس مس کا سار اچھو لیا  
 قوم پر ممبری کا غیر ہوا کل جو اپنا تھا آج غیر ہوا  
 شیخ جی مر گئے کمیٹی میں غل مچا خاتمہ بنخیر ہوا  
 اک پیر نے تندیب سے لڑکے کو ابھارا اک پیر نے تعلیم سے لڑکی کو سزا  
 پتلون میں وہ تن گیا یہ سنا یہ میں کھلی پا جا مہ غرض یہ ہے کہ دونوں نے آنا را  
 برا وہ بنا کپ میں یہ نگیں آیا بی بی نہ رہیں جب تو میاں بن جی سدا را

یہ نہیں پڑھتا کہ کون کونسا ہے  
 یہ کیا ہے قول شاعر گڑبڑ جنون اچھا  
 کیونکر خدا کے عرش کے قائل ہیں عزیز  
 جزافیہ میں عرش کا نقش انیس ملا  
 فرقت نے کہا کہ جا گئے آپ  
 کھٹن نے کہا کہ بھا گئے آپ  
 ہم ڈر خواہی دہم آ درغ صفا  
 ایں خیال است و محال است و گزان  
 کیا پوچھتے ہو اکبر شوریہ سر کا حال  
 خفیہ پولیس سے پوچھو یا سہمے کراہال  
 خدا کی راہ میں اب ریل چل گئی ہے  
 جو جان و دیا پر بھرتی ہے کٹہر اکراہال  
 دس کا اس بت خود میں سے کوئی نہ لے کران  
 صرف دوسرے میں بھلا اسٹن گورنٹ کہاں  
 رسماً تو ایک دوسرے کا فی دم دواع  
 لیکن مزا جو آسے تو دو دتیں کیوں دلیں  
 لیکن معائنہ کو وہی تابدان ہیں  
 ہجر کی شب بوجھیں کاٹو بھائیو  
 آن کا فوٹو لیکے چاٹو بھائیو  
 جو جانتے ہیں کچھ عرصہ اعتدال کے ساتھ  
 بٹھا رہے ہیں وہ ٹیکٹ کا بیڑا کسے بٹھا  
 شیطان نے ترکیب متزلزل یہ سچا  
 ان لوگوں کو ترشوق ترقی کا دلا د  
 کافی ہیں امیر دن کو تو انہی گورنٹ  
 مذہب کی ضرورت تو غریبوں کے لئے ہر  
 دن میں اب نور خدا کے دن گئے  
 پڑیوں میں فاسفورس دیکھئے  
 دیر ہی سکھتی ہیں جگہ یہ کھلے  
 جنم سے ڈرنا ٹری بزدلی ہے  
 ظریف تیرگی ہے اور لوگوں میں قانونی ہے  
 ضرورت کیا ہے پردے کی جہاں بیہ کا پانی ہے  
 ٹٹھا دیا بران کو مغرب نے پاس کر کے  
 سیدھی کورسے کھلے بیوں مس کر کے  
 برنگ کے مولیٰ کو کیا پوچھتے ہو کیا ہے  
 مغرب کی پالیسی کا عربی میں ترجمہ ہے  
 فکر ساری کی ہے نہ کنگن کی  
 اب تو دہس ہے انھیں فرنگن کی  
 یہ دال نب گنگ کبھی گل نہیں سکتی  
 کلو کے پٹانے سے بلا ٹل نہیں سکتی

ہو گیا ہے الملاں آماجگاہ تیر غریب \_\_\_\_\_ اس نئے دور فلک کی چاند ماری دیکھیے  
 کھینچو نہ کمانوں کو نہ تلوار نکالو \_\_\_\_\_ جیب توپ مقابل ہو تو تلوار نکالو  
 ضبطی پر چڑھ تو حید ہوئی فیر یہ ہے \_\_\_\_\_ قل ہو اللہ احد ضبط نہیں خیر یہ ہے  
 صاف کتا ہوں رہیں خوش یا ہوں نافرمان \_\_\_\_\_ آسمان اب چاہتا ہے مولوی کش مولوی  
 حج کو کیونکر جائیں کارخانگی کو چھوڑ کر \_\_\_\_\_ اتنی کثرت ہو جو چاہوں کی تو ملی کیا کرے  
 شیخ جی کے دو نویسے یا ہنر پیدا ہوے \_\_\_\_\_ ایک ہیں خفیہ پولیس ہیں ایک بھانسی بانگے  
 ڈائری میں ہرگز نہیں لکھتا \_\_\_\_\_ فدرانج \_\_\_\_\_ رنگے خفیہ پولس سے کل کراہا کاتیں  
 وارٹھی خدا کا تو ہے بیشک مگر جناب \_\_\_\_\_ فیشن کے انتظام صفائی کو کیا کروں  
 نہ کٹا نہ لٹا ہے دیاں کا ٹنا چھری ہے \_\_\_\_\_ مگر گھی ہے تو کھچری کیا برسی ہے  
 دھن دھن کی مٹی جیسے گانا تھا کٹاتی \_\_\_\_\_ بسکٹ سے ہو ملائم پوری ہو چپاٹی  
 شانِ خاتر اکبر شاہانہ ہو چلی ہے \_\_\_\_\_ مسجد الگ بنائیں اپنی مسیاں بلاق  
 بابو ہمیں نکل گئے اس عہد میں تو فیر \_\_\_\_\_ رہنا پڑا ہے بیویں کو مچھلی کے پیٹ میں  
 حقیقی اور مجازی شاعری میں فرق یہ پایا \_\_\_\_\_ کہ وہ جامہ سے باہر ہے یہ پا جامہ سے باہر ہے  
 لیڈر کو دیکھتا ہوں تقویٰ پر مغرب \_\_\_\_\_ کالج کے کیڑے پڑ گئے دلق فقیر میں  
 تعلیم اسکی اچھی جو گھر میں اپنے خوش ہو \_\_\_\_\_ مذہب اسی کا ہتر جبر کو پولس پرکھے  
 طاہر حوزہ کی بدولت ان کو بھی آرتقا ہے \_\_\_\_\_ جو مارتے تھے کبھی اب مارتے ہیں جو ہے  
 فرانگے ہیں یہ خوب بچائی گئے ہیں \_\_\_\_\_ دنیا روٹی ہے اور مذہب چولہا  
 سایہ مدت ہوا غبارہ ہوتا \_\_\_\_\_ پانچوں میں کبھی اب بھری ہو رہا  
 مغربی تعلیم جو اور ہوم روٹی ملتا ہے \_\_\_\_\_ لطف موسم سے ہو بیشک ہوا دریا ہو  
 حرج کیا رہیہ جو کا عہدہ کا چلا \_\_\_\_\_ شکر روٹی تو گھوٹوں کی رہی

نہت کا زمانہ اور تیار ہونے کا وقت  
وہاں سینے میں قرآن کی آیتیں

الانسان خیر لیکن صحت یہ تخلص معلوم ہے یا یہ کہ ایک وقت میں یہ روح  
اور دھڑکن کے نامہ نگار تھے۔ باقی حالات وغیرہ بالکل معلوم نہیں۔ صحت خود اس کا  
ملا ہے جو حق کیا جاتا ہے۔ شہداء میں جب کسی یورپین کو کہہ دیا کہ ہندوستان بڑا بڑا جھوٹ کا  
انعام لگایا۔ جس سے متاثر ہو کہ اکبر مرحوم نے یہ رباعی کہی تھی۔

یہ صاحب جھوٹ کی پھٹی بحث ہند میں  
کیسے ہی ہر ہندو اس بات کو نہیں سمجھتا  
جھوٹے ہیں ہم تو آپ ہیں جھوٹوں کے پادشاہ  
اسی زمانہ میں جناب الانسان خیر حک نے یہ نظم کہی۔

جھوٹا نہیں بتاتے ہیں سالانہ بزم میں  
وہ صبح کو تپائیں اگر شام راست ہے  
وہ کہہ رہے ہیں ہند میں تکلیف کچھ نہیں  
آتی تھی سوتے سوتے نظر شکل ہند کی  
انعام پاتے ہیں جو ہمارے گریجوٹ  
فلسفوں جو گرہ صدہ آلام میں اسیر  
تصور میں ہے ان کے اگر آرم میں بھرا  
یہاں

بندہ خدا دباں ہے یہاں بندہ خدا  
ناؤں ڈرا سچ ہیں کہ یورپ میں ہیں جھپے  
کتے ہیں وہ جو آئی کو اشار میں صدق  
دین سچ راست ہے اسلام جھوٹ ہے  
مطبوع ہند قصہ گفام جھوٹ ہے  
کتے ہیں ہم جو آنکھ کو بادام جھوٹ ہے

گرو مشن کا اپنی گرو مشن ایچ بی سی  
گرو گیس کے گرو مشن ایچ بی سی  
ادوار حیکمہ آگیا سب عیب اٹکے  
آفاقہ جھوٹ میسر سرانجام  
اسی طرح جو وقت ضعیف الملک کا اب دراز کا امتثال ہوا تو انھوں نے  
صاحب کی مچھی شروع طبیعت مردہ ہو کر اور جناب نے یہ قطعہ رشتہ فرمایا۔

یادشیں بھیر کے اجل نے مٹا دیا	گوئی کہ دراز کا عجب ہستی یہ درخت
تھے باعث نشاط کس روز مٹا دیا	بیل تھے ناپ گھر کے کب گھر میں نہ تھے
گھبراتے تھے ولایتی چکر کی سر سے	تھوڑے دن کینیا ہر جام باں تھے
جلسہ بر سر کبریاں نہ ہوئی شاپس	سینہ کی کوئی تار نہ تھی کیا تھے
شاید لیڈیوں ہی نہ مطلق تھاواں تھے	ہاں تھے تو لوگوں پر کرپے تھے سرانجام
اتر رہے تھے طبیعت میں شوخیاں	ریشم تھوڑے تھے : وہ عالی دماغ تھے
کئے کہا کرتے وہ نئی روشنی کے لمپ	وہ تو الہ دین کے مخلص چہرا تھے

المست - ذابا ایک رضی تخلص ہے۔ تھوڑے رنگ کی ایک تمام میں ہو وہ  
زمانہ کے بعض جٹلیہوں اور لیڈروں کو ظرافت کی شیرینی سے شربت بنا کر نصیحت کا  
زہریلا دیا گیا ہے۔

تم صاحب لکچر مالک	تم شہر کے لیڈر مالک
تم اعلیٰ انسر مالک	تم مولوی مسٹر مالک
تم خان بھادر مالک	
تم ہتھو ہشدر مالک	تم پورے بندہ مالک
تم تیز چندر مالک	تم لال قنندر مالک

تم خان بہادر مالک

تم دوڑ کے شینگے جاؤ      تم ڈر ٹفن سب کھاؤ

تم کلپ میں ناچو گاؤ      تم شیخی سے اتراؤ

تم خان بہادر مالک

تم صورت اپنی دکھو      تم میرت اپنی دکھو

تم شہرت اپنی دکھو      تم سخوت اپنی دکھو

تم خان بہادر مالک

تم سید زادے کیسے      ہو شاید ایسے ویسے

صاحب کے ٹھیلے کی بھینے      ہو مد ہو شاہی پیسے

تم خان بہادر مالک

ایہ شان سینہ درزائی      ہیں حلیہ خلیفہ نائی

کیا اچھی ناک کٹائی      کچھ بھی شرم اور لاج نہ لائی

تم خان بہادر مالک

تم شان مشیخت والے      تم کبر و رعوت والے

پھٹکار اور لعنت والے      صبا کے جنوں کے متلے

تم خان بہادر مالک

تم کھاؤ مرغی انڈا      تم مارو سب کو ڈنڈا

تم گارو پٹھانی جھنڈا      تم پاؤ انگلش کنڈا

تم خان بہادر مالک

تم گھوڑا ٹم ٹم رکھو      تم گوری میڈم رکھو

تم نیزہ بلٹم رکھو      تم ذکر بدوم رکھو



تم خان بہادر مالک  
المست شرابی آیا تم بھیا گے ڈنڈا لایا  
تم ہپ ہپ ہراگا یہ نعمت خوب سنا  
تم خان بہادر مالک

امیدوار۔ تخلص ہے میرے دوست ابو اکمال سید محمد علی صاحب  
کا۔ جبکہ اصلی دولت خان امیٹی ضلع سلطان پور تھا۔ مگر ایک عرصہ سے گھسٹو  
محلہ حسین گنج میں قیام ہے۔ آپ فارسی اور اردو دونوں زبان میں شعر کہتے ہیں  
نہ صرف شعر گو کی حیثیت رکھتے ہیں بلکہ اب ایک مسلم المیوت استاد کامل ہیں۔ آپ کے  
علمی و ادبی کارناموں سے ملک کا گوشہ گوشہ واقف ہے۔ آپ کے سلسلہ طر فانی میں  
شامل کرنا آپ کے لئے دو ان مرتبت سے کم نہیں ہے۔ مگر چونکہ اودھ پانچ سابق کے آپ  
ایک قابل اور مشہور و معروف نام تیار تھے اور مدتوں تک آپ کے علمی ادبی تنقیدی مضامین  
اور اسی کے ساتھ آپ کی ظریفانہ نظمیں بھی شائع ہوتی رہیں بلکہ آخر میں آپ نے اودھ پانچ  
کے ایڈیٹوریل اسٹاف میں بھی کام کیا۔ اور نہایت ہی فاضلانہ اور قابلانہ طریقہ سے ان کی  
خدمات انجام دیں۔ اس لئے تذکرہ نویس کا گناہ ہو گا اگر ہم آپ کا ذکر نہ کریں۔ آپ کا  
سن فریفت کم از کم اس وقت چھپیں۔ سال کا ہو گا۔ مگر زندہ دلی اور خرافات کی ایک مجسم تصویر  
ہیں۔ وضع دار نیک دل ہونے کے علاوہ علمی شغف بیاں تک رکھتے ہیں کہ ہر ممبر سے  
ممبری لفظ کو بھی بغیر تحقیق و تدقیق کے استعمال نہیں کرتے۔ مجھ سے دس بارہ برس  
سے واقعات ہے مگر آپ کی پاس وضع میں کبھی فرق نہیں آیا کہ برابر تیسرے چوتھے روز  
تشریف آوری سے مجھے شکر یہ کاموش دیتے ہیں۔ اگرچہ آپ کا نظام ظریفانہ بہت کچھ  
ہے مگر سردست جو کچھ مل سکا وہ حاضر کیا جاتا ہے۔

ایک نام نہاد۔ یہاں تک کہ یہ شخص اپنے آپ کو بہت بڑا سمجھتا ہے۔  
 ہر شعر ظرافت کی نثر کا ایک مریخ رواں معلوم ہوتا ہے یہ آپ نے بطریق تحفہ سال نو  
 اددو پچ کو پیش کی تھی۔

مشتق من کیجے کیا عرض حال	شامت اعمال کا سنئے مال
زن مریدی کا بڑا ہو کیا کہوں	جان سے جو روکے ہاتھوں تنگ ہوں
زندگی اپنی ہوئی مجھ کو وبال	ہے کسی کا شعر میرے حسب حال
حکم جو روحی یہ از حکم خداست	انچہ جو روحی بفرما دیرداست
سنت شارع سمجھ کے بے صلاح	اک عقیقہ سے کیا میں نے مکاح
وہ نکاح سنت خیر الورا	میرے حق میں طوق ذلت ہو گیا
حال من از دست باتو ابترست	در گلویم سنت پیغمبر است
بے اجازت جو رو صاحب کہیں	میں کہیں آتا نہیں جانا نہیں
کیا کہوں شامت جو آئی اکیار	خود سری سر پر ہوئی میرے سوار
جلدی جلدی توش کر کے میں ٹٹن	کوٹ اور پتلون کر کے زیب تن
رکنے ٹرکش کیپ سر پر رک نئی	فیشن میں ہاتھ میں بیکر چھڑی
جو رو صاحب یہ نہ کہ پوچھا گھیا	گھر میں سے سیٹی بجاتا جلد یا
کی ٹرکشی بہت ہے فائدہ	جیسے جنگلیوں کا ہے قاعدہ
جمع سے القصر نیگرتا مسا	در بدر کی خاک میں چھانچا کیا
اب خیال آیا کہ کیا کچھ علاج	میم صاحب ہیں نہایت بد مزاج
وہ جو پوچھیں گی رتھے جنگ نماں	کیا کروں گا سامنے ان کے بیان
کچھ جو آئیں بائیں شائیں بکے یا	غذہ بدتر از گندہ ہو جا سے گا
میں جو کچھ بگڑا تو شامت آئیگی	وہ جو بگڑیگی قیامت آے گی

سوچتا تھا یا اگلی کیا کروں  
دیکھتا ہوں سامنے اتنے میں کیا  
کچھ عجب اک ڈھوکا ڈھوٹھا ہنجر  
جیب مرے نزدیک بالکل اگیا  
دل تم آیا ہر کہاں سے کون ہے  
وہ لگا کھینے لیکن اسے خواہر گوش  
سن کے ان کی بات کو میں خوش ہوا  
عذر معقول آگیا ہے خوب ہانک  
لیکے ہنرہ ان کو قصہ مختصر  
چپکے چپکے گھر کے اندر میں گھسا  
گوڈرا میں بگڑے تیرے دیکھ کر  
بیوی صاحبہ نہ سمجھو ڈینگ ہو  
دل جو دال ماش کو چاہا مرا  
اتفاقاً ایک آعسا کا بیلی  
ساتھ ساتھ اپنے اٹھیں لایا نہیں  
لکے اتنا گھر میں یا خون دہاں  
چوکر ہے سودا ترقی کا مجھے  
بیٹھ کر کہنے لگا میں اتنے یوں  
ہینگ کیا اور ہینگ کا کہنا ہی کیا  
رہ کے دنیا میں ترقی کیجئے  
جہان تہ پھرتے ہو کیوں گیونگی خاک

جان تھی نیے دروں نیے بروں  
اک مجھم دید آتا ہے جہلا  
ڈر گیا میں اسکی صورت دیکھ کر  
میں نے حسب وضع اس سے یوں کہا  
یوجہ کیا لاداہے جس سے ڈون ہے  
من ز کا بل ہستم انگورہ فرومش  
اور دل ہما دل میں اپنے یوں کہا  
ان کو لے چلئے مکاں پر اپنے ساتھ  
پونچے خوش خوش تادربگشت اثر  
سامنا چو ہے کو بلی کا ہوا  
دفع دخل اس طرح کر ڈالا مگر  
دال کی لذت جو ہے وہ ہینگ ہے  
جستجو میں ہینگ کی دن بھر پھرا  
بلکے آتے ہوئے مجھ کو ابھی  
اُن کو ڈیوڑھی میں بٹھا آیا ہوں میں  
الغرض آیا میں پھر آغا کے پاس  
ہینگ دینا گاہے سے نہ تھوٹتا مجھے  
بیچتے پھرتے ہو تم یہ ہینگ کیوں  
پدی کیا اور پدی کا کیا شور با  
حرف و صنعت میں حصہ لیجئے  
کیوں برسے جاتے ہو ہرقت میں ہانک

نفع متے تاکہ اور دل کو بھی ہو	کرتے ہست کسب کوئی سیکھ لو
جنے کاٹے اہل یورپ کے بھی کان	آنکھ جا پان ہے حرفت کی کان
زندگی بھر چین سے کیجئے بسر	سیکھئے جا کر دہاں کوئی ہنسر
یک میک جھجھلا کے یوں کہنے لگا	سنکے یہ باتیں وہ کابل کا گدھا
خرچہ داند شاخ راوہینگا	کے خرمی انگورہ راوہینگا
ہینگ باشد نافع ہضم اہم	ہینگ باشد دافع درد شکم
ہینگ باشد نوش و نش جانفزا	ہینگ باشد جملہ علت رادوا
قدر دانش یو علی سینا بود	ہینگ خواہد ہر کہ او مینا بود
قالہش را تازہ جانے حیت ہینگ	ماش را روح رواںے حیت ہینگ
قید صدا بچاد و از زندانیاں	بگز را ز جا پان و از جا پانیاں
مے ندانند اس غذاے خوش مزہ	جابل انداز دال ماش و انگورہ

## غزل

مفت کا رہتا ہے چکر پاؤں میں	آنکھ ہے کچھ سینچر پاؤں میں
رو گئے ہیں مثل تشرت بدوں میں	سیکرہوں خار مغیلاں ٹوٹ کر
باندھے پھرتے ہیں ٹھنڈے پاؤں میں	رشتہ تہذیب کو تو آج کل
جو روں کو اپنے شوہر پاؤں میں	بدگمانی تو ہے جی باندھے پھریں
آگیا ہے سر کا سپر پاؤں میں	عشق میں اک آسمان رفتار کے
کاٹتے ہیں شب کو پتھر پاؤں میں	ہجرت میں ان کے سہم یہ اور ہے

باج صاحب دھن کا پاس اچھا ہے      بھات اچھا ہے ماشلی کا پاس اچھا ہے

ہم دور اندیش لاکھ سمجھا س گئے  
آپ ایسے گموگما ہیں جو سمجھا سہے نہ گئے  
کچھ لاج رہی نہ پت رہی اور نہ رات  
جب مائٹلے لالہ لاجپت سے گئے

واعظ پر مغاں تو کونجوس نہیں  
لیکن جتسا بھی کو مغوس نہیں  
لٹیا ہی ڈبوئی بنکے میکیش دکھیا  
یادہ ہے تو شراب معکوس نہیں

رات اپنا جس مقام پر نغما پر تھا گزر  
تذکرہ کچھ مختصر ہو کہ وہاں کے یاد ہیں  
یعنی یہ دیکھا ہے کہ اک بوستانِ خیراں  
قید غم سے جس جگہ سر و چین آنا دیں  
تا کہاں وہ شوخ آکر مجھے یہ کہنے لگا  
آپ کسکو پوچھتے ہیں کیلئے یاد دیں  
انتظامِ مملکت کہتے ہیں ٹھیکو خاص عام  
پوچھتے ان سے کہ یہ لالہ بڑے استاد ہیں  
پھر بقولِ دوسرا اس کا فرق لالہ سے کیا  
آپ کہتے پھرتے ہیں ہم نورِ دیدا دیں  
اور سوا اسکے سنی ہے آپ کی اسٹیج بھی  
جی میں آتا ہے کہ اکدن ذوق کوڑا لوتھجی  
ہم کہیں ظالم کہیں قاتل کیسی یاد دیں  
کیوں قضا آئی ہے تیری کوئی جگہ میں

کل مجھ سے بکٹ پوکے سینجرتے یوں کہا  
کچھ ملک و قوم کی بھی مہارات چاہیے  
دھچپ ناووں کی ضرورت ہر ملک کو  
کشتاں چاہیے نہ اشا رات چاہیے  
اک جی حضور خان مبارک کا یہ قول  
صاحب کے اردنی سے ملاقات چاہیے  
غالب کی پوچھتے تو مقول ہے التجا یہ  
اک گو نہ بخودی مجھے و نہ رات چاہیے  
مجھے جو پوچھتے ہے و محشوق کے سوا  
امید سے ترک ملاقات چاہیے

نائب - سید اختر، ملکات نامہ - نیم میرزا، مکتبہ دارالکتاب  
کے رہتے والے تھے۔ مگر جابے ولادت مرشد آباد تھی۔ ان کے والد خود بھی پختہ مشق شاعر  
تھے۔ انشا جیسا بیان ہوئے تو ان کی تعلیم و تربیت اس زمانہ کے شرفا کی طرح کی گئی۔  
اور عربی فارسی وغیرہ میں نہایت زبردست استعداد پیدا کرائی گئی۔

انشا کی شاعرانہ طبیعت چند روز میں اپنے اصلی رنگ پر آگئی شوق شعر و سخن شروع  
کی ابتدا میں اپنے والد بزرگوار کو اپنا کلام دکھایا۔ انشا کی شاعری کا سرسبز پودہ  
مرشد آباد ہی میں پھولا پھولا۔ مگر چونکہ اس زمانہ میں ہندوستان میں ہر طرف تباہی کا  
طوفان اٹھا ہوا تھا اسی لیے ان کو بھی مرشد آباد چھوڑ کر دلی آنا پڑا۔ مگر آج کل  
دلی کا دربار ایک خانقاہ اور ایشیاء ہمتانہ وہ شاہانہ عظمت اور صروت باقی تھا نہ وہ  
اقتدار تھا دلی کا یہ زمانہ شاہ ارشد شاہ عالم بادشاہ عماد الملک وزیر کے ہاتھوں شاہ  
شہر خج بند ہوا تھا۔ یہ جیسی اور بے کسی کی زندگی بسر ہو رہی تھی۔ مگر تاہم ابھی وہ  
غریب نوازی اور بندہ پروری کی روایات قدیمہ زندہ تھیں۔ یہی سبب تھا کہ ہر  
وہی کمال اہل ہنر کی سہلی مٹا رہی ہوتی تھی کہ وہ دربار شاہی میں داخل ہو۔ اسی بنا پر  
انشا کو بھی داغدار کا شوق چرایا۔ چونکہ اہل کمال بھی تھے اور ساتھ ان کی نظیفہ گوئی  
اور بندہ بخی کی چار طرف دہوم تھی اسی لئے آسانی کے ساتھ دربار میں داخل ہو گئے  
مگر وہاں یہو چنگہ معلوم ہوا کہ دربار کے ڈھول بھانے ہوتے ہیں۔ دربار نام کا دربار ہے  
باقی شہر کا نام ہے۔ پھر بھی سنگ آمد و سخت آمد کا معاملہ تھا اسے زمانہ باتوں ساز و تو  
بازمانہ بہار کی شہر ضرب افضل پر عمل کر کے چار دنا چاند روز بنا دی۔ اور اپنی خوش بینانہ  
اور خوش مذاقیوں۔ اہل انشانوں سے اس وادی خزاں رسیدہ کو گلے دگلاز بنا سے رکھا  
مگر کب تک آخر گھبرا گئے جن اگتا گیا۔ اور لکھنؤ کی طرف رخ کیا۔ لکھنؤ اس وقت آج کا لکھنؤ  
نہ تھا۔ گوشہ گوشہ قدر والوں سے آباد تھا۔ دورہ میں فیض۔ ساتی سیماں نوازی کی جنت

سنا کہ شاہ عالم بادشاہ کے بیٹے تھے۔ انہوں نے کچھ انشا کے علم و فضل اور رنگین مزاجی کی قدر کی۔ کچھ اپنے باپ کے درباری ہونے کا لحاظ کیا۔ غرض کسی نہ کسی صورت سے یہ ان کے شاگرد ہو گئے۔ انشا کو تمام تر تو نہیں مگر کچھ نہ کچھ اطمینان ہو گیا اور غربت کے آنسو بچھ گئے۔ چند روز انھیں کے یہاں رہتے رہتے رہے مگر آخر انھوں نے رفقہ حسن فاضل کے توسل سے نواب سادات علیہاں کے دربار میں پہنچے۔ اور اس قدر مقرب بارگاہ ہوئے کہ نواب کو ان کے بغیر کسی وقت چین ہی نہ آتا تھا۔ انشا کی رنگین مزاجی نے کچھ نہ کچھ نواب کو بھی رنگیں کر دیا تھا۔ مگر فطرتاً نواب نہایت ہی سادہ مزاج۔ خاموش۔ متین۔ اور بخیرہ سنے۔ اب یہ عالم تھا کہ خلوت اور جلوت میں دم بھر کے واسطے بھی سید انشا جرات ہوتے تھے۔

ایک دفعہ بطور کتاب جو مشہور بھی نہیں ہے لطائف السعادت کے نام سے مجھے ملے۔ انشا کا تصنیف تھی اور اس میں نواب کے حکم سے انشا نے وہ دلچسپ لطائف اور باتیں جمع کی ہیں جو نواب میں اور ان میں خاص خاص مجلسوں میں ہوا کرتی تھیں یہ کتاب مدتوں میرے کتب خانہ میں رہی اب سید جالب صاحب ایڈیٹر احمد کے یہاں ہے۔ اس کتاب کے دیکھنے سے معلوم ہوتا تھا کہ نواب سے اور ان سے اتنی بے تکلف تھی کہ اس سے زیادہ محال تھی۔ مگر ہم لکھ چکے ہیں کہ نواب کے مزاج میں یہ رنگینی جو انشا کی صحبت سے پیدا ہو گئی تھی۔ دراصل ان میں تھی اور انشا ہر درت سے زیادہ ہنسٹوٹ شوخ مزاج۔ رند لالہ بانی چنانچہ اسی افراط و تفریط کی بدولت یہ ثابت ہو چکی کہ نواب کو کچھ برہمی پیدا ہوئی اور اسی کی پاداش میں ان کو مشہور میں دربار سے الگ ہونا پڑا۔ نواب نے اس کے بعد ان کو یہ بھی حکم دیا کہ ہمارے دربار کے سوا اور کہیں نہ جایا کر دے۔ اس کے بعد یہ سب تمکیم کیا کہ تنخواہ بھی بند کر دی۔ ایک آفت یہ آئی کہ قوال الہ خاں جو ان بیٹا مر گیا۔ اور انشا کی اسی غم میں بہت ہی زار و مزار حالت ہو گئی۔

ان کے طریقہ انداز کا سب سے بڑا نمونہ سمجھے۔ بعد ازاں لٹو لڑی وغیرہ کا نمبر آتا ہے  
 ہر صورت ہم ان کی ہر قسم کی طریقہ شوقیوں میں سے کچھ نمونے ہدیہ ناظرین کرتے ہیں۔  
 مگر قبل اس کے کہ نظم کا حصہ شروع کریں۔ ان کے کچھ لطائف لکھے دیتے ہیں تاکہ معلوم  
 ہو جاوے کہ وہ جو کچھ کہتے تھے ازراہ حقائق و تصنیف تھا بلکہ ان کی فطرت یہی تھی۔ ان کا  
 وجود ان کی سعی محض بننے ہنسانے کے لئے پیدا ہوئی تھی۔ لطف یہ ہے کہ جس رنگ میں  
 کوئی شوقیتے ہیں۔ یا جس قسم کی فراغت سے کام لیتے ہیں اس میں کسر باقی نہیں رکھتے۔ کیا  
 مہیاں کر گئیں، عزرائیل کیسا نظر بھر کر دیکھتے کی بھی گنجائش نکل آئے کوئی غلطی سرزد ہو  
 مواد اللہ۔ بلکہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ عمر بھر انھوں نے اسی رنگ میں مشق کی ہے۔ اور یہی رنگ  
 عمر بھر رہا ہے۔ وہ انتہا کے شوق حاضر جواب تھے۔ چنانچہ چن لطفیہ درج کرتا ہوں۔

ایک دن نواب کے ساتھ بیٹھ کر ان کا رہے تھے۔ اور گرمی کی وجہ سے صاف۔ یا بگڑی  
 علیحدہ رکھ کر سرگھٹا ہوا تختہ نواب کے پاس میں جو ترنگ اٹھی۔ ہاتھ بڑھا کر پیچھے سے ایک  
 ٹیپ دی۔ آپ نے جلدی ٹیپ سر پر رکھ کر کہا۔ بزرگوں کی نصیحت پر عمل نہ کرنا بڑی بری  
 بات ہے۔ نواب نے کہا کیا۔ انھوں نے جواب دیا کہ سنا تھا تنگے سرگھٹا نا کھانے سے  
 شیطان بدترین لگتا ہے۔

ایک مرتبہ نواب نے دتھروالوں کو حکم دیا کہ بھیجی سب خوشخط لکھو اور جو کوئی غلطی  
 کرے کافی غلطی ایک روپیہ جرمانہ کیا جائے گا۔ اتفاقاً کی بات ایک بڑے قابل مولوی  
 صاحب نے فرد حساس میں اجناس کا سین بھونکر اجتا لکھ دیا۔ نواب صاحب نے کہیں  
 دیکھ لیا۔ مولوی صاحب نے اس کے معنی بتانا شروع کئے اور تادیلوں کے انبار لگادئے  
 نواب نے انشا کو اشارہ کر دیا۔ انشانے یہ رہا عیاں نظم کر کے پڑھیں۔ اور غریب  
 مولوی کو دیوانہ کر دیا۔

اجناس کی فرد پر یہ اجتا کیسا  
 یہاں ابرنات کا گر جتا کیسا



گوہوں! جنا کے منے جو چیزنگ  
لیکن یہ نئی لہجہ اپنا کیسا

ترخیم کے قاعدے سے جتنا لکھے  
اور لفظ خرد خبا کو خجنا لکھے  
گر ہمو ا جی نہ لکھے ہوئی لکھنا  
تو کر کے رخم اس کو خبا لکھے

اجناس کے بدلے لکھے اجنا کیا خوب  
قواموں کے رد کا اگر جنا کیا خوب  
از روے لغت نئی لہجہ لے لی ہے  
اس نان کے بیج کا اپنا کیا خوب

اجناس کے موقن بہ اخبیا آیا  
سدا سے علوم کا یہ سجنیا آیا  
ابخا چیزے ست کال برید زریا  
یہ تخم لغت کا لہجہ اپنا آیا

نواب نے کہیں روزہ رکھا تھا اور یہ حکم دیدیا تھا کہ کوئی نہ آے۔ پہرہ لگوا دیا تھا  
مگر انشا کو کوئی ضروری کام تھا۔ آخر عورتوں کا لباس بدلنا کی پراگلی رکھ نواب کے  
سامنے جا کھڑے ہوئے۔ نواب نے چونکہ حکم دے رکھا تھا کہ کوئی نہ آے۔ اب یہ پہنچے  
ذرا توری پر مل آئے۔ انھوں نے فوراً یہ شعر پڑھا۔

میں تو کہتی تھی نہ رکھ اور میرے پیارے روزہ  
بندی رکھ لیگی تو بے بدلے ہرز روزہ

ایک مرتبہ لب دریا چلے جا رہے تھے ایک جہلی نظر آئی جس پر یہ تاریخ لکھی تھی ع  
خوبی علی نقی خاں بہادر کی

کسی نے کہا کہ انشاء کیونکہ تاریخ کوئی ہے ذرا اسے دیا عی تو کر دو تو انھوں نے  
فی البدیہہ کہا۔

نہ عربی نہ فارسی نہ ترکی  
نہ سم کی نہ خال کی نہ سر کی

یہ سنائی کہ سب کچھ سن کر  
فائق جو ان کے معاصر تھے انہوں نے انشا کی جو کئی انشائے صلہ میں پانچویں  
دیئے اور کہا۔

فائق بے حیا جو ہجوم گفت	دل من سوخت سوخت سوخت بہ
صلہ اش و ج رو سپہ دادم	دہن سگ بہ لقمہ دوخت بہ
انہیں فائق نے جنکا بیان ہو چکا ایک مرتبہ یہ کہ بہ تشدید لکھا۔ انشا کو ایک	
سامانِ سخن مل گیا ایک قطعہ لکھ مارا۔	
چہ خوش گفت فائق شاعرِ غزنا	کہ چوں ذہن او ذہن رستا نباشد
یکے شعر نادر کہ در چند وزن	خود خواندہ و شک بمعنی نباشد
در ان لفظ دید را بہ والی مشد	نوشت است و زینہ مثل اللہ نباشد
شدید این سخن را جو گزد سخن	زانشا کہ ہمسر ش اصلہ نباشد
بلقہ کہ من شاعرِ خشتِ نکر م	چو من برجِ منسل گو یا نباشد
تو گلستاں را ندانی درست	ترا ایچ شعور و دکا نباشد
سند یاد از استاد است مارا	بہ کلام ہا ایچ خطا نہ باشد
چو تشدید در شعر ضرورت افتد	تشدید صحیح چہ را نہ باشد

گیان چند سا ہو کار کی ماڑ واڑی میں ایسی جو لکھی ہے کہ تلوار تیغ تیز معلوم ہوتی  
ہے۔ جس سے اسکی عزت تک کا خون بہا دیا گیا ہے۔ بھڑوں کھملوں وغیرہ کی جھوٹ  
میں پوری پوری مثنویاں نظم کر دیں۔ مصحفی سے اچھے تو ایسے ہی اچھے وہ وہ اکھیاں  
کسیں کہ تو یہ ہی تو یہ ہے جسے شیخ مصحفی کے ذکر میں لکھیں گے انشا کے لئے کوئی ہی ضرورت  
نہ تھا کہ وہ جب ہزل۔ یا ظرافت یا جو کا ارادہ کرتے تھے ایسے شعر لکھتے نہیں غزل کہتے  
اس وقت بھی یہی عالم تھا۔ قصیدہ لکھتے تو بھی یہی رنگ غالب رہتا دو چار شعر

لایا کہ عقل نے منہ میں دل تیا کیا لٹکا  
کو جو گی جی دھڑا بھجے گا سیرا بک لٹکا

صنم خانہ میں جب دکھیا بت ڈا توں کا جوڑا  
لگا ٹھا کر کے آگے نا چنے عا دس کا جوڑا  
ٹے پارے سے جو ہر تال کر کے لاکھ کا جوڑا  
توتا بنے سر جی انگلیں کوئی نوے لاکھ کا جوڑا  
تیں کچھ بھید سے خالی تیا سچ اس جی صفا  
لگا یا ہے جو اک بھوڑے سے تے لاکھ کا جوڑا  
لیٹ کر کشن جی سے را دیہنکر لگیں کہنے  
طا ہے چادر سے اسے لواندھیرے لاکھ کا جوڑا  
یہ سچ سمجھو کہ انشا ہے جگت سیٹھ نہ نہ نہ  
نہیں شعر و سخن میں کوئی اسکی سا لکھ کا جوڑا

یہ غرستہ بیٹھے ہیں دہاکے کھڈ پر  
ادتا ریزہ کیا گتے ہیں پریوں کے چھڈ پر

دل ستم زدہ بتیا بیوں نے لوٹ لیا  
سنا یا رات کو قصہ جو ہیرا تجھے کا  
ہمارے قبلہ کو دیا بیوں نے لوٹ لیا  
تو اہل درد کو پیچا بیوں نے لوٹ لیا

یوں چلی مرگ گانے اشک خوں نشانی میدانی  
جیسے ہر راج چلے بالے سیا نکلی میدانی

رات دہ بولے جیسے ہنسکر چاہ میاں کچھ نہیں  
میں ہوں نہوڑا اور تو میرے تیرا میل نہیں

کئی دنیا سے کیا بھلا مانگے  
وہ تو ایکہ دیو نی دنگی ہے  
جو گی صاحب آپ کی بھی واہ  
یہ تو بیچاری آپ تنگی ہے  
درد و حشت کی دہوم و دام سے تم  
دہرم مورت عجیب کدھنگی ہے

چشم بدور شیخ جی صاحب      کیا ازار آپ کی اٹنگی ہے

خیال کیجئے کہ کیا آج کام میں نے کیا      جب اُن نے دی مجھے گالی سلام میں نے کیا

دیوار بچا نہ نے میں دیکھو گے کام میرا      جب وہ ہے اکبر نگاہ صاحب سلام میرا

ہیں روزِ سخن سے وہ نہایت گھمنڈ پر      نام نہاد حجام پرٹے کیوں نہ ڈنڈ پر  
تو نہ لالہ جس کے پیچھے گھمنڈ پر      اک نیلا ڈورا انا جھٹے اس گور پر  
یاب رسا سماگ کی ہندی رجا کرے      پتے پتے کیجیں رہے آفت ارند پر  
دو تین دن تو ہر جگہ ابا بھر جیو دیہ      خیر و شاہ کی لڑائی کے اس چوتھے کھنڈ پر  
وہ پہلوان سادہ لب جو بڑنڈ پیل      بولا کہ کوئی غش تو ہو ایسے بھنڈ پر  
انشا بدل کے تلیے رکھ چھڑ چار کے      چڑھ بیٹھ ایک اور کھیرے اکنڈ پر

یہ جہنت بیٹھے ہیں راجہ کے کنڈ پر      بنکر جنت کرتے ہیں پریوں کے جھنڈ پر  
سیرجی ایک جوگی کے جیلے پہ غش میں آپ      عاشق ہوئے ہیں داہ عجیب لٹنڈ منڈ پر

جو چاہے تو مجھے ہنسوڑے کی خیر      تو یوں دیکھو اس گھوڑے جوڑے کی خیر  
کو اوٹے نشے کے مرے رخش کو      میاں ساقی اس سلے کوڑے کی خیر  
ہنسا یا جو میں نے تو یوں نہیں      نظر آئی کچھ اس نگوڑے کی خیر  
لگا بیٹھ انشا کو بچھ کر تو ایک      ارے اپنے سونے کی توڑے کی خیر  
عرفہ اسی طرح بات بات میں طرافت اور ہنسوڑپن کرتے تھے۔ یعنی ان کا کوئی

خاص رنگ نہ تھا بلکہ اپنے دوست میں رنگین دہلوی کے اجراع میں نقف جلع کے طریق پر  
یہ بھی لکھ ڈالی۔ اور لکھی تو ایسی اور اتنی لکھی کہ آج پورا ایک دیوان موجود ہے۔ ان کی سختی  
میں خصوصیت سے یہ بات دیکھنے کے قابل ہے کہ جان صاحب کی طرح تنفع اور دے  
مرا سرا پاک ہے۔ خاص دلی کی بیگمات کا رد مرہ ہے۔ اکثر اشعار ایسے ذومعنی ہیں جو بختی  
اور ہزالی دونوں رنگوں کا نمونہ ہیں جنہیں دیکھنے والے خود سمجھ سکیں گے۔

میں کیا کہوں دو گنا ماس گل کے دوڑنے سے جو حال ہو گیا ہے اس پانوں کی تلی کا  
جیسے نہ آڑ زناخی تو رات کو کہیں تھی چھپتا ہے رنگ کوئی ایسی ملی دلی کا  
ہاتھوں سے تیرے میں تو بخت عاجز آئی جو کام ہے نگوڑا تیرا سو ہلہلی کا  
انشا سوائے اپنے اند کے جہاں میں ہے کون کھونے والا اس دل کی بکلی کا

بات جو کہنی نہ تھی سو وہ دراست لکھی  
تیری تو انشا کبھی بات نہ با در کرسے  
عزیز کا رس نہ تھا ایسے اداں کو  
جامہ بین کا اگر آوے تو قرآن کا

اندر کرسے سلامت جم جم ہے یہ پیرا  
کیوں گئی انکھوں سے تو جھکوستہ پیش  
ہے جسکے دم قدم سے دنیا کا رنج پڑا  
ہے ہے تری گلہری کی گئی ہے پیرا  
لگجائے آنکھ منہ پرانہ غیب کا حقیر پڑا  
کیوں تیرے میرے انشا اند خان کا حقیر پڑا

کردن بیتار کیا اپنی دد گد کی رکھائی کا  
نیا یہ دہلا سنئے لگا ہے لہ میں میری  
ہا رخ اگر انھیں میں شخص رہا سہی قضا  
مواور بازن کا کڑ کا منہ دے متھلے بھائی کا  
دہا کا آسرا ہے نال بھروسہ ہے تنائی کا  
وہی جائے کہ کیونکر بات چیت ہے کیا پوچھ

جیتے پکڑے اور زندہ شہر میں سے تیرے گھر لے کر  
گھر لے کر آیا۔ تیرے گھر میں سے تیرے گھر لے کر

جو ٹی ہے تری سانپ کی اک لہر دگانا  
چتون تری بس دیکھتے ہی یاد پڑی ہے  
نوج ایسے کہیں اور ہوں گھر کو کچھ مٹے لوگ  
میں تجھے سمجھ لوں گی بھلا کون ہے انشا

کھاتی ہوں ترے واسطے میں نہر دگانا  
دلی کی دہی چیل دہی نہر دگانا  
سب سے پہلے گئے یہ برا شہر دگانا  
اللہ اسے تو ہے بڑی قہر دگانا

اڑ گئی فاختہ کیوں سرو پر دم دیتی ہے  
اچھا، کیا نہ کچھ اچھا مجھے گھر اک لگا

تھام تھام اپنے کو رکھتی ہیں بہت سلکین  
اپنے کو بٹھے پر کچھ اسٹہ ہے زقلا کہ مری

کیا کیوں تھم نہیں سکتے نہر دگانا  
لگایا جان اٹھا ایک کبوتر دالا

ہے یہ سخی کوئی منزل انشا اسکا نام بتا  
ڈر سا میرے دل کے اندر اس منزل میں بیٹھ گیا

تنتے پر بیٹی کہانی تو بنی آنا  
پہلی ٹھیکری اک ٹہر نہ دھکے لائے میرے

آپ بیٹی تو کوئی بات نہ بھڑی آنا  
کٹ گئی یعنی مرے پاؤں کی پیر پڑی آنا

میرے دروازے کی کیوں چوٹی کھانسی آنا  
نہیں سنکا رہا تو نے تو پھر انشانے

اپنا جود کھاتا ہے ہمیں زور لگوڑا  
میں حنج پڑوں کیوں تو لے انگلی میں اپنی

صدقے اسے کر ڈالئے درگوں لگوڑا  
ڈالے مسل انگلی کی مری پور لگوڑا

ہمسایہ میں کو بھل ہوئی کل رات کو انشا گھس اٹیکے دھانہ میں گیا چورنگوڑا

تو قیامت بے مری ہے حد برا تیرا گلا خوش نہیں آتا ہمیں بی قاتل تیرا گلا  
کیوں پڑا تنگکے نہ دل میرے کلیجے میں بھلا ہے تھارادپ ایسا جلیے ہوئے میں ڈلا  
دل میں اک انشا کے چٹکی لی پے کوہٹ گئیں د پٹری رتال کے اتھ بھلا بھلا بھلا

اگ لید کو جو آئیں تو کہیں لاگ لگا بی ہمسائی نے دی حمیں مرے آگ لگا  
نہ برامانے تو لوں نوح کوئی مٹھی بھس نہ بیگنا تیری کیاری میں تیا ساگ لگا  
شوق سے سو تنگکے لے انشا مرے بوبالوں کی دے بھل خور کے ہونٹوں میں تو اک ناگ لگا

کبخت ہے وہ کام نہ گانا بہت برا صدقہ گئی تھی ہے یہ زمانا بہت برا  
دلسوز ہے ددامری پر اس کا ہر گھری لگتا ہے انگلیوں کا نچا نا بہت برا

تو تو آکھی نہیں جا بیگی مرے عیبوں سے اری میں عیب بھری ہوں تو بھلا بھٹکو کیا  
نئی ڈھا کوں کی سی کھیتی کی طرح سے انشا ڈھڑھی اور ہری ہوں تو بھلا بھٹکو کیا

مشک کی طرح سے گال اپنے بھلاتا کیوں ہے ارے اوسقہ کے لوٹدے تو نہ پانی چھٹکا

پک رہی ہے جو یہ کچڑی سی ہو نہیں جس سے اسکی اب تک نہ گلی دال نہ چانول کسکا  
ہاتھ آیا سو ہیتلی سے ہیتلی ملتا چوٹھے اور بھائڑ میں جاوے نہ گورڈا چسکا

چھتی ہے یہ تو ٹکڑی مجھے بھاری انگلیا  
 گو کھر د لہر بنت ڈاک تارے کیا چیز  
 گیند اک میں نے جو پھینکی تو چھجک کر آنے  
 بی بی منگانی جرسی لائیں تھیں آئی نہ پسند  
 جیسے بوباس ہو تیری وہ نشانی دے ال  
 اوڑھنی مجھے جو بدلی تو اچی با جی جان  
 مٹی عجب کوئی سگڑ جسے یہ کار ہے بوٹے  
 ہاتھ انشا کا کہیں چھو گیا تو بولیں

سین کے کوٹے اسکے آج ہیں کیا اسے دوا ہے  
 وہ چھوٹا سا جو لڑکا تیری گودی کا پلا

تنے جو میرا ڈو پیڑ ہے یہ دگانا بات کدھب  
 ایسی نہ چالیں چل تو ہر چاؤ بھری جو لوگ کہیں  
 خد پڑنے کو ڈیوڑھی کے اوپر چاہے کوئی بڑا سا  
 لگتا ہے کہیں دونوں کو بیڑی یہ دگانا بات کدھب  
 آپس میں ہی ان کے شاپے یہ دگانا بات کدھب  
 انشا تو ہے ہٹا کٹا ہے یہ دگانا بات کدھب

کوٹھے پر سیڑھیوں میں یا کر منڈروں کے اُدھر  
 سر ہلا سے بھروسہ نہیں پڑتا کس وقت  
 صحن میں ڈیوڑھی میں یا او کہیں سے پھوٹ  
 کسجا کلب ہک ہریاں کہ وہیں سے پھوٹ

بس بلائیں مری نہ لے چٹا چٹ  
 دم دلا سا بٹ نہ دے آنا  
 چوٹ اک دل کو لگ گئی انشا  
 اے دگانا تو ایک ہے نٹ کٹ  
 چل چچی دور ہو پرے بھی ہٹ  
 جب سنی اُس کے پانوں کی آہٹ



میت اچڑ گئے سے بھڑا دغش نہ کھا کر گر  
کچھ کچھ شرم بھی ہے بیٹھ پرے اوکھنت  
بیگانہ کر آخر چین نے ذری کم بخت  
تاڑ جاویں گے بڑے لوگ ارے اوکھنت

انشا سے ملے کیوں نہیں عشق ہو بھلا تو دیر کیا  
جی ہی بہ کھیلے ہو تو پھر لوگوں سے ڈرتے ہو بخت

سارے بھوتوں سے پر ہے یہ مواخرا خبیث  
رات بھر کونسا کر سے نہ تیا آتی برہنیں  
مچھ کو گھوڑا ہی کرے ہے یہ مواخرا خبیث  
موت کے اب دن بھر ہے یہ مواخرا خبیث  
بیگانہ انشا سے پچھسی نہ کھیل بس کرد  
رشک کے مارے سے ہے یہ مواخرا خبیث

کوئی چاہت میں کسی شخص کے بدنام ہونچ  
مرد و امجد سے کہ ہے چلو آرام کریں  
اے ددا جان دہ کھنت بڑا کام ہونچ  
جسکو آرام دہ سمجھے ہے وہ آرام ہونچ  
دن دہاڑا ہی رہے، جی تو بچے اے انشا  
کھو ہی کالی بلا باے دہ پھر شام ہونچ

با جی کہتی ہیں کہ اک مرد دے پرغش ہے تو  
ملاٹ کے ٹکرے پکھینچا جو انھیں تو بولیں  
مفت ایسا بھی کسی شخص پہ پستان ہونچ  
میسرے کپڑوں کی طرف دیکھو اور شاں ٹکوسوچ

کالے بادل نہ گھڑاتے تو ارے او لوگو  
کان کی بومیں گھسی موٹی سی بالی کیہ نکر  
آبرو آج مری مفت میں کیوں کھوتی صبح  
جسکا ہو سوئی کے ناکے سے بھی تنہا سولخ

بلایس میںے جوں کی کل چٹاخ چٹاخ  
تو کس رے سے کیا بیگانے چل گستاخ

لگتی ہے چوٹ تو لگنے دے مسوس دروزی  
 جیج چنگھاڑ مچاتی ہوئی انشا سے نہ مل  
 ایک دم کے لئے خاطرے ہماری مت بیج  
 بنو اب منتیں کر کے تری باری مت بیج

جاڑا لگے ہے کچھ لے جھکولحات میں  
 تقصیر کیا ہوئی تھی کہ انشا پر رات کو  
 پا جامہ پہنے ہے ہن ہڑا دلا ازار بند  
 کیا بھر گیا ہے آج کہ جسکے سبب ترا  
 وہ گھپے وار آپ نے تو لا ازار بند  
 بے سخت جیسے لکڑی کا چیللا ازار بند  
 انشا کو اور اپنی نشانی نہ دیکھے  
 دیکھے تو اپنا میلہ کچیللا ازار بند

ہے تو سہی اجمیہ نکیللا ازار بند  
 لیکن کسی کا فوج ہو ڈھیللا ازار بند

اے جگنا مجھے کشتی کھیلے گا ہے گھنڈ  
 جو پری ہندی لگا دے اسکا ہاتھ ہاتھ پاؤں  
 تو کیا کر آج سے تو بھی میں اکا کیس ڈنڈ  
 لوٹتی کیا کیا مرے ہو یہ مونی شفتل ارنڈ

جو مجھے ڈکے سو اکی کرے  
 ٹوٹ جادے کہیں یہ تیری چول  
 اے اوسے مرے نگوڑے کو اڑ  
 لے چل انشا مجھے کچھ رستے  
 ہوتے سوتے کو اپنے کھاوے پھاڑ  
 یہ تو ہے مرد نام اسکا ہے تاڑ

بیگانے جو کیا جھک کے سلام آ تو کو  
 پوتوں پھلنا بچے اور دوہڑیں نہانا ہونصیب  
 آغا مینا نے سنائی اسے یوں ہی آواز  
 بیگہ جان بڑی شرم کی ہے یہ بات  
 بیگہ ہو سو نیکے سرے سے تری عمر دراز  
 گتھ گئیں ملتے سے انشا کی تمہاری بی قاز

گود پھولوں سے بھر کر دکانا پیش  
اوٹ میں اپنی بکاد سے چھپاؤں شخص کو آج  
تیری کھیتی ہو ہری میرے دکانا شاہ پیش  
میں ترے سر پہ بکاد میرے دکانا شاہ پیش  
میری خاطر سے جو دکھ ہو تو چڑا ہو سہلے  
اور بھی ایک اور ہی میری دکانا شاہ پیش

اویں راہیں ہو گئی میں آج  
یونہی میں عشق ہوئی دکانا ہر  
گورے گورے ترے بدن پر عشق  
راجہ نل جیسے تھکا دمن پر عشق

باجی تم چاہتی ہو بندی سے جیسا اٹھانا  
نہ بتولے مجھے دیاں سے اوڑھ کچھو ہو جاؤ  
اجی دو کواریوں میں توج ہو ایسا اٹھانا  
کس کو کہتے ہیں محبت اجی کیسا اٹھانا

کب زنا فی مرے پاس آئی تھی کل اتھا  
مجھے اس سے ہوئی کس طرح ملاقات غلط

شرط ہے رکھنا لحاظ اتنی بھی مت ہو لے لحاظ  
ہوتے سو تو دل سے کہو اپنے چہ خوش لے داسے چھڑے  
سانس مت بھراؤ دکانا چپ اری او بے لحاظ  
دال نے ہو بیان بہلا کہتے ہو کس کو بے لحاظ

نہیں جاتی کہیں جہان مرے دل کا شوق  
بات چیت ایسی طرح کی مجھے آئی ہی نہیں  
محکم کیا اس سے دوا جان مرے دل کا شوق  
جان اور بوجھ کے انجان مرے دل کا شوق  
نہیں اسکا مجھے ارمان مرے دل کا شوق  
میں نہیں کرنے کی احسان مرے دل کا شوق  
ٹھننے مت دے مجھے ہاں بال اجی ہو جاتی ہرنا  
منتیں مت کرو انشائی ظن سے او سپر

سب پروردگار سے دعا ہے کہ  
 جس کی زنجیر بھی نہیں لگتی  
 آگے پھر شرم ہی کی آڑ ہے ایک

میں جھجک اٹھی لیکے انشانے  
 ارے بی ایک ہی عیار ہو تم  
 کل چھو دی جو میری ران میں لنگ  
 ناک چوٹی میں گرفتار ہو تم

میں تو کچھ کھلی نہیں ہوں ایسی کچی گولیاں  
 کیا یہ چھڑ خانی کی باتیں آگے جسے چھڑیاں  
 جو تھک چکوں گی زنا فی جان تیری بولیاں  
 سیکڑوں تھے یہاں رگڑا کئے ہیں ایڑیاں

بلا سے اگر آئی ہو لی کنارو  
 نہ مجھے کرو بولی ٹھولی کنارو

بلندہ لائے بکثرت چوچت چاہی ہو  
 پھر جو بدل انٹوں گی کچھ میں تیرے طعنے دو گے  
 اجی بس جاؤ بھی کچھ تم تو بڑے داہی ہو  
 تھرا سنا نہ کرد تم ابھی بن بسا ہی ہو

تم بڑی قمر ہو اے باجی جان  
 اے دکانا تری مشغولی کو  
 نوج تم سی کوئی چہیتسی ہو  
 پیراک موم کی بقا سی ہو

جی ہی کچھ رکھتی نہیں دھڑ میں بڑی پولی ہو تو  
 اے دھار داکش بڑ میا کی بہو لی ہے تو

مکڑی پان کی جو کھا رہی ہے اس سے کتنا ہونا  
 فیضیت کا نگوڑا ہر گھڑی کیوں پینا پیسے  
 درکے بات کچھ جی میں بھری ہو سو اگل ڈالے  
 بڑ ادانہ جو ہو چکی میں کیا چھوٹوں کو دل ڈالے

مجھے ڈر ہے پھر طراک جو ہے تاکند سا پھرتا  
 غلیہ پھراے گھڑیاں کا کینڈ کرے مٹھا دیں  
 دکانا مدھ میں جہیز کے بھری وہ وقت آپہنچا  
 اری تو ابلی ہی پڑتی ہے ملے جھل کے اور ٹڈی

ہزاروں دیو دنگو یا کئی پریوں نے پچھاڑا ہے  
 رضائی شالے کا دھڑ بھڑا ہم تم چھپر کھٹ میں

میں نے جو چپکے چپکے بیان کاٹی  
 تو ان نے کس نہ سے میری باکی کاٹی

یوں جھکا جھپھ کوئی رات کا جاگا جیسے  
 یونہی ہر بات میں بولا کر دسکر سُر دا  
 ڈھال تلوار لئے لانگ چڑھاے انشا

اسے قربان کر دوں جو مجھے چھپے انشا  
 میری چھاتی جو چھوے اسکی ہتھیلی

پڑ گیا نیل سر سے گال میں کیسا تھر ہوا  
 ہو گئی رات تو سہا نہ ہو لہان لے انشا

چپکے دینی کھولی کٹدی لینا انشا کو بلا  
 ڈر بھلا کیا چاہئے دربان یو بکا تھے

رستہ تجربہ میں ترستہ ہیں رہا چلی یہ بھی  
سے اس کو خطری کی خبر ہے اور کیا  
یہ تو یہ کچھ انکھوں میں پانی ہے  
اک عیا اور وہ کہیں بیٹا حاجی باجی

جی جیتی ہے یہ نگوڑی مسلسل کی اوڑھنی  
بن سہڑ پیچے ہوئے کچھ کراچا پیچہ بھلا  
لوہے وہی دوا مجھے ملے کی اوڑھنی  
پشوازا دودھی اور جلا جھیل کی اوڑھنی  
کوکا جی دیکھو میرے دکانا پہ کیا بھی  
انشا کے سونگھنے کے لئے آئے نہ بھیجی دی  
بوسے سے تھپے اس بوسے آجیل کی اوڑھنی  
جالی کی کرتی اور وہی ہلکی اوڑھنی

## رباعیات

اے بی بی میں خاندان بھائی تیرے  
دہ چال نہ چل کہ نام رکھے کوئی  
صدمے قربان جاے دانی تیرے  
بے ڈول یہ ہیں دیدے ہوئی تیرے

تاج تاج مجھے جلاتی کیوں ہے  
آئی تو نہیں ٹھہرتی یہ رنجش ہے  
گھر میں مرے آگ لینے آئی کیوں ہے  
بے فائدہ یاں تو آئی جاتی کیوں ہے

جھانچا تو نہ بحث فیض ہوگی  
چالیں چھوڑ دے نہیں تو تاج  
آقویہ سے گی تو قباحت ہوگی  
اک روز بڑی بڑی فیضیت ہوگی

انعام - یعنی جناب مولانا انعام صاحب گنگوہ شریف خلع سارن کے رہنے والے  
ہیں۔ حضرت شاہ عبدالقدوس صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد میں ہیں۔ منشی  
فاضل کا امتحان پاس کیا ہے۔ عربی فارسی میں کافی دسترس ہے طرافت نہایت خوب

فرماتے ہیں اور اس میں اکر کے رنگ کا اتباع کرتے ہیں اور اس میں نہایت کامیاب ہیں  
آپ کے چند شعر دستیاب ہوئے جن میں آپ نے سترھیوں کی مقررہ ضیعت کا خاکہ کھینچا ہے  
ملاحظہ ہو۔

سندھے شلوار زہم سکہ زہ تارداشت  
گفتش در عین وصل اینزالہ و فریاد میت  
باد جو دشمن نالہ ہائے زار در اخبار پشت  
گفت مارا قرصہ بقال بر این سہارداشت

سیٹھ اگر نہشت با نیت جائے عترتی  
بنگرید این تنگی حال مسلمانان سندھ  
مالک ہمایان زربود از گدایان عارداشت  
شیخ سندھی خرقہ خود زہن ساہوکارداشت

حدیث از قرصہ خود گرداؤ بھی گستر جو  
من از ان سو در ذرا فزون کہ قرصہ داشت ناتم  
کہ کش نکشود و نہ کشاید چمکت این معمار  
نفاں کیں نیما۔ رشخ و سون پش پش رشوب  
کہ قرض از گیسہ سندھی آرد عیسہ پیسہ را  
سمن داوی و خور سندھم ہر اک اندنگوردی  
چنان بردند سودا کہ ترکاں خوان نیارا  
ہیں زمید بہ رہن و قرصہ ہر تانہ بنیارا

غلام دھرتی بقال تاحیدار اتند  
گزار کن چو صبا درد یا رہند بہ بین  
خراب کھاتہ وہی تو ہوشیار اتند  
ترا بیاج و مرآب دید ہشد غماز  
کہ از غلارار بنیاج سوگوار اتند  
وگر نہ قارض و مقروض راز دار اتند

**نوری۔** محمد و حوالہ بین نام تھا۔ ایران میں علاقہ ایور و میں بدہنہ ایک گاؤں  
ہے جو مر کے مقابل واقع ہے وہی اسکے مولد بسکن تھا۔ اس علاقہ کو خاوران بھی کہتے ہیں  
اسی مناسبت سے، اہل حال میں خاوری تخلص رکھا تھا۔ پھر اپنے استاد کی فرمائش سے

یہ تخلص بدل کر انوری تخلص اختیار کیا۔ مدرسہ منصوریہ طوس میں علوم کی تکمیل کی اور خصوصیت کے ساتھ علم ریاضی میں کمال حاصل کیا۔ اسکا پایہ فضل و کمال اتنا بلند ہے کہ تذکرہ تشکھ آذر کے مصنف نے لکھا ہے کہ چار شخص ہیں جنکا جواب شعر اس کوئی پیدا نہیں ہوا۔ انوری۔ فردوسی۔ طوسی۔ نظامی گنجوی۔ شیخ سعدی۔ انوری ابتدا میں نہایت عسرت کے ساتھ زندگی بسر کرتا تھا۔ مگر تقدیر نے یاوری کی توسیع کے دربار میں رسائی ہوئی عرصہ تک وہاں رہا۔ اور ۳۳۵ھ میں سلطان احمد پیردشاہ نے اسکو بلالیا۔ اسکے بعد مختلف درباروں میں رہا۔ برآخرا کارولطی میں پہونچا۔ چونکہ اسکی طبیعت میں قدیم سے بچپن کا کادہ تھا۔ اور اسی عادت کی وجہ سے اس نے ایک زمانہ کو اپنا دشمن بنالیا تھا۔ لہذا حبیبہ بلطی میں پہونچا تو وہاں بھی لوگوں کی اور اس شہر کی بچوں کی لوگ اس سے نہایت برہم ہوئے۔ بلکہ اہل میں مشہور یہ ہے کہ یہ اسکے دشمنوں کی کارروائی تھی تو توحی ایک شاعر تھا جس نے اسکے نام سے وہ بچوں کو کہہ کر مشہور کر دی تھی۔ مگر پھر بھی اسکا خمیازہ انوری ہی کو اٹھانا پڑا۔ اہل شہر اس قدر برکشتہ اسقدر برہم ہوئے کہ انوری کو تختہ کلاہ کیا، اور اڑھائی اوپر باکرگی کرچوں میں تشہیر کیا۔ بلکہ کچھ اس سے بھی زیادہ نوبت پہونچی۔ سچ ہے بد اچھا بدنام ہوا۔ لیکن قاضی حمید الدین مصنف مقامات عمیدی کی سچی و کوشش سے ان کی جان بچ گئی۔ آخر توحی انوری کچھ ایسا متاثر ہوا کہ اس نے تمام لغویات اور شعر و شاعری سے پرہیز کر لیا۔ اور آخر کار سنہ ۳۵۰ھ میں مقام بلطی وفات پائی۔

انوری شعر و شاعری میں مشہورہ کافاق تھا۔ اسکے معاصرین میں کوئی اسکا مد مقابل نہ تھا۔ خصوصیت سے بچوں کو پسند اپنے اقربان و اشراف میں سب سے زیادہ تھا۔ اسی وجہ سے ہزاری۔ اور طرافت کی طرف بھی اسکا میلان طبع تھا۔ اور اس میں بھی اس نے وہ کمال حاصل کیا تھا کہ سوزنی۔ اور سعدی وغیرہ سے کسی طرح کم نہیں ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اسکی طرافت، ہزاری۔ اور ہزالی فحش کوئی تک پہونچتی ہے۔ مگر کمال ہر صورت اور ہزنگ





کہ جابنے تھے دنیا بھر سے نیا مضمون کہوں۔ اس میں ایسے اچھے تھے کہ ایک مصرعہ کہنے کیلئے  
گھنٹوں پہروں منہک اور سر بگڑ بیان رہتے تھے۔ پھر بھی وہ مضمون قابو میں نہ آتا تھا  
اور کچھ کا کچھ کہہ جاتے تھے۔ جب شعر کہہ لیتے تو شعر کے بالکالوں کو جا کر سناتے۔ اس وقت کے لوگ  
مذہب تھے کیسکو آجکل کے بدتمیزوں کی طرح یہ جرات نہ ہوتی تھی کہ منہ پر ایک لفظ بھی ایسا  
کہہ دیتے۔ جس سے توہین ہو جاتی۔ سنتے اور خوب واہ سبحان اللہ کا غل مچاتے ہر جہا تھے۔ ذوق  
غالب وغیرہ سے پہلے کہنے والے تھے۔ اس واسطے ان لوگوں کو وہ اپنے سامنے کا بچہ ہی سمجھتے تھے۔  
ادھر ان کا بھی یہ خیال تھا کہ اگر ایک کہہ مشق بڑا خوش رہا تو ہمارا کیا نقصان ہے۔ اسی لئے  
ان کی مشینت مابی کی باتیں سنگد یا یہ لوگ چپ ہو جاتے اور یا برابر داد دیتے۔ مرزا غالب نے  
جب بروہی دین تمام کر دیا تو اوج مرحوم نے یہ شعر کہا اور مرزا غالب کو سنایا۔

یہ طرہ جزیرہ بھی تو ہے مطلع قطعاً تھا  
غالب آسان نہیں صاحبِ حیلان ہونا  
مرزا نے کہا کہ واللہ کانزہ میں یہ لوگ جو آپ کو استاد کہتے ہیں۔ تم تو شعر کے خدا ہو۔  
ایسے ہی ایک مرتبہ کنورا جیت سنگہ نے حکیم مومن خاں کو ایک ہتھی انعام دی۔  
چونکہ مومن مرحوم کچھ بھی سمجھتے تھے لہذا اسی کو خیال میں رکھتے ہوئے انہوں نے شعر کہا۔

جہنوں میں وہ مومن مکر لیتا ہے  
بخوی بنکے جو ہتھی کا دان لیتا ہے  
دنیا پر شیریں ایک بڑا نامی رنڈی تھی۔ خدائے توفیق جو دی تو گناہوں سے  
سائبہ بکر کج کو چلی۔ اوج کے استہزاک لے ایک سالہ ہاتھ آیا یہ شعر کہا۔

بجائے شیریں اگر تھوڑی چچ کو چلی  
مثل ہوسو جو ہے کھانے کی چچ کو چلی  
ان کے کلام میں ظرافت کا چٹھاراہ اسی سے پیدا ہو گیا ہے کہ جو کچھ یہ کہنا چاہتے ہیں  
وہ کہنا نہیں جانتے۔ چنانچہ نمونہ کے شعروں میں آپ ہی بات پائیں گے۔

میں چلیاں ہوئی جین پر شکن کے اندر  
الٹی ہے ہتھی گنگا بھی بیوں کے اندر  
دنیا کے منقلب کا منشا ہے کارِ خانا  
ہے مرشح وارثوں اس انجمن کے اندر

میں وہ ہوں نخل جو سیسپیل دریائی  
 مجھے اترتی ہے گرد آبِ آسمان سے وحی  
 میں کالا پانی پڑا پتا ہوں بڑبڑانہ  
 بنا ہے کنگرہ خار میرا دشت حصار  
 جہاز ہے مرا اک تار لنگر دم پر  
 میں اپنے کوچ کی ہوں موج میں بہا جاتا  
 ہماری موج تلاطم سے آشنائی ہے  
 ہے اوج مرد کا دیدہ مردم آبی  
 مری ہے کشتی گل نار حیل دریائی  
 ہے راہبر خضر حبیبِ مکمل دریائی  
 زمین کا گزبے مرا کلک میل لپائی  
 مرا ہے آبلہ برجِ قصیل دریائی  
 مرے عمل میں ہے جرِ ثقیل دریائی  
 حباب دار ہوں کوسِ رحیل دریائی  
 یہ آبِ شور ہے دیتا زفیل دریائی  
 نکال دیدہ تر سے سیل دریائی

دشت مجھے زنجیرِ بہماتی ہی تھی اکثر  
 جب تھا زلزلِ گلیسہ غنچہ کی گرہ میں  
 طفلی میں بھی مہنسی مری جاتی ہی تھی اکثر  
 بلبل پڑی گچھرے اڈراتی ہی تھی اکثر

میر کا جو دم دم ہے باندھے خیال اپنا  
 غنچی ہی سے جو جھکے دشتِ سراے الفت  
 کس بے شہادت اپنا ہے کس کو یادِ قاتل  
 بھاتا ہے جو عشقِ شیریں دہنوں میں اردنا  
 بے پل صراطِ اتریں یہ ہے کمال اپنا  
 سم میں گڑا ہوا ہے آہو کے مال اپنا  
 سانچے میں تنے کے سر لیتے ہیں ڈھال اپنا  
 ہے آبِ شور گریہ آبِ زلال اپنا

اوحدی - مودتِ تازہ جدی کربانی کے علاوہ یہ ایک دوسرا ایرانی شاعر ہے جو  
 علم و فضل کے لحاظ سے اپنے زمانہ میں طاق تھا۔ زیادہ حال معلوم نہیں۔ اس لئے  
 محوڑے سے اشعارِ ظریفانہ جن میں اخلاق و نصایح بھی شامل ہیں پیش کرتا ہوں۔  
 عارفی مشہد بچہ آب و زکریا سے دید دنیا جو دختر بکرے

کرد از دوسے سوال کا سے دفتر  
گفت دنیا کہ با تو گویم راست  
بکر چنی یا نیمہ شو ہر  
کہ مرا ہر کہ مرد بود سخنو است  
ایں بکارت ازاں بجاست مرا

پسے باید بزاری گفت  
گفت بابا زنا کن و زن نہ  
پند گیر از خلاق از من نہ  
بہ ہلا کو گرفت چوں تو بیسے  
گر تو بہ گزار ریش چہا نہ کند  
چند بینی و بار بینی چند  
ریش بابا نگر کہ نیمہ نمائند  
آں رہا کن یک آس و ہمہ نمائند

فرج گور است اندراں لحدے  
آفت شہوت تو کور افتاد  
صحبت او عذاب ہر احدے  
زندہ زان یے کفن بگور افتاد

ایم آر بیگ - اودہ چنی سابق کے ایک نامہ نگار ظریف تھے۔ جبکہ تھوڑا سا  
کلام تو دستیاب ہو گیا۔ سیکس افسوس ہے کہ پورا حال نہ معلوم ہو سکا جبکہ آرا ایک  
غزل بھی پراکتفا کی جاتی ہے۔ ملاحظہ ہو۔

اٹھنے لگے جینا سے بجات سویشی  
کیوں اٹکی حرارت سے و تبخیر ہو پیدا  
لو ہونے لگی ہند میں برسات سویشی  
تا جرخ پھلنے لگے ذرات سویشی  
ایجاد ہم ایسے کریں آلات سویشی  
بنیوں کی دکانوں یہ ہوں غلات سویشی  
یورپ کی نہ کمئی ہونہ امریکہ کے گیوں

چو پایہ نہ لینگے کوئی ہر پر پہ کبھی ہم  
 غلے کی بساط ایسی کچھ ہندیں گھر گھر  
 سو ڈاہو کہ منگینیا سب چلے میں جاں  
 برسات بلا لیں گے ہم اشکوں کی جڑ سے  
 ناگور کا ہو میل تو ہوشات سودیشی  
 اک کشت سے یو پ کو کرے مات سودیشی  
 اب بچیں گے عطار نباتات سودیشی  
 آہر سے بڑے گے سوار سے سودیشی  
 ہاں فکر با کرتی ہے دھڑات سودیشی

## باب بے موحہ

**باب۔** مادہ اور نام ہے بدایوں کے رہنے والے ہیں۔ مکر می قریب لائی۔ اور  
 جناب حکیم حافظ عبد الرحمن صاحب لکھنوی سے آپ کا کلام مل گیا۔ لیکن افسوس ہے  
 کہ حالات کچھ زیادہ معلوم ہو سکے۔ قرص صاحب ہی سے یہ لطیفہ سنا کہ باب جب بدایوں  
 کے مشاعرہ میں شریک ہوتے تھے۔ تو اکثر لوگوں سے ذک جھونک ہو جاتی تھی۔ ایک  
 مرتبہ مستقل حریف پیدا ہوئے اور اپنے ایک شاگرد کا دوا تخلص رکھا۔ شاعرہ میں  
 جب اس شخص نے غزل پڑھی تو باب کو بہت کھری کھوٹی سنائیں۔ باب ایک حاضر جواب  
 آدمی تھے رہا نہ گیا یہ شعر موزوں کر کے اسی شاعرہ میں سنایا۔ روئے سخن اپنے ہی تخلص  
 کی طرف نکلا۔

وہ تیرے باب بدایوں پر دوا ہوں کوئی ہوں مگر سب باب کو تو باب ہی اسے یاد رکھتے ہیں  
 حریف پر ایک اوس سی چڑ گئی۔ اور عرق خرم میں نہا گئے۔

باب کا کلام محض ظرافت کی حد میں ہے۔ نہ انہیں اخلاقی نکات کے حل کرنے کی کوشش  
 کی ہے اور نہ سیاسیات کا دخل ہے۔ دیوان کا انتخاب کر کے یہ چند شعر درج کئے جاتے ہیں  
 ہر اک بات میں ادبی رسے مار ڈالا کوئی تھے بڑ بکر زمانا نہ دیکھا

چراغیں بھی ہم گھس گھس بھی ہو گئیں  
ہیں یار تیری گدھیا نے مارا  
غضب ہاے مسرت کا رو دیکھنا  
مجھے آج جو رکے ہیالے مارا

چھڑا کر کمر بند کہنا کسی کا  
تو کیا بھاڑ ڈالو گے لہنگا کسی کا  
بہت آزمایا زمانے میں ہم نے  
نہ رنڈ ہی کسی کی نہ بھڑا کسی کا

نہیں ہے ساتھ اسے ہمارا میرا درد و شمع  
میں اک اندھی پہ عاشق ہوں و شہزاد پہ کھنکھاتا

دیکھ دل ڈر ہے مجھے اب یہ مریجاں دل کا  
حال پوچھے نہ کہیں مجھے مری ماں دل کا

مری جاں قتل کے ملزم ہو تم محشر کا موقع ہو  
وہ کہتے ہیں مستعدانِ دود و دھند جوں کا بیس  
ضمانت ہو نہیں سکتی مچلکا ہو نہیں سکتا  
اکیس ہفتہ میں سنتا ہوں کہ کچھ ہوئی والا ہو  
چیتے خالی کھلا دینے سے ایسا ہو نہیں سکتا  
کما کھانا آج اُن سے صرف مجرا ہو نہیں سکتا

برجئے کیا پرشب و صل میں کیا کیا ہو گا  
آج تو کچھ بھی نہیں بعد کو سچپا ہو گا  
گر چہ کھائے ہیں میرے یہ ذرا یا در ہے  
آج وعدے یہ نہ آؤ گے تو ہیشتا ہو گا  
شیخ کا چہ تہیں باب ہو اسے دھوکا  
میرا سالا تو نہ ہو گا مرا سسر ہو گا

جو نہ نیا دھوڑی کا پہنے ہے یار آج  
پچھے ہے شیخ جی کے لگی نونڈ تھیا رات  
شاید کہ ہو گیا کوئی عاشق چار آج  
پچھے ہے شیخ جی کے لگی نونڈ تھیا رات

دو آدھی رات سے ہی شب وصل چلے گئے  
اس کا اشارہ ہے کہ غلوں کی جان پر  
دورخ میں ہم پولس میں بڑے پہ جیل میں  
کچھ تو کو لوگ مجھے کس مقام پر

ہے اُن کے وصل کا وہ روز کہ پہلے ہی تھا  
بلکہ جو نیکو کی بانس پر یا بے پٹی چھت پر

جو دشمن ہیں ہمارے جنکو ہم اغیار کہتے ہیں  
انہیں سب کو وہ اپنی ماں کا شہنشاہ کہتے ہیں

برقیب روسیہ کی کانٹا لینگے ناک جو تے سے  
بلا سے ایک دو ہفتہ رہینگے گڑبڑے گھر میں

عدو بکر کا کچھ چوہا نہ کھل گیا سب پر  
کہ کم بہت نہ سب بزدلی سے زیرِ غنیمت میں  
غلط خیال تھا میرا کہ وہ مری جان ہیں  
نہیں ہیں جان مرے دشمنوں کی اماں ہیں  
تخت کی رات مری چھٹ پر جو رہنے مری  
مجھ کو یہ کہنے ڈرایا کہ خصم مار ہوں میں  
ان کی منت پہ شب وصل انہیں چھوڑ دو  
وہ کہیں یہ نہ سمجھ جائیں کہ بیکار ہوں میں

اغیار ترے ماں ہیں بہن ہیں کرجی ہیں  
کیا حق ہے انہیں کیوں ترا مرزا بنا کر ہے میں

غیر کے وصل کو اب جوتے ہیں کرے خالی  
غسل خاند ترا لکھا تھا مری قسمت میں

جرمنیہ ترا بوسہ لبِ حینے لیا ہو  
اسٹاکرے چار سینے کی سنا ہو  
کسوا سٹے اُس سے مجھے ملے نہیں دیتے  
تم حضرت ناصح کوئی رنڈی کے چچا ہو

سیتے دیکھا جو لنگوٹا جھکے  
دخت رز نے کہا اٹنگا جھکے  
وصل کی باپ ہو کر کیر کر پیش  
یاراب کتاب ہے بھیا جھکے

گھنٹی ہے دشمنوں سے صبح و سہا تمہاری  
یہ ریوہار دینگے اسے در با تہساری  
رندوں کی تم ذمت کو تو رہے ہو داغ  
اٹھ کر خبر نہ لے لیں یہ سب چچا تھاری

ہم بھی تیرے صحن میں اغیار بھی ہیں آج  
یہ دیکھنا ہے اب تری کھٹیا اکبر رہے  
کتے ہیں آج تیرے بیاں سر ہیں تو پھر  
اماں سے کیا کہیں گے کہ کس گھر رہے

خدا کے لئے سرمستادہ مرثی جان  
بست بڑھ گئی ہے حجامت تمہاری

ہانگہ مجھ خدا اہر میں رنڈی یہ منشا  
ایک کے گھر میں رہوں ایک مرے گھر میں ہے  
پھر اگر غیر جھک جائے تو جسکا قہر  
باپ کو حکم وہ دیدیں کہ مرے گھر میں رہے

وہ جو توں سے کسی ہے عزت کسی کی  
کہن بن گئی ہے حجامت کسی کی  
کوئی خیر جی ساند پالے پڑے گا  
علیگڑھ میں ٹہری ہے نسبت کسی کی

سنا ہے دختر ز آپ کی ہمیشہ ہوتی ہے  
جی تو شخ کی رندوں میں یہ تو قیر ہوتی ہے

گر باپ میں نہیں ہے توان میں قصور ہے  
نفلے میں تیرے فرق مری جان ضرور ہے



کہاں جا سکتے تھے ان سے گزرتے  
 ہتھاری تاک میں سوئے لائے  
 ملا جانے میں نے قید کاٹی  
 ملا ہے جیل خانہ ان کے گھر سے  
 پھر آخر مجھے تم کیونکر ملو گے  
 خوشامد سے کہ چہ ترے کہ ترے  
 عدو کیا مار ڈالے گا مری جان  
 خطا پیشاب کیوں ہوتا ہے ڈر سے

رہنماں ہمارے دل بچاں سر نہ تیرے چہ ترے  
 بیاباں ہر نگاہ کے چڑیا روں کی  
 ہاتھ میں نیم کی مٹنی ہے بغل میں جوتا  
 یہی پہچان ہے پاپ انگہ خدیروں کی

بزمِ عدد میں ہوں کہ جہنم میں جاؤں آپ  
 جب میرے گھر نہیں میں تو جاؤں جہاں میں

سیکڑوں کو وہ ٹانگ دیتے ہیں  
 ان کو بچاؤں مگر نہیں ہوتی

کیا مزا آئے جو اختیار کے اوپر سر بزم  
 رہا پیشاب کی دھانگہ اور گھڑا

کلی سنا تھا یاد کا جلاب ہے  
 آج سنتا ہوں کہ رحلت ہوگی

نمید کیسی سننے والے مر گئے  
 اسے میں ترہان ڈھول کاں تھا چپکے  
 نیم کی مٹنی لئے پھر نہ ہے دوست  
 یہ نتیجے ہیں پراسنے پاپ کے

تاخیر دیکھئے مرے بخت سیاہ کی  
 مسنون بھی ملا ہے تو انشا خدا ہے مجھے  
 کوہِ ستم انھاں سہوں بار عاشقی  
 کیا اپنے ہی میں جانتے ہو تم گد باغی

پیارے بے خدائے کہ ترا سیک بہ تشک نکلا  
 ردولائے جو ہمیں مباح تو بیماری ہوتی کی

تراداد زہر خفش تھا باپ: لڑکا پچھا تھا  
 پرانا جنگلی ہے بوند کیوں ہو تجھ میں وحشت کی

### تضمین شعر شہیدی

فضول مجھے تو بدظن ہے اس بت کفام  
 تری قسم نہیں کرتا ہوں میں کسی سے حرام  
 کھلا کھلا کے مجھے سیر سیر بھر بادام  
 پری اٹھی مرے پہلو سے بار بار نا کام  
 فریفتہ ہوں ترے طرز درباری کا

براق - زفری تخلص ہے مرے ایک دوست کا جو ضلع شاہجہاں پور کے ایک مہتر  
 رئیس اور کلمہ مشق شاعر ہیں اس وقت سن شریف تقریباً ۴۵ برس کا ہو چکا تھا سبب باخلاق  
 زندہ دل و بار بارش اور وضع دار منکسر المزاج ہیں۔ مجھے کافی مراسم ہیں۔ لیکن باوجود ہمار  
 بھی آپ نے اپنا صحیح نام لکھنے سے مجھے منع کر دیا۔ — واقعہ بھی یہی ہے کہ آپ کے دیگر  
 کلمات شاعرانہ کے سامنے ظریفانہ شاعری کا ذکر آپ کے لئے کچھ موزوں اور مناسب نہیں  
 معلوم ہوتا۔ اگر میں جانتا ہوں کہ آپ کا ظریفانہ کلام بھی بہت کچھ ہے۔ اور اگر مجھ کو  
 وہ سب کلام نمایاں تا جو آپ نے مختلف اوقات میں کیا ہے تو شاید ایک بڑے ظریف کا اس  
 تذکرہ میں اضافہ ہو جاتا۔ مگر کیا کیا جائے۔ کہ ان چند اشعار کے سوا جو میں نے آپ کی زبان  
 سے سنا اپنی نوٹ بک میں درج کر لئے تھے اور کچھ بھی دل سکا۔ شعر یہ ہیں۔

محدود یہ ارہراک طرف دیکھے والا ہوتا  
 نیتے لینگے میں کمر بندہ ڈالا ہوتا

کل شب عجب خیال دل نامیور تھا  
 لنگا کسی حسین کا آغوش حور تھا

میر تقی میر کی شہرہ آفاق شاعری  
 شاید شکم شریف ہمارا تو رتھا  
 نارنگیوں سے بڑے کچوں کی بہار تھی  
 سبز کسی کا باغچہ ناگپور تھیا

جگنو کی چمک جالی کی اگلیا میں بیچ  
 مرغ دل سوزاں ہے وہ دام ہلا

**برق۔** اسم گرامی منشی جوالا پر شا دھقا قصبہ محمدی ضلع سینا پور میں ۲۰۔ ۱۲۔ ۱۹۲۳ء  
 کو پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم اپنے وطن محمدی ہی میں پائی ۱۹۳۷ء میں ضلع گھیری میں مئٹرن  
 کا درجہ اول میں امتحان پاس کیا اور وظیفہ مقرر ہو گیا یہاں تک کہ ۱۹۳۷ء سے کیننگ کا لکچر  
 میں تعلیم پانکڑ ۱۹۳۸ء میں بی۔ اے کا امتحان پاس کیا اور ۱۹۳۸ء میں وکالت کا امتحان  
 پاس کر کے وکالت شروع کی۔ ۱۹۳۸ء میں بعدہ منصفی مامور ہوئے اور اس میں بہت  
 کافی شہرت اور ناموری حاصل کی آخر ۲۶ مارچ ۱۹۴۷ء کو بحالہ طاعون کے مصائب  
 جب کہ عمدہ بیج خفیہ پر متعین تھے انتقال کیا۔

گو کہ آپ اسم با سکی اور قدرتی نہایت ذہین اور ذکی واقع ہوئے تھے مگر کبھی  
 آپ نے لکھنؤ کی زبان حاصل کرتے میں کافی کتب بینی کی تھی۔ اور خوبصورت کے ساتھ ہی  
 کے جسے بڑے زباندانوں کے ساتھ ملتے جلتے رہے۔ منشی سجاد حسین مرحوم ایڈیٹر اور چیف  
 سابق پبلیک ٹریبون ناٹھہ بھر۔ مرزا مجیب بیگ ستم طریق۔ منشی احمد علی شوق وغیرہ حضرات  
 آپ کے احباب خاص میں تھے۔ جیب آپ لکھنؤ میں تشریف لائے اسی وقت سے اودھ پنج میں  
 نامہ نگاری شروع کی۔ اسی سلسلہ میں متعدد نظریات لکھیں۔ اکثر نامہ نگاریوں کا  
 کے نقطہ نظر سے ترجیح اس خوبی سے کہے کہ شاید۔ بنگلہ سے چار پانچ ماہوں کا ایسا

ترجمہ کیا کہ میرے خیال میں ہر ناول ان کے واسطے ایک شاہکار ہے۔ روہنی۔ پر تاب  
 بنگالی دہن۔ ماند استین۔ مرنا لنی۔ سب کے سب سید و سید سلیس اردو کے ناول وہی  
 بنگالی ناولوں کے تراجم ہیں۔ میں نے ان سب کو اول تا آخر پڑھا۔ ہر ایک انجز ایسا ہے۔  
 سنوئی بہار آپ کی شاعرانہ مشافی کی ایک زیر دست سند ہے۔ نظریات رنگہ نظم و نثر میں  
 آپ کو یہ طویل حاصل تھا۔ ہم نثر کو بوجہ طالت نظر انداز کر کے صرف بعض بعض نظموں پر  
 بحث کرتے ہیں۔ پہلے ایک محسن ملاحظہ کیجئے جو فارسی کے اس پرانے اور فرسودہ مصرع پر  
 لکھا گیا ہے اگر ماند شے ماند شب دیگر معنی ماند۔

کلاہ سرخ شری وایا بر سر بنی ماند ہمیشہ کوٹ و جا کوٹ زیر بنی بنی ماند  
 زنا نہ پر یکے آئین اسے نیچر بنی ماند عروس نوحیا باکودہ باشو ہر بنی ماند  
 اگر ماند شے ماند شب دیگر معنی ماند

رائڈی واما در بول و ساغری ماند جنیں مید و چرٹ در دست و گشت بنی ماند  
 بیایں بوٹا لکڑی و فر بر سر بنی ماند عروس نوحیا باکودہ باشو ہر بنی ماند  
 اگر ماند شے ماند شب دیگر معنی ماند

جنیں اسچا دسر پٹ میداں تاکجا تادی ہمیشہ گنید و کرکٹ پچو طفلان تاکجا تادی  
 زبیر در بول ملک جنیں پتلوں بگڑ سازی عروس نوحیا باکودہ باشو ہر بنی ماند  
 اگر ماند شے ماند شب دیگر معنی ماند

برندی تاکجا از ما بگو اسے نیچر بنی نوشی لباس جاکٹ و پتلون بے کھنکھیں پچشی  
 براچ کر دن میں رسم لکڑی تاکجا کوئی عروس نوحیا باکودہ باشو ہر بنی ماند  
 اگر ماند شے ماند شب دیگر معنی ماند

کئی گروہ عالم را بر ایسیج زبوں سا کے بر سر زمین نمودن و پچیں خط و جنوں تاکجا  
 نمودن بول استاد ہنر ملکہوں تاکجا عروس نوحیا باکودہ باشو ہر بنی ماند

اگر ماند شے ماند شبیر دیگر نمی ماند

خوری تا چند مرغ سر پریده را بدین غمت حوائی را نمانی از دلیل غمیش چو علت  
خوئی نماند ای خیر بدین عقل برین بہت عروس تو حجاب آلودہ با شوہر نمی ماند

اگر ماند شے ماند شبیر دیگر نمی ماند

بہاے سنگ سود سے با طری را بہر سبب این بدقت گنبد کرکٹ بیدہرک بیتاب گردید  
پتہ نہ پتہ ای خیر چو اخیل را دیدن عروس تو حجاب آلودہ با شوہر نمی ماند

اگر ماند شے ماند شبیر دیگر نمی ماند

کو کوئی ذکر از یاد کہ ہست آن خالق چو بس کہو تر چوں بکا بکے تہی ساز و خیر غم غم غم  
ہر سوز و غم را از تو کہیں نہیں کہوں عروس تو حجاب آلودہ با شوہر نمی ماند

اگر ماند شے ماند شبیر دیگر نمی ماند

تقریباً ایک سیر خیر زانی سچ دین نمی ادا کا جو عمر دیکھو تو سو برس کی قدر تیرے غم غم غم  
سفید دانت ہی یہ کالا جوتہ اور سپردہ و برنج ٹوٹی بد نہر جاکٹ گلے میں پٹی سے عالم اپنی ک بک بلا کا  
میں باتیں بسکی دھڑا فیس کہیں میں جسے نہیں فقیہ کے فقرے تم کے جلے در سپہ طرزیں بلا کا  
ہست و نواں تاک کے کرختے طرح طرح کے دکھائے خلع کے بندہ کے دین و دنیا کو خوب دنا غصہ نہ ادا  
ایک مرتبہ دکن کے قلعہ پر ایک شہر عجیب طرح کا لگتا تھا جس کے دو تین بنائے گئے تھے۔

ملک دکن پر قلعہ کی یاد چڑھائی ہے چاروں طرف سے فوج تیرے کارائی ہو  
قتلار خانہ میں بچاؤ کی رہائی ہے کار لکھٹاسی جو کہ تیرے بہت چھائی ہو

بھرتی امیدوار ہوں خواہش ہے کام کی

آؤ سبیل رکھی ہے کنگڑوں کے نام کی

آئی گھٹاسی ریش بھرے تھے امیدوار اڑی بلا کی فوج کہ منہ جھکے چار چار  
پور بھئے یار اور علی گڑھ کے سب ہمار آئی تھی ہر طرف سے صد بس یا میار

چروں پر پتھریاں تھیں و باگیہ لڑی ہوئی  
 سمت جنوب سب کی تھیں باگیں بڑی ہوئی  
 اک در کھپائی کہ اللہ کی پناہ      ادبے وہ انگر کے کہ کھٹی داہ داہ  
 بخورے آشکار کہ پیونہ ہے نگاہ      اسے نہ کچھ خیال کھی گو خلق ہوتاہ  
 بگڑے ہروں کو اور بگاڑیں یہ زور تھا  
 مارا بدہ بدہ کا ہراک سمت شور تھا

بحر طویل کہنے پر آئے ہیں تو انشا اور مصحف کو مات کر دیا ہے۔ ملاحظہ کیجئے  
 دوش رقم سوے بازار۔ کسے یا نعم عیار۔ نہ ہرقیر سبکیار۔ یہ تو درگفتار۔ نہ خود رفتہ و سرشار۔  
 سبک خیز چور ہوار۔ تنش چوں تن زبور۔ سید خال رخ حور۔ مثال شب دیوچور۔ یہ کوٹ پتلون  
 بدن شمشہ ز صابون۔ رخس زرد۔ دلش سرور۔ تن و جوارہ ہمہ گرد۔ نہ اد صاحب ایمان  
 دے بندہ شیطان۔ نہ ہند و نہ مسلمان۔ نہ از قوم تھاری۔ دود ہر سمت بصد شوق  
 گئے تحت گئے فوق۔ گئے استاد و شاگرد۔ گئے جست و سراپید۔ گئے ٹھوکر دیسی۔ گپا و گپے کافی  
 و شیمین و برانڈی۔ گئے بیروکار شاگرد۔ گئے پاکٹ گے جاکٹ۔ گئے شیرے و گے رم۔ گئے لگی گئے ٹم  
 ہمیں فکر ہر دم۔ کشتہ حرص و ہوارا۔ گفتم اسے ہمسر فرعون۔ چرامی شادی مفلون۔ کسے نیست  
 چو زیارت۔ چو بود آخر کار۔ اس وضع کد ام است کہ داری۔ چوں شد ز خرد عاری۔  
 شیشہ تنگ شکستی۔ دردانش بچہ بستی۔ توئی دیوانہ و دہ ہوش۔ رہ عقل فراموش  
 بشر علم و ادب دور۔ بہ سنے گمراہی محمور۔ بگو نام و نشانت۔ شوم آگاہ بجا نت۔  
 مکن دیر خدا را۔ گفتم عدوے ناموس۔ بردو ام بگڑوس۔ تم آدمی ہے کالا۔ یو  
 کالا۔ من صاحب لوگیم۔ فدائی بسریم۔ صاحب پیللی نام۔ بجا شہرہ عام۔  
 زرموزم توچہ دانی۔ کہ ناقابل آئی۔ بزم ٹھوکر و پھیر۔ اٹیو گئے امیر۔ شکم ہوسے شام  
 گفتم اسے صاحب ادھات۔ مرن بیدہ بمن لات۔ ہمیں روے سید خویش

ہنہ آئینہ در پیش - مشو طائر قتال یزن مفت پروالی - بخار سیکٹ ہم کیک - لیکن تریک  
رہ نیک - بشو پیر و حسنا - برست از فرخ فات بہ میں صدق و صفار -

بزمی - مرزا محمد اشرف صاحب بی - اسے خلف جناب محمود اشرف گورگانی کا  
تخلص ہے - آپ نہایت قابل اور نیک مزاج ہیں مرزا ارشد دہلوی گورگانی کے  
شاگرد ہیں - بے حد شوخ اور بلا کے ذہین ہیں - آپ کی ظرافت شعر میں اس درجہ تک  
ہوتی ہے - جسے انبساطی شاعری کا انتہائی رنگ کہہ سکتے ہیں - صرف ہزانی اور نصف ظرافت  
کہیں نہیں ہے - بلکہ اس رنگ انبساطی میں یہ بھی خیال رکھتے ہیں کہ کہیں تغزل سے  
علحدہ نہ ہو جائے چنانچہ چند اشعار درج کئے جاتے ہیں - مگر یہ کلام ابتداء ہی ہے -  
اس وقت کا کلام نہ بود نہیں -

شیخ نے جانے کیوں کی توبہ	مے سے اچھی کب بھٹی توبہ
کعبہ گر جا اور بختانہ	گھر گھر جھانکی میری توبہ
واعظ کر لو گرمی گرمی	سادن آیا ٹوٹی توبہ
آخر نہا ہر کی بیٹی بھٹی	رندوں میں کیا نکستی توبہ
میری صورت دیکھی آئی	سیرت دیکھی بھاگی توبہ
مولوی صاحب کیوں نہ نکرتے	اون کی ردی بھٹی بی توبہ
میں اور ایسا کام کر دں گا	توبہ توبہ کیسی توبہ
واعظ اب تو جاڑا آیا	کسکی توبہ کیسی توبہ
لہری بند ہے ہی تو تھر سے	ہر گئی دل میں کرنی توبہ
واعظ ابنا دل تو دیکھو	یہ نہی خالی خونی توبہ
دیکھو بزمی اب بھی کر لو	کام دیاں پر دیگی توبہ

بسم - میر حسن نے اپنے تذکرہ میں یہ کلام لکھا ہے کہ میر تقی نے لکھا ہے  
نقل کر کے یہ بھی کہا ہے کہ اس سے زیادہ بلند شعرا اس کے اور نہیں دیکھے گئے۔ میر تقی نے لکھا ہے  
کہ بسل تخلص ایک شخص کا شہرہ پہلے نہ تھا اس وقت تک میں نے یہ تذکرہ نہیں لکھا تھا۔ اب  
خدا معلوم کہاں گیا۔ بہر صورت میر حسن نے جو شعر لکھے ہیں انھیں میں سے دو ایک شعر منتخب کر کے  
لکھتا ہوں۔ میر قیاس ہے کہ میر حسن نے جس کے ان شعروں کو بلند لکھا ہے اس کے وہ بیشتر  
جسکا انھوں نے ذکر نہیں کیا خدا معلوم کیسے ہوں گے۔ کاش ہوتے تو لکھتا۔

جب کہ دیکھ کی فوج چلتی ہے	زلزلے سے زمیں دہلتی ہے
دیکھ لو تم بھی کر کے سداغ	مد کے سینے میں دھڑکوں کا درغ
ذیے کے دام میں نہیں جو رشید	دیکوں نے اسے کیا ہے چمید
ڈرے دیک سے وہ جو بیت شاہ	یاں تو اب کسے خسیو ہے بال
مٹنگے زیر و مٹنگے بال	نے غم دزد و نے غم کالا

بسم - ایک رسالہ میں آپ کی ایک غزل نظر سے گزری تھی۔ نام و مقام بھی  
لکھا تھا مگر حافظہ نے صرت تین چار شعریاں دیکھنے پر اتفا کی نام دام سب بھول گیا  
شعریہ ہیں۔

چھپ ر اگر علاج میخوای	طلب وصل ہمدردانی کن
در شب وصل می پڑد جاڑا	یک لحان است اینچا تانی کن
بہنیں کم شیر مید ہدیل	از کھلی دہولہ سانی کن

بسم - تخلص ہے مولوی فتح الدین صاحب مرحوم کا۔ آپ پنجابی اعتبار  
نویسوں میں ایک امتیازی درجہ رکھتے تھے۔ اور نہایت ذکی و ذہین تھے۔ عرصہ تک



پنجاب سچ لاہور کے ایڈیٹر ہے اور برابر ظرافت کے نظم و نثر مضامین لکھتے رہے۔  
ظرافت میں آپ کو درجہ کمال حاصل تھا لہذا اس میں بے حد تہمت و انتقال کیا۔ کلام  
تلف ہو گیا صرف ایک نظریہ نامہ سیاسی نظم مل سکی جو درج کیجاتی ہے۔ غالباً اس  
جنگ افغانستان کے وقت لکھی ہے۔

کابلی برسر پیکار ہیں لو اور سنو	ان کے اب موت کے آثار ہیں اور سنو
جن کے صدقے سے پلے اوپر سے لٹتے ہیں	ان سے بھی لڑنے کو تیار ہیں لو اور سنو
شاہ پھیمانہ تو ادھر کہ نہ مصالح ہو جو	سو نٹھ کی گانٹھ پہ عطار ہیں لو اور سنو
دو قدم کو نہیں چل سکتے مگر اسپر بھی	جنگ میں چلنے کو تیار ہیں لو اور سنو
ہم نرسے مولوی تھے یہ جھگڑا ہر کار	میر نے یہ صاحب اخبار ہیں لو اور سنو
جب میر نے لکھا یہ شعر ہے یہ کلام	آج ہم غیرت تانا رہیں لو اور سنو

بقا۔ شیخ بہادر اللہ خان نام تھا۔ اکبر آباد کے رہنے والے تھے۔ حافظہ لطف مند تھا  
خوشنویس کے بیٹے تھے میر اور سودا کے ماسٹر تھے۔ گردن زر کو خطاط میں نہ لاتے تھے اردو  
میں شاہ حاتم اور فارسی میں مرزا فخر مبین کے شاگرد تھے۔ مولوی عبد الغفور اسلم  
مرحوم نے اپنے تذکرہ سخن شعرا میں انھیں غلطی سے میر درد کا شاگرد لکھا ہے۔ یہ صحیح  
نہیں ہے۔ پہلے ان کا بقا تخلص تھا بلکہ غنیمت لکھتے تھے پھر درد معنوم بیک کیا جی رہا  
آئی کہ اس تخلص کو چھوڑ کر بقا بن گئے۔ آخر میں ترک وطن کر کے لکھنؤ آ گئے تھے۔ ہمیں  
میر اور سودا سے معرکے ہوتے تھے۔ اسی بنا پر انھیں جو کہنے کی ضرورت پڑتی تھی  
چونکہ خوش مذاق ظریف الطبع تھے۔ اس لئے انھیں ظرافت کا رنگ پیدا کر کے نئی روح  
پھونک دیتے تھے۔ میں بہت مہذب ہجوؤں کے دو چار شعر لکھتا ہوں۔  
ایک مرتبہ میر تقی میر نے یہ شعر لکھا۔

اے دیر انگوٹھ کی آنکھیں نہ دیاں سے پیٹیاں بھر  
سو کھا پڑا ہے اب تو مدت سے یہ  
بقا نے بھی یہ شعر ناکان پیدا ہوا کہ میر صاحب نے مسرت کیا اور میرے ان  
دونوں شعروں سے یہ دو آہ کا مضمون اڑا لیا۔  
ان آنکھوں کا تگر یہ دستور ہے      دو آہ جہاں میں یہ مشہور ہے

سیلاب سے آنکھوں کے رہتے ہیں خرابی میں      ٹکڑے جو مرے دل کے بستے ہیں دو آہ میں  
بیر بھر کیا تھا بگڑ گئے اور ایسے بگڑے کہ یہ قطعہ لکھ ڈالا۔

میر نے گرتے مضمون دو آہ کا لیا      اسے بقا تو بھی دعا ہے جو دعا دینی ہو  
سینہ میر کی آنکھوں کو دو آہ کرنے      اور میںی کا یہ عالم ہو کہ ترینی ہو  
اس کے بعد غالباً میر صاحب سے اور ان سے چل گئی ایک اور قطعہ کہا۔

میر صاحب پھر اس سے کیا بہتر      اسیں ہو دے جو نام شاعر کا  
لیکے دیواں بچارتے پھرے      ہر گلی کو بچے کام شاعر کا  
ایک جگہ میر اور مرزا دونوں کو لے ڈالا ہے فرماتے ہیں

میر و مرزا کی شعر خوانی نے      بسکہ عالم میں دھوم ڈالی تھی  
کہیں دیر ان دونوں صاحب کے      اسے بقا جبکہ ہم نے زیارت کی  
کچھ نہ پایا سوا اس کے سخن      ایک تو تو کہے ہے ایک ہی ہی

تھے ہم استادہ ترے در پہ دے بیٹھ گئے      تو نے چاہا تھا اکٹلاے نہ ٹپٹے بیٹھ گئے  
آئینہ دیکھ جو کہتا ہے کہ اللہ سے میں      اسکا میں دیکھنے والا ہوں بقا داہ سے میں  
ان اشعار کے سوا اسے اور نظریات شعر دستیاب نہ ہو سکے۔

بھائی۔ اودھ بیچ سابق کے کوئی نامہ مکار ہیں۔ ۶۔ اپریل ۱۸۵۷ء کے اودھ بیچ میں آپ کا یہ نوحہ۔ اس مختصر دیباچہ کے ساتھ ورج ہوا تھا۔  
نوحہ رقت و فحشاۃ افزا حسن اتفاق سے نوحوں۔ سوزوں۔ مرثیوں کی فصل۔ رونے لانے کی بار بار چنانچہ بالفعل اپنی حسرتوں آرزوؤں کے قتل و کشتہ ہونے بلکہ مرے دل سے پوچھئے تو شہادت پر ایک نوحہ حسب حال عرض کیا ہم کیا عجب وکل سلف گورنمنٹ اور اس محرم کے اجتماع میں یہ نوحہ بند و مستاقول کے بہت سے دلوں میں رقت پیدا کرے۔

چنگی کا میر۔ کرم تھا یا نہ تھا، میری ہر شہادت  
انور عجیب طرح کی آئی میر مصیبت۔ ذات میری ذلت  
کرتا نہیں درود خدہ صفائی میری عزت۔ کیا ہو لغات  
باری سے ہوا نام مرا بوڑھے غلام۔ نہ یہ یاد طابع  
یہ رنج کیا ضبط تو کیا آگئی ٹھک۔ لے میرے مجھو  
اک بھائی کے دل پر تھے لگے تیرے چلنے لگانے سا دہلنے  
کبھت مجھے حل ذرا سہ نہ آیا۔ غیرت کہ گھٹا آیا  
میں تو بہت چاہا ہر میری قائم۔ ہو بلکہ وہ دائم  
یہ سنگ میں نہ بٹا ہوا مخالف جس کے غیرت کے سکھ کے  
سب کیا کہتے اور کیا لکھتے کھانا فریاد خدایا  
دقت آیا جو اس کا کریں میری اعانت باقی ہے عزت  
نیچا سزاؤں پر ہمیشہ ہی ہوا۔ آخر کو بھٹکا ہے

کرتا تھا میں ٹٹوں کی بڑی پشت پناہی۔ ہر میری شہادت  
چنگی کی حکومت لگی میری بخت تابی۔ ہر میری شہادی  
میری حکومت پر نہ آیا۔ تھی۔ ہر میری شہادی  
میکار میری بیکار لگتی میری سہاوی۔ ہر میری شہادی  
خون تھکا کا جو بھائی نے تو دھستہ لائی ہم میری شہادی  
جب بوڑھے میری بھائی ہوئی میری منہای میری شہادی  
کالا ہوا مٹھ بڑھ گئی قسمت میری سہاوی میری شہادی  
قسمت میری بڑی تھی کہ نہ لے نہیں چاہی۔ ہر میری شہادی  
دیکھا جو چپکے سے ہو لکھ کر میں ابی۔ ہر میری شہادی  
رد رو کے میں دیتا راگ تیری دوائی۔ ہر میری شہادی  
مٹھ پھیر لیا یادوں نے نصرت نہ نہا ہی۔ ہر میری شہادی  
لدا دہلی میں نے تو لگی مٹھ میں ہی ہر میری شہادی

بلیغ۔ محمد شاد الحسن نام ہے۔ بین پوری کے رہنے والے ہیں۔ نہ مانو محال کے لکھ

خود مختار شاعر ہیں۔ اردو و فارسی دونوں زبانوں میں فکر سخن کرتے ہیں۔ مجھے  
اردو کا کلام نہیں مل سکا فارسی کے کچھ شعر رنگ و فراقت میں ملے جو مثنوی کلام میں درج  
کرتا ہوں۔

ہزار ہا مہینے نافر جام برائیں بہت عالی      کہ من مرغویہ خود را در آغوش دگر دارم  
چو دستم شد حائل گفت آن نازک مزاج من      بترس از من کہ یکا خود تو از خنجر در کمر دارم  
خوشا روزے کہ آن پر خور آید در کنار من      بسا خبر بوزگہ و تر بوز دارم نیشکر دارم  
بلیغ باران بلیغ بلاغت صرف کن اینجا      کہ ہر اہل بلیغ گوید کہ من سویت نثر دارم

**بیلیلیہ**۔ یہ مافوق العادت و انفطرت تخلص پنڈت رام نرائین صاحب شیکار  
کا ہے آپ فرخ آباد کے رہنے والے اور زمانہ حال کے طریقوں میں ہیں۔ علمی قابلیت  
کی بابت اتنا ہی معلوم ہے کہ اردو لکھ چڑھ بھی نہیں سکتے۔ ہندی خط میں غزل  
لکھتے اور پڑھتے ہیں۔ بعض بعض شعرا جیسے کہتے ہیں بد قسمتی سے مجھے صرف ایک ہی غزل  
مل سکی جو انتخاب کر کے درج کرتا ہوں۔

یار کے گھر دعوت شیراز کی تدبیر ہے      دیگ میں دیکھا تو لیں فکیر کی فکیر  
وہ اے قسمت میرے نسخہ میں تم اخیر ہے      چارہ گرا تانا سمجھا عشق کی تیز ہے  
عقدہ تدا بین عشق جنت بولے داغ تھے      دخت رز ہے نور چشمی یا تری ہمیشہ ہے  
ہوازل سے ہی یہ دیوانوں کے رہنے کا مقام      بچہ کیا ہے تیس ترے باپ کی جاگیر ہے  
ایک مکتب میں پڑھے اور ایک ہی استاد ہے      بسا سی رشتہ سے لیا قیس کی ہمیشہ ہے  
اے بیلیلیہ میں اپنے فن کیوں نال نہیں      مضحکہ انگیز شہرت میری عالمگیر ہے

بندر میر۔ عجیب و غریب تخلص ہے کسی نامہ نگار اردو دھنچ ساق کا جس کے

لفظ لفظ سے شوخی بٹکی پڑتی ہے۔ ایک نظم جو ہدیہ ناظرین کی جاتی ہے۔ وہ لکھکر حضرت  
بندریہ صاحب فرماتے ہیں کہ یہ چند شعر حضرت سعدی کے تتبع میں لکھے ہیں۔ گویا ہر  
طرح یہ قرار دیا گیا ہے۔ ہچکھاں از طولیہ خربہ -

دست خالی ز کسبہ پر زربہ	بدنامی بجال خوشتر بہ
از ہمہ ارزلاں یور و بین	پائیہ ہندیاں فراتر بہ
من بہ کعبہ روم ز ترکستان	از رہ مستقیم چکر بہ
ایلمے ہم بکار می آید	خر عیسیٰ بحال خود خربہ
وضع خوش اختیار باید کرد	ریش کوتاہ را کلاں سر بہ
تا نہ گردن کنند پیمایش	خاکساری شمارا احقر بہ
بمجل خراب را نمودے نیست	نوبود خواه کسمہ چہر بہ
قد زنگی ز نیشکر آید	چوں شکر میدہر چقند بہ
مفسل انیم در بساط حیات	اسپ اگر نیست مہرہ خربہ
خرس روسی و شیر جاپانی	جان بل چوں غزال اصف بہ
ایشیا فتح کرد یورپ را	ایں چنین ذکر عیش اکثر بہ
چیت مردی زمانہ انگریزی	تیغہ در نیام خنجر بہ
چوں یکے اہل قارس شعر شنید	ہنکے گفتا کہ اور خوشتر بہ

بوا سحاق اطعمہ ایک نہایت مشہور و معروف ہزال اور ظریف تھے جنکی  
نسبت معلوم ہوا ہے کہ عہد محمد شاہی کے اداکل میں دہلی میں تھے۔ اور اس زمانہ  
کے دستور کے موافق ایک بہت بڑا مکتب قائم کر رکھا تھا۔ جس میں اس وقت کے  
بڑے بڑے شرفا کے بچے تعلیم پاتے تھے۔ چنانچہ میر جعفر نزل بھی انھیں کے ایک ہونا

درج کرتا ہوں۔  
 میرا حب اور فوج کے ستمگر چہرے نہایت ہی گھبرائے ہوئے تھے۔

ابو اسحاق چونکہ خود بدرجہ اتم شاعر و شاعری کا ذوق رکھتے تھے۔ اس لیے جب شاعر و کار جہان اس طرف دیکھتے تو بہت خوش ہوا کرتے تھے۔ ایک دن اپنے شاگردوں کو کچھ شعر سنائے۔ میر جعفر زل نے غور سے ان اشعار کو سنا اور جی چاہا کہ خود بھی کچھ کہیں۔ گراوندانی رنجہ دہیں اس شوق کے پورا ہونے میں مانع آئیں خاموش ہو کر بیٹھ گئے۔ پھر جو جوش پیدا ہوا تو کچھ شعر کے استاد نے دیکھا کہ ان سے تو اور لذت ہوتی ہے میر صاحب کو بہت نا اشنا۔ چونکہ شعر قابلِ تدارک نہیں ہیں اس لئے ہم ان کو قلم نہ لکھتے ہیں۔

ایک مرتبہ ابو اسحاق کی جوی کو شادست اعمال سے بخارا گیا۔ مولوی کا درویشوں پر ختم ہو کر رہا ہے۔ یہ جناب اس عالم پریشانی سے بہت ہی چڑچڑے ہوئے تھے شاگردوں کو بات بات پر مارنا شروع کر دیا۔ بیکاروں میں صلاح ہوتی اور جعفر زل سے کہنا کہ آج مولوی صاحب کی شان میں کچھ لکھو۔ جعفر زل نے فرمائش پوری کرنا پڑی اور بھوت بڈا رانا مہر چاہتا تھا کہ کلیات میں ہے لکھنا لا جس کے ابتدائی بند یہ ہیں۔

در د پڑھ ناد علی را کش بیتاں دینا  
 در د پڑھ ناد علی جن و گرد لال کو یاندہ  
 در د پڑھ ناد علی بھڑوں گھڑیل کو بانڈ  
 در د پڑھ ناد علی بھڑوں گھڑیل کو بانڈ  
 در د پڑھ ناد علی بے خرد تال کو یاندہ

ہر میدان سے باہر قاسم چھوڑ کے چل جا  
 باندھو ننگا عبث بھاگ مے آگے سے جا  
 کراد کسوا دم و حواں پہ عمل جا  
 تو بھی کسا مان شتابی سے نکل جا  
 بسم اللہ والحمد کی برکت سے نکلا جا  
 یا شیشہ میں ہو بند دیا آگ میں جل جا

چونکہ ابو اسحاق اکثر اپنی فراغت میں صرف مزے دار طرح طرح کے کھانوں کا

زیادہ ذکر کیا کرتے تھے اس واسطے ان کے نام کے ساتھ اطعہ بھی شامل ہو گیا تھا  
ان کا کلام بہت تھا مگر اب کیا ہے۔

من آن نیم کہ ز حلاعتناں بگرداخم  
کے بچو ہر یکدانہ بخود نہ رسد  
کہ ترک صحبت شیرین کا فرط دہشت  
دگر مگوئے کہ نان نو عروس غمزدہست  
کہ قفل حقہ کیسا بیاچہ نکشاد است  
نوشتہ است روغن پچرہ حبشی  
کہ ایں غمزہ عروس ہزار داماد است  
چنی بری اسے کا سہ لیس بر بھاق  
کہ ایں سیاہ زائے ناز است  
بہنج زرد و غسل روزی خدا داد است

پیشیم در سحر گاہاں گزاری صبحی نعر را  
کیا اب آہوے فریاد اگر ایں غمزدہ  
بوسے نیکوش بخشم سحر تند و بخارا  
جمال بڑہ بریاں خون ونبہ فریہ  
کنار آب ترکنا باد و گلگشت صلا را  
چہ آوازی بکشک و عفران رخسار فالوہ  
چنان بر ز صبر ازل کہ ترک خستہ افرا  
بگوشت بے مفاہی خط و چہ بجستہ یسار  
کہ بر نظم تو افشا نہ فلک عقد شیار

نہی گردم ز ذکر قلیہ حسالی  
سحر بر خیزم از بہر ہر لہ  
بسنکر بور قم فی کل حال  
درون رشتہ آں خوشید شلغم  
ومن طالب العلمی من علی اللیل  
چوانہم میدرم مرغ مستم  
کان الشمس فی جوف اللیل  
فما ادری میدنا عن شمال

بویک ایک یا فسر قلمی میں بویک بڑھانوی کے نام سے چند شعر گز رہے۔ اور نام  
و حالات وغیرہ کا کوئی پتہ نہیں چلا۔ میں اپنے قیاس کی بنا پر کہتا ہوں کہ یہ شاید بوڑھا نہ

خوشنود و خوشترکت رہنے والے نہیں تھے۔ یہی سبب تھوڑے روزوں میں بڑا بیمار ہو کر غارت ہو گیا۔  
 یاد دہانی کی شکایت ہے جو سننے والے کو ہنسنا شروع ہو جاتا ہے اور وہ اپنی بھی ہنس رہا ہے۔ انگریزوں کو کیا  
 نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں شادی کی ہے اور اس کا خلیا زمانہ نہ تھا۔ یہ سن کر  
 ستم سے چیخ اٹھے ہیں۔ وہی شور و ہوا ہے داؤد الے پیدا کر کے مرنے والے ہیں۔ یہی شاعری  
 بکراہ گئی ہے۔ اگر یہی بات ہے تو یہ ایک تخلص بہت ہی عوزوں ہے۔ کریا کے بعض  
 بعض مہم غور پر حشر لگائے ہیں بعض کو تشویش کیا ہے۔ ان کے اکثر اشعار ترائی  
 اور سنجیدگی سے دور ہیں۔ اسی لئے ان کو نظر انداز کر کے ہم چند اشعار پیش کرتے ہیں۔  
 جب رات گریں اور ہر طرح کا کھانا  
 شوہر کی جگہ گدی پر جو روئے گئی

ہوئی میری کے ہاتھوں چٹ پٹ  
 گریٹے پڑتے ہیں جیسے کوئی دست  
 کبھی نہ کہیں کام اور دست  
 غریبے پر درطیعت کہ نشست  
 نرود جز بوقت مرگ از دست

بڑے حالے میں کیوں بیاہ رہے گیا  
 کر گیا بہ ہشتائے بر حال ما  
 کہا کہ یہ جو روز سے اب ابوس  
 ناریک غیر از فریاد رس  
 یہ کہتی ہے جو روز ہمیں رولا  
 کہ ہستی اسیر گمشدہ ہوا  
 وہ بانی جو ہم نے اشارہ کیا  
 نگہدار مارا ز باہ خطا  
 میں گستاخوں سے کہنے چٹا  
 خطا در گزارو سو اہم سن

تو میں وہ غروی کی شب رات بھر  
 کبھی مارے گھومت کبھی چٹکا سر  
 بنایا بھی مجھ کو اپنا پدر  
 تو میں نے کہا اس سے تنگ آن کر  
 کبر کن زینہ اسے پر سر  
 کہ روزے ز دستش در آئی بسر



بوم - شیر محمد خاں نام ہے۔ ہاڈر ضلع میرٹھ کی تحصیل میں چیرا سی ہیں۔ مبین  
 کلام میں فوق تخلص کرتے ہیں اور ظرافت میں بوم - چودہ پندرہ برس پہلے میں بھی ان سے  
 ملا تھا اسوقت کچھ زیادہ مشہور و معروف نہ تھے۔ مگر اس زمانہ میں ظرافت کی بدولت اچھا  
 خاصہ نام پیدا کر لیا۔ اکثر ان کی ظرافت فواہشات کی حد تک پہنچ جاتی ہے۔ چونکہ  
 خود بھی اس قسم کے آدمی ہیں اس لئے زیادہ تر کلام کی بنا بھی اسی طرح کے انداز  
 کلام پر رکھتے ہیں۔ اب سنا ہے کہ بخواری اور عیاشی میں بھنسکر کچھ غبن وغیرہ کیا  
 اور اس کی بدولت زندانِ فرنگ کی ہوا کھا رہے ہیں۔ ان کے شعر و ظرافت کی حد  
 میں ہوستے ہیں نہایت دلچسپ اور قابلِ انتخاب ہوتے ہیں۔ مگر انھوں نے میرے پاس  
 ان کا کلام نہ پہنچ سکا۔ اگرچہ تلاش میں میں نے کوئی دقیقہ باقی نہیں رکھا مگر کبھی طرح  
 کامیابی نہ ہو سکی۔ اس زمانہ میں جب تذکرہ لکھ رہا ہوں ہاڈر کے کئی ایسے باب کو لکھا مگر جواب  
 نفی میں آیا۔ چند شعر مل سکے وہی درج کرتا ہوں۔ اسوقت ان کی عمر تخمیناً چالیس برس  
 کی ہوگی۔

جس زمانہ میں مہاتما گاندھی کھترہ پر چار کر رہے تھے۔ اسوقت گاڑھے کی قیمت  
 اچھے اچھے کپڑوں سے بھی بڑھ گئی تھی۔ اور جولاہوں نے ہر ایک کپڑے سے زیادہ نرخ  
 بڑھا دیا تھا اسی سے متاثر ہو کر قوم نے یہ نظم اور اسی قسم کے ادبیت سے شعر لکھے تھے  
 چند اشعار جو مہکول سکے لکھے جاتے ہیں۔

پہلے سے نہیں مغلرم محتاج جو ہے      اب بھرنے لگے کوٹھوں میں ناچ جولاہے  
 بیڑ تو گئے قید میں اک راج کی خاطر      بیٹھے ہیں بابے ہوئے سودا جولاہے

جب کہ دنیا میں خلافت کی دہائی ہو گئی      اچھی خاصی ان جولاہوں کی کمائی ہو گئی  
 بہتر تھی کس طرح غلبوس کھتر کو بھڑا      چودہ آنے سیر گاڑھے کی کمائی ہو گئی

کلیں مگر کس کے ساتھ دوست چوں گئے۔ روتے کہتے کہ تھوڑے عرصے پہلے تو میری شادی ہوئی تھی۔ ابھی ایک  
 یا بیوی کی شکایت ہے جو سننے والے کو ہنسائی بھی ہے اور دلتی بھی ہے۔ اغلب یہ کہ ایک  
 نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں شادی کی ہے اور اس کا شہیازہ اٹھا کر اسے رخصت  
 ستم سے چنچ اٹھے ہیں۔ یہی شہرہ و تہی ہا ہے۔ دلایل سے پیدا کر کے موزوں بنی رہے۔ اور یہی  
 ہو کر رہ گئی ہے۔ اگر یہی بات ہے تو ایک تخلص بہت ہی موزوں ہے۔ کہ یہاں کے بعض  
 بعض مصراعوں پر مصرع لگائے ہیں بعض کو تشہین کیا ہے۔ ان کے اکثر اشارات  
 اور خجیدگی سے دور ہیں۔ اسی لئے اُن کو نظر انداز کر کے ہم چند نظریات شعر نقاش کرتے ہیں۔  
 جب رات گریں اور بڑھیں بانگ بیک  
 شوہر کی جگہ کبھی جو جو مجھے لگیدی

ہوئی پیری کے ہاتھوں جھٹ پت      گرے پڑے ہیں جیت کی دست  
 کبھی نہ کبھی نہ کام اور دست      غصے بدور طبیعت کہ نشست  
 نرود جز بوقت مرگ از دست

بڑھاپے میں کین بیاہم نے کیا      گر یا بہ ہنشاے بر حال ما  
 کہا کہ یہ جو روز سے اسے ہاویں      ناریم غیرا تو فریاد رس  
 یہ اتنی ہے جو رو ہمیں بڑا      کہ اتنی اس سیر گشت ہو  
 وہ بانی جو ہم نے اشار کیا      نگہ دار مارا ز راہ خطا  
 میں کتا ہوں اس سے کدے فنا      خطا در گزارو سوا ہم کنا

رتیں وہ غریبی کی شب رات بھر      کبھی مارے گھوٹے کبھی پیکا سر  
 بنایا کبھی مجھ کو اپنا پدر      تو میں نے کہا اس سے تنگ آن کہ  
 تیکر کن زینہ اسے پسر      کہ روزے ز دستش در آئی پسر

یوم - شیر محمد خاں نام ہے۔ باپڑ ضلع میرٹھ کی تحصیل میں چیرا سی میں متین  
 کلام میں فوق تخلص کرتے ہیں اور ظرافت میں یوم - بودہ پندرہ برس پہلے میں بھی ان سے  
 ملا تھا اسوقت کچھ زیادہ مشہور و معروف نہ تھے۔ مگر اس زمانہ میں ظرافت کی بدولت اچھا  
 خاصہ نام پیدا کر لیا۔ اکثر ان کی ظرافت فواہشات کی حد تک پہنچ جاتی ہے۔ چونکہ  
 خود بھی اسی قسم کے آدمی ہیں اس لئے زیادہ تر کلام کی بنا بھی اسی طرح کے انداز  
 کلام پر رکھتے ہیں۔ اب سننا ہے کہ بخواری اور عیاشی میں بھنسکر کچھ غبن وغیرہ کیا  
 اور اس کی بدولت زندانِ فرنگ کی ہوا کھا رہے ہیں۔ ان کے شعر غزل و غزلیہ کی حد  
 میں ہوتے ہیں نہایت دلچسپ اور قابلِ انتخاب ہوتے ہیں۔ مگر افسوس کہ میرے پاس  
 ان کا کلام نہ ہو سچ سکا۔ گرجہ تاش میر میں نے کوئی دقیقہ باقی نہیں رکھا مگر کٹی سوج  
 کا سیاہی نہ ہو سکی۔ اس زمانہ میں جب تذکرہ لکھا۔ باپڑ کے کئی احباب و اہل انگریز  
 نفی میں آیا۔ چند شعر مل سکے وہی درج کرتا ہوں۔ اسوقت ان کی عمر تخمیناً چالیس برس  
 کی ہوگی۔

جس زمانہ میں مہاتما گاندھی کھتر پرچار کر رہے تھے۔ اسوقت گاڑے کی قیمت  
 اچھے اچھے کپڑوں سے بھی بڑھ گئی تھی۔ اور جولاہوں نے ہر ایک کپڑے سے زیادہ نرخ  
 بڑھا دیا تھا اسی سے متاثر ہو کر قوم نے یہ نظم اور اسی قسم کے اور بہت سے شعر لکھے تھے  
 چند اشعار جو ہکول سکے لکھے جاتے ہیں۔

پہلے سے نہیں غلمس محتاج جلا  
 اب بھرنے لگے کوٹھیوں میں ناچ بولے

لیڈر تو گئے قید میں کہ ناچ کا خاطر  
 بیٹھے تیرا دبا ہوئے سیراج جولاہے

جب کہ دنیا میں خلافت کی دہائی ہو گئی  
 جھی خاصی ان جولاہوں کی کٹائی ہو گئی

ہو ترقی کی طرح ملبوس کھتر کو جلا  
 چروہ انے سیر گاڑے کی کٹائی ہو گئی

کیا کہوں شوق ہوس نہ جھکنا نہ کر دیا      کیا خبر ہے بخودی میں نے کیا کیا کر دیا  
کیا دوسرے نہ تجھے جہ کنانہ نہ کر دیا      میں نے اک بوسہ لیا اور تم نے جھٹی لکھا  
خود ہوے بدنام اور جھکو گئی رو کر دیا

کہ یاد امن پڑ کر صافیں نہ آئے آج      کس لئے رکھا ہے سر پہ مسیحا کی ستاراج  
پوچھنے کے واسطے اسے نہ تم میرا مزاج      ہو نہیں سکتا جوتے در فرقت کا علاج  
تھو کس آؤ کے بٹھے نے مسجا کر دیا

رنگینا تھا ہر بنی کیا پٹے پٹانے کیلئے      کوئی بھی آیا نہیں میرے بچانے کیلئے  
اور تو اب جان تھا سب گھر گھرانے کیلئے      صرت ترکاری نہ لایا تھا پکانے کیلئے  
مارے گھونسلوں کے مری پیوی نے بھرتا کر دیا

بھرنے دینا نہیں کیا اسے دولان سر      یہ کبھی اس شاخ پوٹھا کبھی اس شاخ پر  
دیکھو اٹھانی نہیں جاتا تخلص کل اثر      بوم کو کچھ بھی نہیں اپنے سر دبا کبھی خبر  
شاعری نے اب اسے الیکا پٹھا کر دیا

نہل رنڈی سے تو یہ قوم ہے بد      ہوا ہے بقرہ یہ مجھ کو بچہ  
اگر جوتے اسے گارد کا گارد      زمین شور سنبل بر نیارو  
درو تخم عمل ضایع مگر وال

بہشت ایک شاعر کا مجہول الاسم کا تخلص ہے۔ صرف کلام مل سکا درج

کرتا ہوں۔

دل مرا مجھ سے چھین کر بھاگا      ہت تری دم میں موت کا دھواگا

خطاؤں پر بدست کشمکش کہ تیرا تازہ ہے مری بیوی برابر ماسکرتی ہی جاتی ہے

دنیا بدل گئی ہے کھلاڑن بناؤں گا اب اپنی بیوی کو میں قنبولن بناؤں گا

کھاتے کھاتے رات دن کبھی عطا دت ہو گئی کوئی ترکار بنی نہیں بھاتی ہی بیگن کے سوا والدہ نے یہ شرافت کی مری تدبیر کی سیدوں کے پاس رہ کر جھک کر سید کر دیا

پوچھتے ہیں نام ہر بندہ کسے لوگ کہہ بھی دو اٹو کا بچا نام ہے

دی ایک چکٹ ایسی گالوں سے لبر ہو چکا وہ بھوتنی والا تو میرا بھی گرد ہو چکا

اپنی ٹوپی پہ نام لکھتا ہوں کھوڑی کا فقط بچا بسبب جس میں تھے ہم عدم میں لے بسنٹ اک بڑا وہ بھی کارخانہ ہے

وہ مری قطع دیکھ کر بولے یہ تو مسجد کا کوئی ملا ہے

جام جم میں نے بارہا دیکھا کھوڑی سے مری نہیں ملتا

چوٹیں کرتا ہوں غروب لوگوں پر پھر بھی جو تا کبھی نہیں ملتا

نہ کوئی ڈاکو نہیں اور نہ کوئی چور نہیں حرام خور نہیں ہوں حلال خور ہوں میں

کان کنز کھڑے ہی رکھتا ہوں جب سے دنیا نے گونشالی کی

پیری سب ہی پرکشش ہے اور میں اس پر کش میں مہینہ میں نکالوں اور وہ نو ماہ میں

**بیڈ صوب** - اشار علی نام ہے بدایوں کے رہنے والے ہیں شفیق قربانی کے شاگرد ہیں زوجہ زندہ دل ہیں ابھی کلام سے نو مشقی کا عالم نایاں ہے اگر کتے رہے تو شاید کسی وقت اچھا کہنے لگیں ایک مجموعہ ثقہ ظریف کے نام سے چھپ گیا ہے جس میں زیادہ تر بیڈ صوب کا اور باقی ان کے استاد بھائیوں کا کلام ہے۔ پورے مجموعہ کو پڑھ کر چند شعرا نتخاب کئے گئے ہیں۔ اگرچہ وہ بھی معمولی سے زیادہ نہیں ہیں۔

حمد خدا میں بیڈ صوب زور قلم دکھانا ایسا ہے جیسے چھپر افلاک پر چڑھانا

اک آہ آتشیں میں ڈبل کام ہو گیا ان کو بخار غیہ کو مسام ہو گیا

دوسرا جبرے کا طیہ اڑا گئے لالہ کا پیٹ کیا ہوا گو دام ہو گیا

ہن سے ڈروں گا نہ ماں سے ڈروں گا جو دانت کیسی وہ بیشک کردوں گا

نہ ہوگا اگر تم سے میرا مداوا تو میں ساتھ اپنے نہیں لے مروں گا

اگر آپ دلی جھگڑا پس نہ دیں گے تو میں آج سرتے کا دعویٰ کروں گا

اگر سخت جانی مری کام آئی تو قاتل کو بھی مار کر ہی مروں گا

گہم تھا ہوں تو یوں گناہوں کا بڑا مختار  
اگر ساس نے مان لی میری بیڈ صاحب

بس اب آئی سے خطا کا ہنجر چروں کا  
تو میں بیاد سے قبل گونا گونا کردوں گا

ہمارے بس میں ان نور کے، عیار ہوتا  
 کہ تھنا ہمارے ہوتے وہ چوکیدار ہوتا

اب کے جنم میں یہ عرب و رقص میں بنانا  
ٹھو لک بکایا کر نہ تھو لک بنانا

اس اک پر ہو غصہ نہ ہو بھی کوئی شک نہ  
تاویم دیم نہ تاویم تاویم دیم نہ تاویم

کہادہ سرتراں مجھ پر ہے ایسا کجا کجی  
 بار بار بٹھ گئے ہار کے چنگی واسے  
 عمر چالیس برس کی ہوئی ان کی لیکن  
 کوئی انسان ہے ہر کہ طاعون ہے تو  
 ایک سو دس میں گزرتا رہنے پایا  
 اسے عشرت کا گزرتا رہنے پایا  
 آجک سبز و منور وارہ ہونے پایا  
 کبھی جانبر ترا بیمار نہ ہونے پایا

یہ تھا ایک وزیرِ رسد کی حاصلِ نقد  
دارِ مال کی روشنی تو فرما لے لے

سایکل اٹھانے دی تھی اگر بیڈل تھا  
تیس کا بیڈل تھا بیڈل تھا بیڈل تھا

قحط کی عید بھی رہے تو یہ کہاں لایا گیا  
 ضعف آنتوں کو سکھاتا ہر ریاں ہونا  
 آخر وقت ہر اک چیز مراد ہی ہے  
 قابل قدر ہے آمول کاجھڑیاں ہونا  
 یہ بھی نہ نہتے گنا گت میں تو رہنا چڑت  
 اور کچھ ٹھہرے کے دن آئیں تو سہاں ہونا

قوتی میں کیسا جمہور عید کا      چنن گیا ولہ زین شہید عید کا

مفسی اسپریہ بر خور داریاں  
عس افطار اور میلہ عید کا  
ہیں یہ جے اور یہ لندن کا بوٹ  
شیخ جی ہیں یا بھٹیا عید کا  
عیش کا ٹوٹو تو لکڑی چلدا یا  
رگیا خالی طویلا عید کا

دل میں اترتے ہو کیا غیر کو اپنا کمر  
ہوش میں آؤ کر ملا کہیں میٹھا ہوگا  
دل لگانے کی مزا اب مجھے کیا دینگے  
قید ہوگی کہ ضمانت کہ چلکا ہوگا  
سو دہری کا بڑھا جب غری نقد کی سیلہ  
ہو گیا نیلام آن کے خسہ کی رو بیان کا  
تنگدستی کا یہی عالم ہا بیٹھ صبر اگر  
عید کے دن بھی مزا آجائیکا برضمان کا  
رات یہ اندھیر کیا بزم بت برتن میں تھا  
غیر تو دالان میں تھے اور کائنات میں تھا

ترقی کے زمانے میں یہاں ایسے گھٹی کیوں ہو  
خدا نا خواستہ جروہاری بے پڑھی کیوں ہو

جو نہ شوقین ہو ایسا نہیں دلبر کوئی  
پالتا ہے کوئی بلبل تو کبوتر کوئی  
جذبہ دل نے جو انہیں ٹانگہ پکڑ رکھنا  
وہ یہ سمجھے کہ ہے تپلون کے اندر کوئی  
پہلے معشوق انہیں لوگ کہا کرتے تھے  
ابو جھپٹ کوئی گستاخ مجھ سے کوئی  
بیسیوں چاہنے والوں کی نذر ت کیا ہے  
ناز انھیں اڑگے تم آنے کے چھپر کوئی

بیکس مرزا محمد تمام تھا عظیم آباد کے باشندے تھے۔ جو گوئی اور ظرافت میں یدِ طولیٰ  
حاصل تھا مگر آج دستبردِ زمانہ سے کچھ بھی نہیں بچا صرف ایک یہ رباعی ہے جو غالبؔ  
میرؔ نثارؔ اور میرؔ انصاریؔ کی ہجو میں کہی ہے اس سے ان کے زمانہ کا اندازہ کھینچے  
ظاہر میں تو ایسے ہیں کہ اشارہ اشارہ  
سب کہتے ہیں یا وہ ہوں گے اشارہ اشارہ



باطن میں جو دیکھا انھیں اتنے ہیں پوچ لا حول ولا قوۃ الا باللہ

بیگم۔ تذکرہ چمن انداز اور ماہ درخشاں میں لکھا ہے کہ ان کا نام رشک محل تھا  
پنجابن تھیں جو واجد علی شاہ آخری تاجدار اودھ کے مشاعرے میں آئیں۔ اور پھر استراغ سلطنت  
کے بعد بادشاہ کے ہمراہ کلکتہ چلی گئیں وہیں انتقال کیا۔ ریختی کہتی تھیں چند شعر جو  
تذکروں میں ملتے ہیں درج کئے جاتے ہیں۔

نہ بھجوں گے سہرا میں نکو حاتم	نہیں مجھ کو دو بھر سے کھانا تھا را
میری کنگھی چوٹی کی لیتی خسیر ہو	یہ احسان ہے سر پر دگانا تھا را
ہوا بال میکا جو مرزا ہمارا	تو پھر ننگ ہے اور شانا تھا را

گھر سے گانہ کے دکان مرزا ہمارا گئی میں یہ انگاروں پہ لٹی کہ مری جان گئی

## حرف باد فارسی

لالہ پاگل داس اور وہ بچہ کے ایک انگریز نامہ نگار تھے جن کی شہرت عالم کی  
لکھی ہوئی ایک قصیدہ چلی مجھے بھی مل گئی زبان وہی جو ہر شخص سمجھ سکے گا۔ چندہ کی مذمت  
میں غالباً یہ شعر کہنے کی رحمت فرمائی ہے۔

بچے دیکھے تھے گدا ان مسکینوں کو	چشم دل سے جو نگہ کی تھی بزدلانہ چند
شاغل و زندہ دل و رہتیہ آگاہ	بس وہی عاشق اور تھی شاہانہ چند
خدمت قوم میں صرف سدا رہتے ہیں	بچہ شہلی ہوں و یا مسکینانہ چند
ایک ان کے لیے شہنائی بجاتے ہیں	زور پوشا کے ان کو نہیں مانیہ چند
ایک چمن ماں وہ فقیر کو بنا دیتے ہیں	آسمان پر بھی نہیں ان کے سے پاکہ چند
گو کہ چھپتی کیطرت سے ہر زندہ انسانیت	اس کے رتبے کو کہاں بچہ نہ مانیہ چند
دل اٹھریں یا دلت ہر شب سوزندہ	فرک کدم سے کر دے نیا و اوانہ چند

پہری جمن نامے ایک شخص وہی کے باشندے کا تخلص تھا۔ جو سنہی کہنے میں شہسوار تھا  
شاہزادہ مرزا رحیم الدین حیات جو دلی کے ایک مشہور شاعر تھے اسے اصلاح لیتا تھا۔ تذکرہ  
گلستان سخن میں لکھا ہے کہ بوجوان ہے اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ چالیس پچاس  
بیس اور عمر ان کی شاعری کا دور دورہ ہوگا۔ کلام کہیں کیجائی صورت میں نہیں مل سکا  
تین شعر گلستان سخن میں ملے۔ اور دو سخن شعرا میں۔

دنیا کے مرد و مریے اوپر فدا ہوئے  
مجھے آشنایا راج کے سب آشتی ہوئے  
ایک کے تو مرد و مریے آگیا باز ہو وفا  
اگلے تماشین خدا جانے کین تھے  
دن کر ہی آتا تھا تجھے ماہ میاں میں  
درگر مرد و مریے کے رونے تھا ہی

شہادہ پنچا۔ ایک آندہ ابالی فقیر منش آدمی تھا۔ دہلی میں قیام تھا۔ وضع یہ تھی کہ  
کاغذ قلم دوات ہر وقت ساتھ رکھتا تھا۔ جہاں بیٹھتا تھا وہیں کچھ نہ کچھ کہہ لیا کرتا تھا نظارے  
کہ اس آوارہ گردی میں کلام کیا جمع ہوتا۔ میر حسن چونکہ ان کے معاصر تھے صرف ایک شعر  
ان کا نقل کرتے ہیں۔

دل مرا گر دلربا کے منڈلاتا ہے یہ شکر خورہ شکر چھوڑ گماں جاتا ہے

سٹینٹ۔ اربعہ اور صہبج کے ایک نامہ نگار فریضہ بدایونی تخلص ہے جو غزل میں لکھی  
ہے وہ لکھی جاتی ہے اس غزل کے لکھنے کی علت غائی خود مصنف کی زبان سے سناتا ہوں۔  
الحسنہ بدایونی اور صہبج مرحوم کے نام لکھتے ہیں۔

ڈیر پنچ۔ آجکل آپ کے جناب میں اردو شاعری پر بحث ہو رہی ہے چونکہ اینجاب بھی  
نذر ہے پہلے شاعر تھے اور پھر بھی بوقت ضرورت باز آمد بندہ بگرختہ شاعر ہو سکتے ہیں  
انذا بنی را سے زیریں سے آپ کو محروم رکھا سنت احسان فراموشی ہے۔ نیے جناب بندہ  
اور ڈاکویش ہر شے سے شیعہ اردو شاعری پر بڑا اعتراض یہ ہے کہ شاعر لکیر کے فقیر ہیں جدت  
کا مادہ نہیں۔ اعتراض کی قدر صحیح معلوم ہوتا ہے۔ ہم صرف ایک شق پر بحث کریں گے شاعروں  
نے صرف چند اعضا سے انسانی رے لئے ہیں۔ جن کا فرق اور دھال میں ڈکھڑا دیا جاتا  
ہے۔ ہم کہتے ہیں کیا خدا نے کوئی عضو بیکار بنایا ہے۔ یا کوئی عضو ایسا بنایا ہے جو اس  
عشق کو جس نے کرنا جو سر سے یہ تک غلط ہو جاتا ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ صرف دل دھگر

آنکھ سینہ پہلو زانو سب اور باقی اعضا جو شاید مادہ عشق کے قبول کرنے اور متاثر ہونے میں اُن سے زیادہ قابلیت رکھتے ہوں چھوڑ دئے جائیں۔ ہماری رائے میں سب کو درجہ بدرجہ اور رتہ برتہ یاد کرنا چاہئے۔ اس عمل درآمد کے بعد پھر ل شاعری کے اسکول والوں سے بھی صلح ہو جائے گی۔ بہر صورت ایک نئی غزل اس نئی طرز میں نذر ہے۔ یہ شے نمونہ از خردوارے بکھنا چاہئے۔ راستہ ہم نے بتا دیا۔ ہم اس شاعرانہ نگیں بیان طبع آزمائیاں کریں اور اس طرز جدید کو آسمان پر اڑا لیا جائیں۔ حق ایجاد بنام موجد پٹینٹ ہے نتیجہ امتیاز رکھنا اجازت عام ہے۔

ایسا یہ وہ غزل جو واقعی طرز جدید ہے نقل کرتا ہوں ملاحظہ ہو۔

معدہ میں آگ عشق بدستور جلتی ہے	پچھڑوں کی دھونکنی سے سینہ میں چلتی ہے
گردوں نے درد عشق میں آفت پناؤ ہے	تلی غم فراق میں ہاتھوں کو ملتی ہے
چھینک اتنی بہنے شکر خدا کا ادا کیا	اس راستے سے ناک کی حسرت نکلتی ہے
کروٹ بدل ہے ہیں شب پھر یار ہیں	آنکھوں میں از درد شور سے بندوق چلتی ہے
تارے گنا کیا ہوں پڑا چت شب فسراق	اتنی دلی کہ ریڑھ کی ہڈی اچھلتی ہے
دانوں کو دسترس نہ ہوا گوش یا تاک	سچ ہے کہ بد نصیب کی کب ال گلتی ہے
شیر و شکر تجس عشق میں یہ بھی بنا ہوئیں	آج پسلیوں میں بھی تلوار چلتی ہے
تھویر یار بہنے لگائی دماغ میں	کچھ کچھ شب فراق طبیعت بہلتی ہے
یرسات اتنی بھرد ہی گر بڑ مزاج ہے	پھر مہیش میں فساد ہے پھر ناقہ ملتی ہے

پیام - نام شرف الدین علی خان تھا۔ پیام تخلص تھا۔ اکبر آباد کے رہنے والے سراج الدین علی خان آرزو کے شاگرد تھے مقتضائے طبع اور زمانہ کے دستور کے مطابق زیادہ تر فکر سخن فارسی میں کرتے تھے۔ کبھی کبھی اردو کے شعری

کہہ لیتے تھے۔ اُن میں کہیں کہیں ظرفانہ اور نہایت شوخ مضامین قلم سے نکل جاتے  
 تھے۔ ان کے بیٹے سے میر تقی میر کی بڑی دوستی تھی۔ پیام عہد محمد شاہی کے ایک نامور  
 اور ذی وقار شاعر تھے۔ ایک دلیالہ "یہ یادگار ہے مگر ناباب ہے۔  
 دلی کے کچھ کلاہ لڑکوں نے کام عشاق کا تمام کیا  
 کوئی عاشق نطفہ نہیں آتا ٹوپی والوں نے قتل عام کیا

# حرف تار و قرشت

تبسم - مرزا علیقدر نام ہے خاندان شاہی سے ہیں حضرت ظریف لکھنوی کے شاگرد ہیں لکھنؤ کے رہنے والے ہیں مگر فی الحال کلکتہ میں مقیم ہیں اور وہیں نوٹو گرائی کی دکان ہے۔ چند شعر مل سکے جو درج کرتا ہوں۔ بقلم ان کو ایک دو مرتبہ دیکھا ہے مگر باہمی کوئی قمارت نہیں ہے۔

مر گیا جو وہ کوئی عاشقِ فاضل ہوگا	جس پر مڑا تھا وہ معشوقِ خیالی ہوگا
آدھ پتا جو سرے طائرِ دل کی آسنے	ناز اس شوخ کا شاید کوئی بلی ہوگا
کچھ قربت تو زمانہ میں ہر اک سے ہوگا	کوئی سُر کوئی سالا کوئی سدھی ہوگا
خال رخسار اڑا دیتا ہے گہوڑی حاکم	عارض اس شوخ کا بارود کی کاتی ہوگا
در غلطان شعرا و ادب کو جب کہتے ہیں	تو یقیناً دہنِ یار بھی کبھی ہوگا
غل مجائے جو کسی کو چہرِ شب کو ہر روز	سچ تو یہ ہے کہ وہ یافتہ نہیں پاسی ہوگا
بیگنا ہوں کہ وہ بکرا ہے جو قتلِ حکم	یار کا ہے کہ جو پور کا قاضی ہوگا
جس کو لے کے نہ کہتے ہیں نکو عاشق	غم نہ کہنے آسے وہ ام کی چٹنی ہوگا
کو کین سے یہ کہا کرتی تھی اگر شیریں	دب گیا اگر کہیں پتھر سے تو پتھی ہوگا
تجھ پہ ہوا بیگانہ اہلِ روزِ غم	عشق کچھ جو نہیں ہے کہ جو مخنی ہوگا
جس میں نہ دیکھ سکتی ہو نظرِ ازل	حد سے بڑھ جائے تبسم تو وہ بھی ہوگا

یاد یہ حالت ہے کہ ہر مرتبہ تبسم غم نہیں  
وہاں سوالِ دل پڑھتے ہیں وہ بھی نہیں

سرخ لہجہ کو کہیں نہ دیکھتا ہوں  
نہ لہجہ کو کہیں نہ دیکھتا ہوں

پروہ سہ پہر کے زمانہ ہر چہ لہجہ و صاحبو  
پاک پڑنے کی سبک دھولے راہ عشق  
مات اپنی میگوں کو لہجہ و صاحبو  
انڈے بچے گھر پر جا کر روگے کیا فرما  
آٹھویں ن ترک الفت روزانہ صاف ہے  
اپنے عاشق کو ذرا نو شیروان بنے تو دو  
شیر خور ہے ابھی قاتل جوان بنے تو دو  
اے بسم خون، پانچ ایک ہو جائیگا پھر

تیسرے شخص کا قصہ ہے، مرزا محمد اسے بھیل نام تھا مرزا جان کے نام سے معروف و مشہور تھے۔ ایک  
آباد چاند بخارا کے رہنے والے تھے۔ بگرام کی دولت خاں شاہ جمال آباد دہلی میں ہوئی۔  
کبھی کبھی شہرہ ظرافت کی طرف بھی توجہ کرتے تھے۔ میر درد کے خاص شاگردوں میں تھے۔  
شہرہ تک بخیر و عافیت بگایا، میر موجود تھے، اور کہ متند کرتا تھا۔ بہادر افشار شہرہ الہیان  
شہرہ الامثال انکی تصنیف میں۔ اگرچہ ان کی ظرافت اس حد پر نہیں پہنچے کہ اس کو محض ظرافت  
کہا جاسکے مگر شہرہ مذاقوں کے لئے ایک اچھی چیز ہے۔

مرک سر کے پانگ پر چل چل جا  
ہی ارا تو ہیں بھ اگر کہتواریت  
نہ تیخ چل سکی مجھ پر تو منغل ہو کر  
لگایہ کہنے کہی اسکے ہی ہندو تھویند  
میں نے کہا کہ رکھتے ہوں کچھ تمہیں  
کہنے لگا کہ سمجھے میں جو التماس ہے  
عفتہ اٹھا اٹھا کے یونہی بار بار کا  
ابدل مزاج کرنے بگھاڑا ہے یا کہو

تجلی منشی سید منتخب الدین، پلوی۔ آپ کا ظریفانہ ایک شعر مل سکا۔  
شیخ کل میکرے میں بیٹھا تھا  
اوی کیا تھا اک تماشا تھا

نہیں تھے۔ میرزا حسین نے ان کے عروت سے معذرت مانگ لی۔  
 بھانجے تھے۔ بیگم کے باغ واقع چاندنی چوک دہلی میں سکونت رکھتے تھے مصنف سخن شعرا  
 اور گلشن بہار۔ دمنخانہ جاوید سب اس بات پر متفق ہیں کہ یہ نہایت نظربینہ نگارہ سہجہ تھے  
 مگر انہوں نے کسی نے وہ کلام نقل نہیں کیا۔ جو افسردہ دلوں کے لئے کشت زعفران اور  
 نقل فصل بجاتا پھر بھی جو کلام تذکروں میں ملتا ہے اس میں سے جب انتخاب کیا جاتا ہے  
 تو کچھ کلام ایسا ملتا ہے جس سے ہلکی ہلکی ظرافت کا پتہ چلتا ہے۔ وہی درج کرتا ہوں  
 سب سے زیادہ تعجب یہ ہے کہ میر تقی نے اپنے تذکرہ حکایت الشعراء میں ان کا کہیں ذکر  
 نہیں کیا۔ انتخاب کلام یہ ہے۔

مجھے کہتے ہیں کہ میرزا نے اسے تو دیکھا ہو گا  
 ہو اگست اب ایسا کہ کچھ خطرہ نہیں رہتا  
 اکیں اسکے پاؤں تک صبر بے آرزو پہنچا  
 کبھو چھاتی کپڑا ہے کبھو بازو کبھو پیر پنا

کر گئے شکوہ کو موتوں مبالغہ بن چپہ  
 میں بھی بولوں گا تو ناحق زخماں ہے گا  
 ہنگامیں غدا نے دیکھنے کو دی ہیں یہ بچاؤ  
 دیکھا تری بطن کو کسی نے تو کیا بوا

تصویر۔ ذی الدولہ میر تصور علی داروغہ خلع میر صفدر علی خاں باشندہ ہمارے  
 کا تخلص تھا۔ آپ ترصہ تک لکھتے ہیں بھی مقیم رہے ترتیب تذکرہ سخن شعرا کے وقت  
 میں زندہ تھے۔ مولوی عبدالغفور صاحب نسا نے لکھا ہے کہ ان کا ایک دیوان بھتی  
 رہا ہے۔ مگر انہوں نے کہ باوجود تلاش مجھے نہ مل سکا اسی لئے کلام کے لکھنے سے  
 معذوری ہے۔

شکین۔ مولوی غلام بتول خاں صدرا میں ضلع میر جھوم خلع مولوی غلام رحمت خاں



متخلص چھین پتھن تھا۔ مولوی عبدالغفور نساج مصنف تذکرہ سخن شعرا کے دوست تھے  
مولانا سے مرحوم نے لکھا ہے کہ بیشتر ریختی کہتے تھے مگر انہوں نے کہ کچھ نیا نہ آجی کچھ کام نیا نقل  
نہیں کیا۔ تجھے صرف ایک شعر مل سکا ششہ میں دیباہ فانی سے رفعت ہوئے۔  
جو کہنے ہر جانی یہ مردوسے ہیں کوئی فرق یوں ان کے غزلے اٹھائے

تونی ایران کی ایک مخدرہ عصمت مآب کا تخلص ہے۔ مرزا کمال الدین بھرقزونی  
کی شاگرد تھی نظریہ تھی اور کبھی کبھی تھن طبع کے طریق پر کچھ ظریفانہ شعر کہتی تھی۔ اگرچہ  
کلام مل نہیں سکا۔ مگر تذکرہ اختر تاباں سے ایک رباعی جو واقعہ طبعی نقل کرنا ہوں۔  
واقعہ یہ ہے کہ ان کے شوہر ایک ایرانی مذاق کے بزرگ تھے تونی بیچاری ان کی اس  
غیر فطری حرکت سے باخبر تھی بہت کچھ سمجھاتی تھی مگر انہیں کوئی اثر نہ ہوا آخر عاجز ہو کر ان کو یہ  
رباعی لکھ بیچی۔

آن شوخ کہ بہت حسن عالمگیرش یارب چہ شود شبے بخوابم زیرش  
اسے خواجہ بیامان کو صلح کینم تو باکوانش بسازد من باکیرش

تونی آتوں۔ ملا بقالی کی جو ایک مشہور و معروف شاعر تھی بیوی تھی  
میر نظام الدین علی شیر کے زمانہ میں زندہ تھے۔ نہایت خوش مزاج تھی شوہر اور بیوی میں  
اکثر مطاردہ ہوا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ ان کے شوہر نے یہ رباعی کہی۔

یاراں ستم پیرہ نے کشت مرا کاواک شدہ چنے از دشت مرا  
گر پشت بسوے او دے خواب کیم بیدار کند بضر ب انگشت مرا  
تونی آتوں نے جواب میں یہ لکھا۔  
بم خوابی مست گئے کشت مرا روزے نبود از دشت مرا

قوت نہ چنانکہ پاؤں اندر برداشت  
 بہت درد انگشتوں سے کرتا ہوں مرا  
 خواہر العجائب میں بجائے اس کے یہ رہاٹی ہے -  
 ملامتہ ناز و غمزہ انگشت مرا  
 شہما ہمہ پشت سے من خواب کنی  
 مچھلنے والی طعنہ بانگشت مرا  
 بگزار کہہ اگر گرفت از پشت مرا

## سحر خیز شاعر

ٹیسری۔ کوئی نظافت آب شاعر ہر جگہ نام اور حال معلوم نہیں یہ تین شعر  
اُن کی طبع و قاعد کے دریاے ناپیدا کنار سے نکلے ہیں جو ہر پتہ پیش کرتا ہوں۔  
جب وہ آتے ہیں میں رو دیتا ہوں جب وہ جاتے ہیں میں نہیں پڑتا ہوں  
غیر سے رہتی ہے الفت ٹھک کو اور اپنوں سے سدا ڈرتا ہوں

تری فرقت میں اذ عالم مری کسیہ چلتی ہے مگر خوں میں نہانے کی یہی تدبیر چلتی ہے

ٹریڈ مارک۔ اودھ پنج سابق کے ایک نامہ نگار کا فرضی اور عارضی تخلص  
ہے۔ موجود پینٹ کی غزل پر خمسہ کہا ہے۔ اور خمسہ کی پیشانی پر یہ دلچسپ عبارت درج  
کی ہے۔

پنج۔ آداب عرض جناب من۔ دنیا اور اُسکی مضامین بھڑیا ہر سان الٹی کھو پڑی  
کی خلوق نے ناک کھاتے کھاتے کان میں دم کر دیا ہے۔ جب ہمیں خدا نظر موزوں طبع  
بصیر دے گا۔ تو شعر کا مذاق ابقا سے حیات کیوں چھوٹے گا۔ رہا جھکڑا کہ اُدوسے مہنی  
میں شاعری کیجادے یا حال مستقبل میں۔ ہم ہانکے پکارے کہتے ہیں کہ کئی پشت سے ہم  
اس کے دلدار رہیں اور شعر کہتے ہیں۔ یہ شل مشہور ہے کہ کہنے والے کی زبان نہیں مڑتی  
دور کیوں جاسیے ہمارے عنایت فرما موجود پینٹ کو ملاحظہ کر لیجے کیا غزل بے بدل لکھی  
ہے جسکا ایک ایک شعر اوندھی کھوپڑی کے خیالات کے دوگوں کے واسطے نہایت لطیف

ایرغناں سمجھنا چاہئے۔ ماضی کی شاعری سے تجاویز کر کے  
 حال کی شاعری میں حضرت موجد موصوف نے ثابت کر دیا کہ ہمیں شعر کہنا آتا ہے۔ اور  
 اس سے بھی اگر ان صاحبوں کی تسلی نہ ہو تو بشرطہ نواسہ استقبال شاعری بھی ہم کر سکتے  
 ہیں۔ اگر صحت و سلامتی و مسازہت تو کسی آئندہ نبر میں ہے۔ درخواست بھی شاید کوئی حصہ  
 نظم نذر ناظرین کر دیں۔ میں موجود پینٹ کے کلام کو نہایت عزت کی نظر سے دیکھتا ہوں اور  
 سائید میں حاشیہ لگا کر دوبارہ ناظرین کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔ دوسری پیشیت  
 سے یقین ہے کہ آتش حسد سے کوئلہ کی طرح جل کر خاک ہو جائیں گے غزل بے بدل پر  
 حاشیہ لا جواب یعنی خمسہ و نڈاں شکن یہ ہے۔

شہرگ یہ دہم مری گردن سلجی ہے      دیوانگی کی نہر شب روزا ملجی ہے  
 گئی میں جو چڑی وہ محبت نکلتی ہے      معدے میں آگ غشی یہ تیر جلتی ہے  
 پیچھے پڑوں کی دیونگی سے سینہ میں جلتی ہے

شخص نہیں در رہ گیا خاک اٹلی ہے      اڑی ہے پاش پاش بیانی کمانی ہے  
 ہر زخروں میں کہ مہر مہر بائی ہے      گردوں نے در عشق میں آفت بجائی ہے  
 تہی غم فراق میں ہاتھوں کو ملتی ہے

بگڑا پی ایک تیرا چہرہ ناگہرا      بخت سے کانچے جما ہی کیا گلا  
 اچھو ہوا تو سمجھے کہ نازل ہوئی بلا      چھینک آئی بنے شکر نہ اکا اکیا  
 اس راستے سے ناک کی حسرت نکلتی ہے

صبح شب فراق میں اندر کی ماریں      ہے دو پہر تو اٹ ہے بی بی بجا مریں  
 الہدعا کہ شام ہوئی انتظار میں      کہوٹ بدل رہے ہر شب ہر یار میں  
 آنکھوں میں زور شور سے بند ہو چلتی ہے

یہ رات کا حال ہے سو سو ساگر حلق      یہ حسن اتفاق ہے یا سوئے اتفاق

آیا جو چارہ گرتا یا مجھے مراقب تارے گنا کیا ہوں پڑا پتہ نہ خالق

اتنی دہائی کہ ریڑھ کی ہڈی اٹھ جلتی ہے

خاک کا شمار کیا کہ دئے ہنسنے تار تک قرم بھی بھیجے ایک سے تیر تک ہزار تک

لٹانا نہ تھا ملانہ اُنھیں گھر میں بار تک دانوں کا دسترس نہوا گوش باز تک

سچ ہے کہ بد نصیب کی کب ال گلتی ہے

بیار غم کی حائیر کیا کیا تھیں کیا ہوئیں وہ رو تھیں جو پہلے تھیں ساری ہوا ہوئیں

جل جل کے ہڈیاں مری جنگ آنا ہوئیں غیر و شکر تھیں عشق میں یہ بھی بلا ہوئیں

لو آج پسلیوں میں بھی تلوا چلتی ہے

زلفوں میں جو سیاہی جو ساری ہڈیوں میں جو رنگ تیرے مسہ میں وہ دیکھتا ہے تیر

یہ اچھی سوچ جو عقل کے روشن چراغ ہیں تصویر یا رہنے لگائی دماغ میں

کچھ کچھ شب فراق طبیعت بہلتی ہے

سردی سے جو زکام برابر ملاج ہو گری میں جو بخار خنک احتیاج ہے

اچھا تو اپنا حال نہ کل تھا نہ آج ہے برسات آئی پھر وہی گڑ بڑ ملاج ہو

پھر سپٹ میں فساد ہے پھر نان ٹلتی ہے

**ٹیسو پر شاو** - اودھ پرچ سابق کے کوئی ظریف شاعر ہیں جن کی ایک نظم

(ہندوستان بچا بچو کہ مگنا ٹیسو) کے عنوان سے مل سکی چونکہ نہایت ظریفانہ رنگ ہیں

لکھی گئی ہے مذاق کش کرتا ہوں - ہندوستان کی مفلسی اور ضرورت کی نہ بردستیوں کی

ایک تصویر ہے -

بازاری لڑکے آئے آئے جم جم آئے پرچ دو درے ٹیسو آئے

پرچ بادل کہاں ہیں آئیں ہماری امج گرج سن جائیں

خج      اتنا کیوں چلاتے ہیں      کہتے ہیں بھی آتے ہیں

ٹیسو      آج بات یہ ہم نے ٹھانی      لاہر ہوئی ہرکایا مانی  
تینک تینک ہم بات تکی بے      رتی رتی حال سٹی بے

ہندوستان      ٹیسو سا راہت شامس      گھر مے بھیک رنگا شمس  
بھگتنگی مان غمر گنواوا      آدمی دھڑی جو ہم پاپاوا  
ایس بچک پڑا کچر آن      چند مچھین لاس جا پان  
کہہ کہاں سے اب ہم لائی      دوسرے کی جو لگی بھائی  
جھنجھی کوڑی گھر مان لاپیں      کہہ کہہ کی کیر سنائیں

ضرورت      کدو بہت دشویر چائیں      اور کسی کے دوارے جائیں  
اور کسی سے بات بنائیں      جہاں سے بنے دہاں سے لائیں

ہندوستان      پنج بہادر سننے ہو      سننے ہو بھی سننے ہو

بازاری درکے      پنج بہادر چیتے ہیں      دیتے ہیں بھی دیتے ہیں

ٹیسو      جھنجھیا ہمری ٹری کھائی      جہا بیٹی بی بی رانی  
راتی غرہ کرتی ہے      بن مارے وہ مرقی ہے  
جو کوئی دوارے جاتا ہے      ٹیسو کو وہ سمجھاتا ہے

راجہ سبکی مستجابہ      روتا ہے اور کہتا ہے  
عقل گمان بھی کچھ ہری      کہو تو جوٹے کچھ کھری

بازاری بچے      کنیلو کو دو جانے دو      مرقی ہے مہ جانے دو

ضرورت      پنج دوارے سے کا لالو      سچی کسج کمر کا پالو

ہندوستان      ہر کا ملی نہیں اک پائی      کا جھوٹے لیکھا تھائی

ضرورت      اچھا اچھا دیکھیں گے      دیکھیں گے بھر دیکھیں گے

ہندوستان      اے بدینا ہم کا گن کینا      ہر سے کرم ماں کا لکھنا  
یا ہی دیکھا کرم کا لکھا      دے یہ بھینڈا بھی دیکھ دیکھا

## حرفِ نکستہ

شریاء جمعیت علی نام تھا۔ بھر ضلع رہتک کے رہنے والے تھے۔ غدر سے پہلے  
 زندہ تھے۔ مرد خوش وضع سپاہی مینہ تھے۔ جس زمانہ میں جان صاحب کے  
 کلام کا شہرہ اکثاف ہند میں پھیلا اسی زمانہ میں ان کو شعر گوئی کا شوق ہوا  
 رفتہ رفتہ طبیعت کا میلان ریختی کی طرف ہو گیا اور چند ہی روز میں  
 بہت کچھ کہہ ڈالا۔ اب کلام نایاب ہے۔ یہ چند شعر مل سکے جو درج کئے  
 جاتے ہیں۔

کننگھی چوئی مئی اور سرے کی کس کو دہن نہیں

اے بوا اب کنواریوں میں کنواریوں کے گن نہیں

مچھ پنختی کو جلاتی ہے سدا وہ جیسے	میری سوتن کے گئی اونچی آگے آگے
دن گزارا تھا جہاں شکر بکھی بچا پڑی	ہانپتے کانپتے کیوں رات کو بھاگے آگے
شام سے سو ہے نھر پھرے موندل کی طرح	آئے تو گھر میں گئی رات کے جاگے آگے

دل میں یہ سوچنا لاڈ تو زمانہ کیس	کنواریاں خود تو بسا تی بنیں غم کیس
نن کو اتار دے آجائیں وہ گھر ہے ان کا	بھگا کیا کام ہے جاسے مری پزار کیس
آج کل کنواریاں بکری بکری جھٹکی ہیں	شگنی ہوتے ہی کیس کرتی ہیں اقر کیس
دن کو ہر کام ہو کیوں تو گھنٹی بجی پھر ماما	رات بھر جاگی نہیں ہے جو یہ داکیس



نہاں ہے تیرا کشتی بہرہ چننیں نہ کر  
تیرا جوتی سے تیرا جو وہ بہرہ جاتی ہے  
تیرا بخت نہ تیرا بخت نہ تیرا بخت نہ تیرا  
دھوٹے دھوٹے تو بکھی کوئی اور چلا گئیں

عمر بھر سسرال میں جلنا پڑا ناشاد کو  
بار بکھی کو مرے موت آئے اس دالو کو

سوتیلیں جو مرا غم کرتی ہیں  
مرے چوٹے پہ کرم کرتی ہیں

## حرفِ صمیمی

جان - میرا بڑا علی نام تھا۔ میرا من لکھنؤ کی کبھی بیٹھے تھے اور ذاب عاشق علی خاں لکھنؤ کی کے شاگرد تھے۔ اگرچہ وطن لکھنؤ تھا۔ مگر سبب فکر معاش آخر میں متوسلین درباری میں ملازم ہو کر رام پور میں جا رہے تھے نہایت خلیق زندہ دل خستہ پیشانی۔ مرغیاں مرغ آدمی تھے جب تک لکھنؤ میں رہے مگر وہ اکثر میں مبتلا رہے آخر ۱۸۵۷ء میں مجبوراً ترک وطن کر کے روزگار کی فکریں والی گئے۔ مگر یہاں بھی کامیابی نہ ہوئی۔ پھر کھوپال گئے مگر یہاں بھی بے نصیبی ساتھ رہے۔ آخر آزادانہ کی کشش اور ذاب کھلے باطن اور مرحوم کی قربانی رام پور میں آئی اور یہیں مستقلاً رہنے لگے۔ تا ایک سال ۱۸۵۹ء میں ۶۳ برس کی عمر پا کر پیوند خاک ہو گئے۔

جان مرحوم نے ابتدا ہی سے ریختی گوئی کی مشق کی تھی پھر اس صنف خاص کے لئے کسی دوسری صنف سخن میں کوئی شعر نہیں لایا جاتا۔

آزاد مرحوم نے انجیات میں لکھا ہے کہ رنگین اور انشا اس کے مدد پر تھے۔ یہ قول کچھ صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ اس لئے کہ ریختی کا پتر اس سے بہت پہلے زمانہ میں چلتا ہے۔ ہاشمی جو دکن کا رہنے والا مادرِ زاد اندھا تھا۔ وہ اس کا موجد ہر اسکا انتقال ۱۱۰۹ھ میں ہوا آصفی مکتب پوری نے دو شعر ریختی کے اپنے تذکرہ شعراء دکن میں ہاشمی کے نام سے نقل کئے ہیں۔ مولانا آزاد نے غالباً تذکرہ مرزا قادر بخش صاحب میں یہ عبارت دیکھی ”زبانِ اردو میں اول ریختی کا رواج انتشار اللہ خاں انشا نے دیا۔ اور اس کے بعد سعادت یار خاں رنگین نے خواہ اس سبب سے کہ ان کی طبیعت کو خود اس صنف کلام کی طرف انقیاد تھا

شفا کر لیا۔ اس کے بعد ان کو معلوم ہوا کہ گناہ خود سیدنا شاونے درپس لطافت میں  
 سعادت یا رفاں رنگین کو رنجی کا موجب قرار دیا ہے۔ لہذا بطریق مسامتہ دونوں کو  
 رنجی کا موجب قرار دیا۔ اس طرح تذکرہ مہر جہاں تاب میں بھی انشا ہی کو رنجی کا موجب  
 بتایا گیا ہے مگر یہ اقوال ایسے ہی ہیں جیسے دلی دکنی کو انھوں نے رنجتہ کا موجب قرار دیا تھا  
 اور اب پایہ تحقیق اس سے بہت آگے بڑھ گیا ہے۔ بہر حال ہاشمی سے رنجی کی ابتدا ہونی  
 اگرچہ سٹے سٹے نشانات اور جگہ بھی پائے جاتے ہیں چنانچہ خزینۃ العلوم فی تعلقات النظم  
 میں لکھا ہے کہ اس فن کا موجب رحیم معاصرہ دہلی ہے اور اس کے کچھ شعر بھی لکھے  
 ہیں مگر میرے نزدیک وہ کچھ اور ہیں شعر یہ ہیں۔

مٹھا کر ہو کو جگ میں کسی نے ذوق بایا ہو  
 مہر جہاں تاب میں اپنے سخن کو کیوں مٹھایا ہو  
 سکھی کورات سہی ہے پیار سے جو بھایا ہو  
 بعض شخصیت امیر خسرو دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کو بھی موجب قرار دیا ہے۔ لیکن بحرِ بحر  
 کے ہماری راے میں دوسرے کو رنجی کو گنہگار سرسبز یاد دہی ہے۔ مولانا عبد السلام صاحب دہلی  
 نے شراوند میں اسکی بابت کافی تحقیق کی ہے ان کی بھی ہی راے ہے غرض پختہ یکہ منہ سخن  
 مٹھی جو رہندہ سے چلی آ رہی تھی یہ راہ صاحب نے اس میں منشی کی اور قبول بعض تذکرہ نویسوں کے  
 اسکو تکمیل کو پہنچایا۔ مگر تارے نزدیک ان کی پختگی میں آورد سے بہت زیادہ کام لیا گیا ہے۔  
 اور اسی وجہ سے رنگین اور انشا کی ہی روانی اور بے کلگی انہیں باقی نہیں رہی۔ ملاقات فیض  
 نے لکھنؤ کی شاعری کے دفتر کے پیکار کر رہے ہیں ان کے یہاں بھی موجود ہیں۔ اور بعض جگہ اسقدر  
 بے مزہ ہیں کہ پڑھنے کو جی نہیں چاہتا۔ ان کے کلام میں فواحشات کا کچھ زور شور سے ہی وجہ تھی  
 کہ غرض تک ان کا بیان چھپا قاذور گندہ ہو گیا تھا۔ مگر اب بعض لوگوں نے محنت کر کے اسکا  
 انتخاب کر کے کاسے نکال دیے اور پھول چیں لئے یہاں اس انتخاب کو چھپایا ہے سنا ہے کہ

جان صاحب محل مشاعرہ میں بالکل زنانہ لباس پہنکر جاتے تھے اور اس انداز سے پڑھتے تھے کہ سننے والے ہنستے ہنستے لوٹ جاتے تھے اس میں شک نہیں کہ باوجود آواز اور آہنگ کے ان کے یہاں بیگماتی زبان - لکھنؤ کے - دزمہ شہر یعنی کلام عورتوں کے محاورات - رسوم و رواج کا اس قدر ذکر ہے کہ متقدمین میں کسی کے یہاں بھی نہیں - میں نے ان کے کلام کو اول سے آخر تک متد مرتبہ دیکھا اس مرتبہ بھی انتخاب کے لئے پورا دیوان دیکھنا پڑا -

ہمسائی میرے سر کی قسم آؤ ضرور کوٹھ اکروں گی جمہ کو سید جلال کا

بھستی کسی چراغ ہے بیٹے کی بھر بھر میں  
یہ رات پڑھوں کے ہوا بچہ اتفاق  
خمر کی جب کٹوری میں جگنو نظر پڑا  
کہنے میں بیگم کے دو ہا جو کفر پڑا  
جس مرد سے کہے پیچھے مر گھر ہوا خراب  
برسوں کے بعد پھر وہی آؤ نظر پڑا

لگا بیٹھا برس جس کے یہ عربیت نہ لگتے ہیں  
وہ دل درگوزیناں کے کبھی جو نام الفت کا  
کہیں مشاطہ کہ پیغام اب بھر می کی نسبت کا  
کسی دشمن کے دشمن کو نہ ہو آزاد یا بہت کا  
دہ تھے استاد ان سے جان صاحب جھک کر کیا  
کلوڑنی پر مڑتا ہے الفت اس کی لیش پر  
قاضی کے گھر میں کیوں نہ ہو چاند لڑکا  
پڑ جاے اس کے حلق میں پھنڈا شراب کا  
چال وہ مجھ سے ٹیکے گزری نہ کیونکر چلتا  
تیر ہواں حساب کو یہ چاند ہے شوال کا  
جاؤں سیکے مجھے ننگا دوسواری مرزا  
کتنا پہنوں گی ابھی گوشت کناری مرزا  
کل سر پر چڑھا آج نگوڑا اتر آیا  
بکنا تھا کچا تھا وہ جن اس پر نچا نم

نہ چھینکا ڈھیلانہ کھٹکا راجپ چلے آئے  
 خنصر کا مال تو جی بار کو کھلا رنڈی  
 گرگٹ کی طرح کا لکجی لال ہو گیا  
 بیگیا اچھا نہیں بڑھنا نیکے ہال کا  
 آرزو بندی کی خالو یہ بڑا میرا دوست  
 خالی کے ہینہ تر او قاتل نہیں رہتا  
 کھلے پیچھی بھڑکیں کھانے کی حقیقت  
 کیا ڈرتی ہو ماموں سے محرم میں بھی ڈر گیا  
 اک پیٹ ہے ہکو تو سو فطریہ میں پل  
 حُسن جاتا ہے پچھائیوں کا روپ ہے  
 اگر باد نہیں آتا ملا کر دیکھ لو صاحب  
 خدا دکھائے نہ پیرو کی آج کا صدمہ  
 کیوں نہ جاتے سے میرا بہن بھلا ہنڈی  
 کوڑھو ان چھاتیوں سے چٹکے آتے جو پہنے  
 اب بھلی مانیں کیا پس جو یہ ہسٹائیں  
 چٹکے رہتے میں تھا صدمہ کام  
 خدا نے پدمی کو تو میری ان کی کراہیا  
 تھ اس بہادر می بہ بنا مردوا ہو گیا  
 تصویر ان کی دیکھ کے اندر جھل پڑے  
 باجی وراث کا چہرہ وہ ہی کھٹکا نکلا  
 ہر نہیں تر ہے مری ہستائی کے پتے ہی نہیں  
 کسی کے گھر میں کوئی بے خطر نہیں آتا  
 ہمیں تو لاکھ کا گھر خاک کر نہیں آتا  
 غصہ سے مردے کا غیب حال ہو گیا  
 راکھل کے نوچ یا زور لگا ہڑال کا  
 کھائے پھل تلوار کا اور پھول تو گٹھال کا  
 درگور حرسے پاس رنڈا نہیں رہتا  
 سر پر جو کئی چاہنے والا نہیں رہتا  
 مریاوت تریہ چوٹیں کلا نہیں رہتا  
 مردوں پر تو کوئی بھی کسلا نہیں رہتا  
 صدمے اس عقل کے جس نے یہ بتائی انگیا  
 مری ناز گیل سے آپ کا بہنہ کیلا  
 یہ وہ جلا پاتے ہرگز سہا نہیں جاتا  
 اُدھری دوبا بگڑھٹک آئی انگیا  
 میں تو کوسوں کی مری جسے چرائی انگیا  
 اپنی جڑ و گھر سے کھنڈر قندار انگیا  
 ایک دو بولوں میں حسد لال ہوا  
 بڑا ہر ایک سے رتبہ نیکوں سمجھیں چار اپنا  
 جھوڑا پڑا قہ میں نے ترا جی رہ گیا  
 بچہ ہی تھا کھلونے پہ آخر چل گیا  
 کوئی لگ بھولے کا پھر سوت کا چرچا نکلا  
 چاند کے پٹ میں فرشتہ تیار نکلا

جان صاحب تیرے رات کو فاقہ کے گھر  
 کہے میں دینی ہوں ڈونڈ نہ تیرے گھر کی لڑائی  
 میں پاس جیتے تیرے باپ کے گھر میں تیرے  
 رہنے کی جگہ میں اپنے جاکر اس گھر میں رہا  
 کھانا چاکے خوب نہیں مانے پان کا  
 محرم نکال چن تیرے پر پھینکی ہے نئی  
 کس کو سمجھاؤں غزنی ہے مری ہو لڑائی  
 اسے بوا چتر کدل ہے اس گھر میں رہا  
 پیسا تھا پاس رہتے تھے ہر آن امشب  
 کرتا رہ دندہ تو تیری دھوکے دھڑکی کا  
 جو ٹیڑھی مری کھائی ہری پان کا بیڑ  
 تاک کر لائے میں مٹاؤنگی بس وہ لڑائی  
 نامرد ہے نہ بدعت اب تک خبر پڑا  
 سوکھ سوکھ گورا گورا  
 کھل جھگڑا ہوا تو حال ان چڑیوں کی جو جھگڑا  
 لگتی ہے نہ کو سا کسی کل جھبی کو کھانا  
 جو شرم ہے نورا کہتی ہیں اس کے قریب  
 دن بلی کو کھڑی لگے بلی دکھا ہوتا  
 تم اگر دو گئے نہ تن بیت کو مٹی کھڑا  
 بچی کے واسطے جو کھلونے لٹکائے ہیں  
 مجھے نفرت ہے صبر سے لڑنے کا جان کجا

مجھ بھتی نے عبت عیش سرور ادا کیا  
 ہوا اگر میں نہ دیکھتا کہ سب بڑا شمار  
 کیا غصہ کیا بت نہ جانتا لیکر مرا چکار  
 یہاں سے نہ نکلی بولی تھوڑے کے گھر میں  
 منہ کی کہیں کا لڑے نہ چسکا زبان کا  
 اگلیا غداں جوڑا ہے یہ غداں کا  
 بھائی پر نہ دیتا چلتا نہ ختم ہوا پیا  
 جو کھٹکے گھر میں خان کے دروازے کا  
 یاد دور دور کرتے ہیں اسے جان آشتا  
 ناز بگڑا تو میرا اب ایک گھڑی کا  
 منجلی کو دیکھتی کا نہ تپ بیاد بڑی کا  
 دشمنوں کا کہے کیا کر گرا بال بھا  
 قربان اس جہاں کے با سال بھر ہوا  
 کھلو کا گھر والا ہو گیا  
 ہر اک عاشق کو دیتی ہیں یہ پرسانے خبر کا  
 ہونا اسے مشہور ہلا کو نہیں اچھا  
 چڑیا اڑاں کر دے بھگو ثواب ہو گیا  
 ٹھنڈا کر کے گا بھجے ادھی جلا نا میرا  
 کیا خدا کے بھی نہیں گھر میں کھانا میرا  
 گھروالا گھر کو کتا ہوتا نہ ہو گیا  
 وہ اس کی شکل کیا بولے با قربان کی صبر

صبح کو دیکھا سب سے پہلے اسی کا مرنے  
 تیسرے دن میں جاتے ہیں کسی کے گھر سے  
 جو دال دلیہ ہو دسے سر فچے دکھائیں  
 نشتر بن ڈی کے جو رو کر مارا بھڑوسے نے  
 جیتے جی بندری کو اٹھ دکھائے سہرا  
 ریح میں کہتی ہوں نبی بخش برا ہے دلاؤ  
 قبر میں روح کو صدمہ مری ہو گا مرزا  
 کارڈا نہیں ذرا کہ یہ کہہ نظر آیا  
 رنگیں کی ریختی ہے سخن میرا رختہ  
 جھجھ میں باجی ایک سلسلہ میں رہا کر  
 دواہ شب برات میں مردوں کا فاتحہ  
 دیکھ دو خاکوں میں تندو کہ یہ کہہ گویا  
 کچھ جی رہی کو چھوڑ بیٹھے سنا ہی نہی کو گھر میں  
 کریں وہ جو ترقی اتنا کیجئے کہ گھر میں نہی ہو  
 لگاں سو سو نے ابھی یہ کہ جیسے بڑے تھے نہی بھڑ  
 جانے نہی ہٹھ نہی بیٹوں رہی سب کچھ نہی  
 نصیب یہ کہ اگر ہے میرا کچھ نہی کا کٹا لکھ  
 پوئیں بڑھیا چوڑاؤں کے گھٹے کا ٹیڑا  
 سوت سے گا لیاں نہ کھلاستے  
 کیا زمانہ یہ ہے اچھی نہی

خبر یہ کائے خدا آج کا دن اچلی رات  
 اور راجا ہوا آج کا دن اچلی رات  
 بھائی کو بھائی کیا ہو گا کی کی احتیاج  
 مکل بھی مری کی کی اک کٹا میں روح  
 جھٹکوا کیا لوگو جو گھر اسکا بسا میرے بعد  
 رکھے غم نہی رہے پھر کی زامیر سے بعد  
 سوت بچو نہی اگر وہ گھر نہی رہا  
 بچہ تم پہلے جنیں بیاہو اس سے بعد  
 فتنے کو فتنہ کون نواے باجی تو پر  
 یہ حال اس کے گھر کے نظر آئے نہی پر  
 لوٹے گھر سے بچیں نہی شگے نہی رہے  
 نیا تو فی وطن جو گئی اچھی تو چار دن حیا کر  
 بنا یا صاحب امام بادشاہ کی سچ کو تم نے ڈھا کر  
 کروٹا پیر نے بڑا ٹوٹا لکھو نہی ایسے بابا نہی  
 کہیں نہی ایسے نہی بھڑ نہی آئی ہے باجی کا  
 ہلا نہی نہی نہی نہی اس نے اراجلا جلا کر  
 وہ ٹکڑا نہی نہی نہی نہی نہی نہی نہی نہی  
 اب بھی نہی نہی نہی نہی نہی نہی نہی نہی  
 حکم نہی نہی نہی نہی نہی نہی نہی نہی  
 کوئی نہی نہی نہی نہی نہی نہی نہی نہی

سوت کی جھپٹی دکھائی باغ دنیا سے چلی  
دل میں میرے رو گئے افسوس یہ رات دو  
بھسکار کے منہ پر ہستی ہے چل رہے  
منہ اپنا دیکھ مردے منگو اکرا آئینہ  
مسجد کا طاق بھرنے ٹکڑی چلے گی گب  
کیا فرض ہو دو گانے کو کرنا سنگھار کچھ  
خوب گن سکے کواری کھیل کر جوش کے ساتھ  
رات کو مٹی علی اندر میری سون کے ساتھ

دوسری مجھ سی ٹے صدر میر جھپٹا پڑا  
میں بھی برباد ہوئی اس منہ پر نہ ہو کچھ  
شمع افروزی کی جھپٹا تو بھر بھیتی کہوں  
تیل پانی کے کنول آج ہیں روشن دیکھے  
یہ در نہ دیکھ رہا ہے سوچو بڑے محافل  
دو چار بڑے اپنے ہول دو چار بھٹکے  
ڈرگے کیوں کر نہ ان و نون کی جھپٹا ہے  
ریختہ پڑے کے پڑے ہیں سنگھارے ہوا  
تانبے کا تار لانا نہ اکدن ہوا نصیب  
جان صاحب کی اجی و کو حواقت ہو گئی  
حلوئی کی کن کن کی بھیتی کیوں کہوں  
سونے کا بے لگے مرا زور اتار کے  
کیا ہو گا گل بڑا کیا ہے موا ہمار  
دزرت آسمان بھٹائی کا حال ہے  
کھلوانہ ٹوڑیں ہوئے دل در پر مجھے  
میں بات بات ہول ہے اگر ڈال ان ہے  
باغین یہ مجھے کتنا سہا پڑی پچائے  
روانہ کر ڈالیں نہ کر کر رہ گھر مجھے  
ننگا دو مجھے ڈولی سیکے کو جاؤں  
چھندے میں تم چھنوں گی اب میں چار کے  
تھارے کے کچھ ہرائی نہ ہوگی

جعفر مرزا میں بیگ نام تھا۔ لڑا اب عمدۃ الملک امیر خاں کے درجو عہد عالیہ کے  
ایک بڑے امیر تھے، سولہ سولین میں تھے رفتہ رفتہ تقرب شاہی حاصل کیا اور محمد شاہ بادشاہ  
کے عہد میں منصب سر نیزری پر فائز ہوئے۔ نہایت ذکی، فصیح اور ذہین تھے۔ طبیعت میں  
انحراف کا جو برخداد تھا۔ دانستہ نہ کہتے تھے تب بھی وہ مذاق پرستین سے متین شعر سے بھی آشکارا



نہ مل سکا مجبوراً اُٹھ کر اپنے پر اُٹھنا لگی۔

بلبل کو بانیاں سے رہے نہ کھٹا بھی  
تاج کیوں نہ دے جس میں چٹا بھی  
آجھ نہیں میں بس کہ نباہے ترسے سائے  
یہ خیمہ سیاہ و سفید و پشاپی  
پر دے کیوں ہر اک بات میں جو چھتسی  
مضاہقہ ملی بخش سب سی میں تپسی

**جعفر زل**۔ میر جعفر نام تھا۔ اس میں اختلاف ہے کہ دہلی کے باشندے تھے یا دہلوی کے۔ بہر صورت عہدِ عالمگیر کے دورِ رُخسائی کے نامی گرامی ہنرِ آلتھ۔ اور ہنرِ آلتھ بھی اس زور کے تھے کہ اُس زمانہ کے بڑے بڑے جید اور مشہور شعرا بھی آپ سے کانتیپے رہتے تھے کہ حالانکہ یہ تھی کہ جس کسی امیر یا رئیس کے ہاں ملنے جاتے تو پہلے ہی سے ایک کاغذ پر میزان کی مدد سے ایک ہر چھوٹے لکھکے پاس کلمہ رکھ لیتے۔ ہنرِ آلتھ مقصد و بہرہ و چکر حسبِ لخواہ خاطر تو واضح ہوتی کہ ہر آلتھ کی تندر بھی کیا جاتا تو فوالمراؤ۔ و نہ غصہ کے تفرمایطیر کا پارہ پڑتا۔ یہ تندر بھی ہر کار پر چھٹا کر پہلے اس خاصیت زدہ کو خود دلائے اور پھر اسکی اس زمانہ کی رسم کے مطابق اشاعت کر کے اس غریب کی اتنی رسوائی کرتے کہ مہم دیکھنے کے قابل نہ رہتا۔

ایک مرتبہ ملا علی قلی بیگلر سے ملنے گئے۔ وہ ایک قدیم وضع کے دیویش ایک سیرت ساکت خوش مزاج شاعر خوش فکر تھے۔ آپ نے پہلے اذکارِ کرم نوازی پہلے تو کچھ بیدل کا کلام سننا چاہیے۔ یہ چٹکنا ہوئی تو پھر بھی کچھ کہنا چاہا۔ بیدل نے اعازت دیدی۔ آپ نے کچھ مدح کرنے کا قصد فرمایا کیا۔ بھلا ان کو روک کر کہہ سکتے تھے کہ کسی شامت آئی تھی بیدل نے اشارہ کیا یہ بھی بیدل نے اشارہ فرمایا کہ بیدل نے کچھ مدح فرمائی۔ چٹکنا جن پر کیا ایک مصرع یہ بھی ہے۔

ع۔ چو غنی چو فیضی بہ پیش تو پیش  
بیدل ایک مہینہ بزرگ تھے۔ سنیے ہی عرفِ شرم میں تھام گئے اور کچھ دے دے کر

میر جعفر نے ابو اسحاق اطعمہ سے ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ چونکہ وہ بھی ایک پڑلے  
ہزار تھے لہذا آپ نے وہیں سے یہ رنگ بھی اخذ کر لیا۔ اور اس میں ایسے کامل الفن ہوسے  
اور ان کی شاعری اور ہزلی کا ایک خاص معیار قرار پا گیا۔ جسکے لئے بہت سے نقادوں کا  
خیال ہے کہ انھیں کے ساتھ ختم ہو گئی۔ کیونکہ جہاں اس میں فحش اور لالچنی باتوں کا  
ہجوم ہے اور کانٹے کی طرح پڑھنے والے کی آنکھ میں لٹکتی ہیں اسی طرح اس میں بعض نظمیں ایسی  
ہیں جو طراف کے ساتھ اختلاف و ناسانیت کی تعلیم کا اعلیٰ نمونہ ہیں مگر انھوں نے ہزل گوئی کی  
شہرت نے ان جواہرات کو ماند کر دیا۔ اور صرف ہزل میر جعفر کے نام سے محفوظ ہو کر رہ گئی۔ جیسا کہ  
بیان کیا گیا کہ انھوں نے ابو اسحاق اطعمہ سے ابتدائی تعلیم کی کتب پڑھیں۔ مگر اتفاق کی بات  
ہے کہ ابو اسحاق پہلے استادوں کے موافق ایک جابر استاد تھے۔ ہر وقت لڑکوں پر تشدد کرتے  
تھے۔ لڑکے اس روز کی نادر شاہی سے عاجز آگئے تھے ایک مرتبہ اپنے استاد بھائی میر جعفر محل سے  
شکایت کی۔ یہ بھی استاد کے ستم دیدہ اور آفت کشیدہ تھے فوراً انتقامی کارروائیوں کے واسطے  
تیار ہو گئے۔ ظلم کا جانتاں حربہ سنبھالا۔ اور استاد کے دل پر وہ کارہی زخم لگائے جنھیں  
کوئی مرہم کبھی نہ بھر سکا۔ یعنی پہلے تو ایک نظم نبوت پڑا نامہ کے عنوان سے لکھی پھر اور کچھ  
لکھا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ مولوی صاحب کو خبر ہوئی۔ اور اچھی طرح تحقیقات کرنے کے بعد میاں  
جعفر کو بیک بینی و دو گوش اپنے مکتب سے نکال دیا۔ میر جعفر کھل تو گئے۔ مگر سند ناز کو اک  
اور تازیانہ ہوا۔ گو یا بارودیں آگ لگا دی فوراً ایک کچھ اتانہ لکھا۔ جس میں مولوی صاحب  
کی جی کھول کر چوکی لگی تھی۔ اس کے ابتدائی بندے ہیں۔

کستا ہوں کچھ سے ناست کو نادرین سنی      سن مر جا کو گئے مجھے اس بچن سنی

مشہور ہے یہ بات کھوے زمین سنی      کچھ سے کو شیخ جی نے غادی تھی سنی

تس کا کردن بیان نوبان دین سنی

یہ کچھ اٹامہ ایسا مشہور ہوا کہ شہزادہ کام بخش کے کانوں تک پہنچا اور میر صاحب طلب ہوئے۔ چونکہ نظم میں ہجو کے ساتھ ہی طراوت کی خوشگوار چاشنی بھی موجود تھی۔ اسی کے اثر سے خوش ہو کر شہزادہ نے مورچھل کی خدمت میں جعفر کو دیدی۔ جب یہ معلوم ہو گیا کہ جعفر ذوق نہایت اچھے شاعر ہیں تو شہزادہ نے امتحاناً ان سے ایک غزل کی فرمائش کی انھوں نے جھیل ارشار کی اور غزل کہی جس میں کے ایک دو غریب ہیں۔

از عاشق بچارہ کن خضرہ و گلو گلوٹ      تاکے بود این گری بازار جو ہے تو  
تا چند کسی عشوہ بریں رنگ گللابی      یہ رنگ پتنگے کا اورٹن بار جو ہے تو

شہزادہ نے غزل پسند کی اور اس کی بدولت میر صاحب کی شہرت ایک اور درجہ بلند ہو گئی مگر خالی شہرت سے کام نہیں چلتا ضرورت تھی کہ نقد و تحسین سے کچھ ان کی امداد کی جاتی مگر ایسا نہ ہوا۔ میر جعفر کا دل تنگ ہو گیا اور اب اس کی مورچھل کی خدمت بار ہو گئی انھوں نے فوراً اس خدمت کی سچ لکھی جس کے چند شعر یہ ہیں۔

توبہ ازیں دوسو سو مورچھل      دمدم از دمدم جاں درخل  
توبہ ازیں مسکن روزانہ فراخ      روز و شب آواز پھس پھس پٹاخ  
توبہ ازیں مسکن پر شور و شر      مرحلہ پر خطر و خوف و ڈر  
پر حسن و خاشاک بہ سر ڈکری      نزد خرد بہتر ازیں نوکری  
جعفر ازیں کو چہ دیں مورچھل      شرم حضور یابکن ولوٹ چل

شہزادہ کو جب اس سچ کو جان پہنچا تو بہت ناراض ہوا۔ جب ان کو یہ خبر پہنچی تو انھوں نے شہزادہ کو لے ڈالا جو لکھی اور دل کھول کر لکھی ایک شعر یہ ہے۔

زہے شاہ والا گھر کام بخش      کہ غنی بزد کرد چکا و بخش

اس کے بعد نوکری سے میراں ہوئے اور دکن کی طرف چلے گئے مگر یہ قسمتی ہر جگہ ساتھ تھی بیان بھی روزگار نہ ملا تو جھجھکا کر یہ غزل کہی۔

تین دنوں میں روزگار پریشان ہو گیا  
 درمیکسی تابوہ با درد و غم آلودہ  
 مفلس شدی و در پردہ کرب و غم کیسے بنے  
 در ماندہ بے بال و پر کہ خضر اب کیسے بنے  
 اکونہ کچا اگر جسم و زکے خضر اب کیسے بنے  
 اسباب غم پر دشتی قحط فلاح کا شتی

اتفاق سے جس زمانہ میں یہ پریشان روزگار دکن کی خاک چھانکتی تھی ہانکتے کودوں بھاگتے  
 پھر رہے تھے اسی زمانہ میں ذواب کو گلشن غاں ستارہ کی جسم پر گئے۔ جس نے اس کو  
 غنیمت قرار دینا شروع کیا ایک دفعہ لکھا ذواب پر بڑا اثر پڑا ساپنے میں ان کا دم رکھ لیا مگر صرف کھانا  
 نفع نہ بکھڑا تو رہا۔ وہ نہ بکھڑا نہ دے کے لئے کوئی پیسہ ملا۔ مجبوراً ایک منکوم عرصہ داشت  
 لکھی

زبان جہاں شاہ گیتی بنا  
 ذبیحہ او جواں زطل داو خواہ  
 جواں پڑ گئیں در قباد ازار  
 نیجی آئی مشکل یہ دلی دیار  
 رکت کی جویں میری پیاسی پھریں  
 کہ حیران دیکھتی مجھ کو کریں  
 لہو میرا پی پی کے موٹی ہوئی  
 نفل پہنچ دشمن سری ہو رہی  
 جواں مارنے مارنے شب گزشت  
 دیکھ کر چہرہ انسانی کہ گزشت

غیر متاثر کہ یہ ترغی منظر ہوئی اور کپڑے بندھائے۔ مگر چند روز بعد اسباب پیش  
 آئے اور وہاں سے بھی جدا ہو گئے۔

میر صاحب کی زندگی نہایت مفلسی اور منکوب الحالی پریشان روزگار کی تھی۔ بس  
 ہوئی۔ مگر وہ زمانہ کی زبردستیوں سے عاجز آکر کبھی چرخ نہ اٹھتے تھے۔ بلکہ نہایت آزادی  
 اور خوشنودی سے ان تمام سختیوں کو برداشت کرتے تھے۔ اس طرح ان کا مشغلہ شادی و نکاح  
 کسی کی مدد و دم کا پابند نہ تھا۔ وہ ذاتی خصوصیت کی بنا پر کسی کی جو نہیں کرتے تھے بلکہ  
 بلکہ ہمیشہ اس سے تفریح و انبساط مقصود ہوتا تھا۔

اُن کو زینہ گچہ ہزل کے درجہ پر پہونگی ہے۔ اور خوش طبعی مسخرین کا درجہ رکھتی ہے۔ مگر تہذیب کا مسخرین ہنر فرات ہو ہزل ہو کچھ ہوا اس درجہ کی ہے جس کا جواب بڑے اہل کمال نہیں دے سکتے اُنکے ایک لفظ میں فرات اور خوش طبعی کا ایک جہان پوشیدہ ہوتا ہے۔ وہ جیسے مزاج دغندہ روئی کے خورگر ہیں۔ تنہا ہر انسان کے ولادہ ہیں اور اخلاق کے نکات بھی کبھی مولویوں کی طرح بیان نہیں کرتے بلکہ اس میں بھی اپنا انداز خاص قائم رہتا ہے۔ جو کچھ کہتے ہیں ایسا کہتے ہیں کہ یہ مسخرین کی فرات کی بارش ہونے لگتی ہے۔ اسکی وجہ خاص یہ ہے کہ گودہ ایک مسخر ہے۔ رنگین مزاج ہیں۔ مگر علم و فضل و فنون سے ویسے ہی آشنا ہیں جیسے اس زمانہ کے باکراں ہوتے تھے۔ عربی اچھی طرح جانتے ہیں۔ فارسی کے الے ماہر ہوتے ہیں کہ اس کے ماہر کامل معلوم ہوتے ہیں اور اس بے تکلفی سے اس کو استعمال کرتے ہیں کہ یہی اُن کی زبان معلوم ہوتی ہے۔

میر جعفر کے ایسے واقعات بہت زیادہ ناز نظموں کا دار و مدار ہے بے تعداد ہیں جن میں سے ہم چند لکھتے ہیں۔

لطیفہ جس زمانہ میں میر جعفر کو ککلتاش کے بیباں رہتے تھے ایک روز یہ اتفاق پیش آیا کہ مرزا سلیمان کی اہلیہ مرزا سے ناراض ہو گئیں۔ میر جعفر کو خبر ہوئی۔ یہ جانتے تھے کہ مرزا کی بیوی اپنے گھرانے کی عورت ہے اور یہ دیل ہیں انھوں نے چند قطعے کھڑے ہو جو بھی ہیں سامان تفریح بھی۔ بند و نثار بھی۔ عزت بھی۔

جعفر اور جہاں معاذ اللہ      ہر کہ محتاج نان زن باشد  
تواند کہ ضبط بنشد      گرچہ عفریت و اہرمن باشد

جعفر مفلسی کہ زن یہ کند      آہ اک زن زنت مردی خرم  
آرزوے دلش بہ دل ماند      خود پئے نان خراب و رواتر

دایہ و دینہ زینہ ہنر زینہ ہنر  
 بلہ خوش گفتہ معصع جہنرین زہر فطرت  
 چراکے کند عاقل کہ باز آید پش از  
 مرزا سلمان کو جب یہ خبر ہوئی تو بہت گایے اور کوکلتاش خاں کے پاس پہنچے میر جعفر  
 کی سخت سے سخت شکایت کی مگر انھوں نے معاملہ کو مہنی میں ڈال دیا اور ٹال دیا۔  
 ایک موقع پر کوکلتاش خاں نے غنیم کو سخت شکست دی۔ اور بہت کچھ مال غنیمت  
 پایا۔ جب مال غنیمت تقسیم کیا تو آدھا مال خزانہ شاہی میں بھجویا اور آدھا سپاہیوں میں  
 تقسیم کر دیا۔ یہ چارے سپاہی تو تھے نہیں کہ کچھ ان کو بھی ملتا۔ میر جعفر کو سخت رنج ہوا۔  
 لڑا بے پاس پہنچ کر کہا کہ کھلو کھلو حصہ دیجئے۔ کہا تم سپاہی نہیں۔ مرد میدان نہیں پھر  
 حصہ کیا۔ نیز اس وقت تو جعفر خاموش ہو گئے مگر دوسرے دن اپنا تصنیف کیا ہوا  
 رستم نامہ لیکر پہنچے اور لڑا بے کو سنایا۔ جو یہ ہے۔

من آں رستم وقت رہیں تم	کہ دہ پا پڑا زشت خود بشکنم
کنم روزان اندر چپاتی بہ تیر	بر آرم دمار از سر مور تیر
کشم گردن ہشہ را در کشد	لگس چند را من در آرم بہ بند
پوشم اگر جوشن جنگ را	ہزیمت دہم پسوے لنگ را
بہ صد حملہ بال لگس بر کنم	قطار دودھ مور بہر ہم زخم
اگر بر زخم پنجبہ در دال بجات	قدہمیت و فون من و دجات
بہ وزم بر سج سنان دوورا	شگافتم بہ چنگال فالود را
دیں دور ثانی رستم منم	بتا سا بہ گرز گراں بشکنم
بہ ہنگام خشم و ترو تلاش	کنم غرق انگشت در دال ماش
من آن نمودم کہ روز نبرد	بر آرم بہ یکمشت از پنبہ گرد
چنان بشکنم رستم خام را	کہ سازم نخل رستم و سام را

من نام کو ترا سپ جولاں کسٹم  
 چمن خانہ موس ویراں کسٹم  
 چشم سستہم از نجر آب دار  
 بجلا و جفراں ہنگام کار  
 اگر بر کشم تیغ تدبیر را  
 بہتر مں سہ قیر تصویر را  
 تمنن منم گر کشم تیغ خشم  
 تراشم بہ د ضرب یکے پشم  
 نہ انم کہ بہ گزیم از گد خشم  
 بہ گوزش کنم سینہ خود سپر  
 بہ نام و نشان جحفہ در دمنم  
 فدا زہ از من دہا نام شوم  
 چو گز حشر آوازہ من بلند  
 سر مسمکال برسد دار بہ  
 تیرسد دل شوم از شاعراں  
 نہ بردار بہ بلکہ در غار بہ  
 چو بند مرا شوم تیر خھر کند  
 جواز باز دشا ہنزل طاراں  
 اگر بنگرد صورت من بنیل  
 چو از گر بہ مرغی کہ کر کر کند  
 بیا جفر این قصہ کوتاہ کن  
 گر بزد چو از گردگان مرغ فیل  
 بہ سمت جناب رخی راہ کن

اتفاق کی بات ہے کہ میر صاحب جب بہ فخر بہ رجز سار ہے تھے اسی وقت خبر آئی  
 کہ نذیر نوح منڈیہ ہو کر دشمنوں کے ہاتھوں میں گرفتار ہو گئی کوکلتاش خاں کو  
 بڑا صدمہ ہوا۔ اور ایسے گڑھے کہ میر صاحب کو نکلوا دیا۔ اس طرح میر صاحب کو لینے کے  
 لیے پڑ گئے۔ دو نظمیں لکھیں جس میں سے ایک میں اپنی شان استغنا کا ذکر تیلہ دہری  
 میں دکر کی کہ ہر سیاں خصی چنا چھوڑ دہری لکھتے ہیں۔

بشو بیان نوکری جب کاٹھ پڑے خمر کرا  
 تب بول جنتہ جو کڑی یہ ذکر کا خباہی  
 ہر روز مجھ کو کھڑیں زکام کیوگر پڑیں  
 بے شرم ایسے رزم میں یہ نوکری کا خباہی  
 دس میں مجرت میں گئے ہیں بے بخشنہ نہ لے  
 دس میں میں جھکے گئے یہ نوکری کا خباہی  
 ایک مرتبہ میر صاحب کے ہمال چوری ہو گئی اور کچھ بھی باقی نہ رہا غصہ میں یہ نظم لکھی۔

چکن اور زر کا چیرہ چشم کر بوجھ  
بھئی پگ باندھ کر سبے اکڑ رہ  
اگر شکوہ نہ باشد کسکو غم ہے  
لنگوٹا باندھ کر سبے اکڑ رہ  
ایک دفعہ لوگوں نے صلاح دی کہ کوکلتاش خاں سے عفو جرائم کی درخواست کرو  
انہوں نے ہرگز منظور نہ کیا اور یہ نظم لکھی۔

اسے تو نگہ میں محل آفتورہ تاجکے  
شریت قند و گلاب کردہ کوہ تاجکے  
کچ نہ رتیر شاہد زینہ و سوار تاجکے  
پاندان نقوہ دندیں کٹورہ تاجکے  
کج نہ رتیر شاہد زینہ و سوار تاجکے  
این سخمائے زل بھک اپہ کٹورہ تاجکے  
بادشاہ دیجاہ اور نگزیب کو جب دکن میں فتح حاصل ہوئی تو آپ نے ایک غفر نامہ لکھ کر  
تقدیم کیا کہ بادشاہ کی خدمت میں پیش کریں مگر یہ تدبیر بھی کارگر نہ ہوئی اور دربار تک رسائی  
نہ ہو سکی اسکے بعد یہ توکل کر کے بیٹھ رہے رہ پادشاہ غفر نامہ کے یہ تھا۔

زبے شاہ اور نگ و بانگ ملی  
کہ در ملک دکن بڑی کھل ملی  
برآد و عسکر بعد دھوم دھام  
کہ ہل چل بڑی بر سر دم و شام  
دیں پیر سالی و منست بدن  
جھپائی دھما چو کڑی درد کن  
زبے شاہ شاہاں کہ وقت غنا  
نہل نہ ٹلک نہ جنبہ دجا  
کمر بستہ ہشتیا۔ سیدان پر  
شب و روز تیار گھسان پر  
اور نگ زبے کی وفات پر میر صاحب نے دو مرثیے لکھے ایک نہایت متین ہے  
دوسرا ان کے رنگ کا ہے جسکے دو شعر یہ ہیں۔

اور نگ زبے مر گئے نیکی جھٹکے  
تخت اور چوہ کھٹ دھڑکے آخر فنا آخر فنا  
موا خدا کی یاد میں رکھا اور نگ باڑیں  
خبریں گئیں بغدا میں آخر فنا آخر فنا  
غفر شاد کی تخت نشینی پر بھی ایک نظم ایسی ہی لکھی۔ مگر یہ نتیجہ رہی۔ آخر عمر میں یہ رنگ



ہلکا ہو گیا تھا۔ اور بجائے زٹلیات اور شوخیوں کے تین مضامین اور سیرتہ جذبات زیادہ ہو گئے  
اگرچہ طرز بیان وہی تھا مگر کچھ بھی بہت فرق محسوس ہوتا ہے یہ دو قطعے اسی رنگ کے ہیں۔

جعفر بر سر عردس جہاں چند پاپوش و چند کلمہ نرین  
زانکہ این باکے نکرد و نہ برہمہ نقد و جنس ٹلہ نرین

تذکرہ خمیہ نہ جاوید میں لکھا ہے کہ جب اعظم شاہ تخت نشین ہوئے تو شعرا کے ساتھ میر صاحب  
نے بھی سکے نظم کیا اور وہ نہ صرف پادشاہ کو پسند ہوا بلکہ خاص و عام کو پسند آیا۔ پادشاہ نے  
انعام میں خلعت فاخرہ اور ہاتھی اور ایک لاکھ روپیہ دیا۔ مگر ان کے استغنا کا یہ عالم تھا  
کہ گھر پہنچے بھی نہ پاس اور تمام روپیہ راستہ ہی میں صرف کر دیا۔

میر صاحب کے کلیات میں اگرچہ فحش بہت زیادہ ہے پھر بھی وہ انواع و اقسام نظر اخلاص  
نظم و نثر سے ملوے چنانچہ

(۱) گفتار نامہ نثر جہیں اردو کے محاورات اور ضرب الامثال کا محل نصرت نہایت فنی  
سے بنایا گیا ہے۔

(۲) رقعات نثر جہیں تلازمے اور طرح طرح کی شوخیوں کا وہ عالم ہے کہ دیکھنے  
والا ذلک رجھاتا ہے۔

(۳) عدالتی تحریریں نثر اپنے خاص الخاص رنگ میں جہیں تلذذ و مزہ۔ طرائق شوخیانہ  
اپنے اپنے محل پر بھی کچھ ہیں

(۴) شہادت نامہ جسکو شاہی یا دواشتوں اور ترک کے طرز پر مرتب کیا ہے۔ اور اس  
میں ضرب الامثال کا اس صورت سے صرت کیا ہے کہ بے اختیار تعریف کرنے کی جی چاہتا ہے۔

(۵) اصطلاحات زمانہ۔ یہ نعت کے طریق پر ہے۔ زبان کی رسم و رواج اور صورت کی و انوار  
ایں الفاظ کے معانی بیان کئے ہیں۔ گرجا سکود کچھ میر صاحب کے کہ نثر خستہ و پختہ نہ  
پڑتا ہے مگر اسکی ایجاد کا سر اغانا عبید زاکانی کے سر ہے۔ انکی نعت بھی ان کے کلیات میں

حصہ نظم - جبریں غزلیات - واقعات - ہجریات - رقعات - دستور العمل - پند و نصائح  
 رجز - نسخہ جات - سٹے - غزلیات - مورچل نامہ - کچھوے نامہ - سدس - نظریہ نامہ - مرانی -  
 پیش نامہ - تھیں قطعات - اردو فارسی سبھی کچھ ہیں - اور ہر ایک اپنے رنگ میں  
 لاجواب ہے -

اگرچہ انکا کلام ان کے رنگ میں سراپا انتخاب ہے مگر ضرورتاً تھوڑا سا انتخاب پیش  
 کرتا ہوں - ممکن ہے کہ قطع کرنے پر بعض ناظرین کو تاہ قلمی کی شکایت پیدا ہو -

## انتخاب دستور العمل نظم

ہر زن کہ باغیہ گنجو - در چال شکوہ جو	دار و بہ شہر گنجو گنجو اس نامہ گنجو
جو رو لٹا کا گرود پر خون و لٹا گھر	دو گھر سدا بہر لٹا اس گھر گنجو پادشہ
جو نار چلے چال میں سسکی بھر چال میں	کینا لٹو ہے کچھ رال میں از تیرا و زنا رہ
جو نہ ہو کا جل کر ہے جو نہ چمن برون	چوڑی پر نہ ہندی کرے برگ و نش تلوار ہے
گھوڑا جو اساری نہ ہے حد و خط سار ہے	بیٹا جو دو بار ہی نہ ہے اس ہر سترق فی انار ہے
سسرچہ ہول رنگ جی مرکب خنک جی	داماد سے بزرگ جی اس سے سگ مردام ہے

جفرے پست ان جہاں و غنیمت است	شاہی پنجاب گر لشو و غنیمت است
دو پیازہ و کباب نہ باشد اگر تر	زلزلہ ساگ نامہ بھیہ شلغم غنیمت است
گرا پاک صفایہ رود بہ کار تو	یک خیر گدہری پا و غنیمت است
آواز شیوہ نرسد گر بوش تو	آواز بول بگیم و خانم غنیمت است
تربوز و خرپڑہ بنود گر میرت	یک سبز بھانک کھیرہ با غنیمت است

## ہجو مرزا خدا یار بیگ

نہ ہے قدرت پاک پروردگار      کہ مرزا خدا یار ہار اچھاڑ  
 کردل اب خبر شہرہ بازار کو      لگی آہ مہری خدا یار کو  
 خدا یار پر صبر میرا پڑا      کہ تالاب پر یہ کھیڑا پڑا  
 بدست حریفان گرفتار شد      پشیمت و سرششت و نیزا شد  
 چہ مرزا چہ رفقا و گفتار او      چہ آواز پیڑا و دستار او  
 تراڑ سڑا سر لگی لاگنے      شک چال مرزا گئے بجاگنے  
 پکڑ بانڈھ کر جب مرڈا کیا      کشناس کا تال گنڈا کیا  
 دریا چہ صورت چہ دستار او      چہ پا جامہ چڑیاں دار او  
 چو این صاحب جان بابا شنید      دوا دو دوا دو پیاپے رسید  
 دے جان بابا شرافت آب      کہ کو اچھڑایا گھڑا شرافت  
 جہاں میں کروں آج میں بوڑھی      کہ گنڈر کے منہ سے چھٹی بوڑھی  
 خدا یار مسکین دہا دم کٹا      بلیا کے نیچے سے چہ بچھڑا

## ہجو مادھو داس چوکی تلوں

سگ لپیڑی ازوے نکو تر بود      کہ از عفت عفتی مردا ڈر بود

## مرح شامہزادہ محمد کاظم

سوزاے خداوند گیتی پناہ      توئی وارث دانا گشت و جاہ  
 بدرگاہ تو ہر کہ گھٹ پٹا کند      خدائش بیک لٹھ چٹ پٹا کند

بوجھتو بزم میں یہ چہ کسے  
 نہ چوری سہرا فیل رنگو سیم  
 مرا طاق تکراد کجا است  
 تن و توش آنکس چہ کالی گھاس  
 ایک مرتبہ قمر النساء بیگم نے میر صاحب کو اپنے دیوان کی معرفت تیس روپیہ انعام دلوائے  
 اُس نے صرف پانچ دیئے باقی خود خورد برد کر دئے انھوں نے چوکی جس کا یہ اثر ہوا کہ  
 قمر النساء بیگم نے اپنے دیوان فتح علی خاں کو بہت ڈانٹا اور میر صاحب کو پورا روپیہ دلا دیا جو  
 کا ایک شعر یہ ہے۔  
 دلوائے میں لیکن پانچ نکلے  
 فتح حناں کی اتنی..... نکلے

### روحِ حسن معشوق

جعفر چہ ہستی باشد و کیر باغ کی ہوتا  
 بر حسن تو جبریل گرفتار چہ ہو  
 باتیر اتنا کافی دہر چھی تن غافل  
 امد و مجھے مارے اسے بار چہ ہو

### جوانی کے جانے کا غم

درین کہ جو بن چلا روس کر  
 اے تے تے کا گھر نو س کر  
 اے ہا۔۔۔ جو بن چلا جائے  
 چہ چاہہ کہم ہے رے اسے رے  
 مرا عشق و انگھیل پن از تو بود  
 شب در در الیل پن از تو بود  
 طفیل تو بود این کیل چھلنگ  
 بیل تو بود این اول و ترنگ  
 جوانی ز من چوں شنید این بیاں  
 نگو گفت در گوش ہر شرم عیاں  
 کہ اے کل پڑو پنچ ہر و کندہ پاں  
 توئی میزبان و منم میہان  
 ندانی کہ سماں نگیر دسترار  
 بجز ایک شب یا دنا دوسے چار

برو صبر کن با بڑا پا پساز  
ازیں پس کن پاپ بخت دراز  
بڑا پا بود مغفرت خواہ تو  
رد و تائب گور ہم سراز تو  
جوانی و جوین پڑو بھاڑ میں  
کہ آخر ٹھکانا اسی غار میں

## تصوف

در مقام و قعود از کش نفس بخور غوط  
در خدمت حق بازی کن کوہ نباشد  
دار خبر از لذت چپ چاپ عبادت  
آنکس کہ شکم سیر بہت کوہ نباشد  
بر تہیہ تاتہیہ تاتہیہ منہ دل  
مارے تو فروا چو سہیہ توتہ تپاڑ  
بے سود بود توبہ پیشی بہ پیشی  
منظور چنیں توبہ بچکلوہ نباشد

## مدح عالم گیر

زہے حکمت شاہ اور نگار زیب  
کٹاوتے رطاوتے بہ فن و فریب  
نقارے دما موزست سحر و سحر کیا  
بہر نوا و کرنے بجز تیر پوز کیا  
عجب اوٹ این کھوٹ بیجا پڑا ست  
کہ ہر برج اوٹل بہتہ سراسر ست  
چہ گویم ازیں قلعہ بے لگاؤ  
کہ انگشت زانیت درے ٹکاؤ  
لگا کوٹہ کو مورچہ جاے کر  
بیکڑ سکڑ کر کو انگڑاے کر  
زہے باد شہزادہ جڑ و دو پھوٹ  
بلی و دل نصرت چار پوٹ  
ازیں میں بیٹے نہشت ناخلف  
پسر خود خلف بہ و گرنہ تلف  
و گرنہ چہ یار احسن شاہ را  
کہ گرداند امرے شہنشاہ را  
مگس را چہ طاقت کہ شاہ باز  
بہ ہیجا در آید بود کینہ ساز  
پہ پشتم کہ با شیر پہلوزند  
چہ پسو کہ با اثر دہا پوزند

چہ خوش کہ باز ہرہ و مشتری	بہ نخوت دند دعویٰ ہم سری
چہ گیدڑ چہ لڑی پیش پلنگ	چہ جھینگہ چہ پھی پیش ننگ
چہ جھل کہ دعویٰ رانی کند	چہ کھٹل کہ پرچار پانی کند
چہ قطرہ کہ سر بار دریا شود	چہ ذرہ کہ اغیار بیضا شود
چہ جھینگہ کہ بر کوہ چکر دند	چہ مینڈک کہ بر نیل مکر دند
چہ جھید شوزہ چہ عبد الرؤف	کہ دیکھے مٹا ہو کہ سے چوں حرف
چہ مد ناجی بندت چہ مرزا خلیل	بیک دھار پیشاب گرد و ذلیل
در آفاق بسیار چکر زد دم	بہ ہفتاد و دو فرقہ مکر زد دم
بایں حسن و سیرت چو تو دلنواز	ندیدم دریں سیر گاہ مجاز

## پیش نامہ

حضور جہاں شاہ گیتی پناہ	زیبیداد جواں و ظل دادخواہ
جو میں پڑ گئیں در قبا و ازار	نہی آئی مشکل بہ دلی دیار
آدھی رات تن پہنچ اٹھی کلبلی	چو دیدم کہ فوجاں جواں کی چلی
لڑائی پڑی جواں سے وقت رات	جواں کا چنڈا منہ چلا میرا مات
جواں ہارے ذرتے شب گذشت	وے یک جواں از میاں کنگشت
کڑھو روں جو میں اور اکیلا منم	دو نوں ہاتھ سے تاکجا میر نم
کہ در رقبہ میں قباد ازار	پھروں کھیلتا میں جو و دل کے تکار
بڑا پہلوان است افزا سیاب	کہ از زور جواں خورد و چ ڈاب
جورا کا س جواں کند ترک تاز	شود سرنگوں طرہ طرہ باز
جواب افضل خان صدر الصدور	جواں مارنے میں نہ کھیں شعور

جوشہ داد و دلاں جی شے شرع وار  
یہ پیش جوان کھول ڈالیں ازار

جوانی گزرد در عسرت حال  
یہ پیری پیش آید دولت و مال  
بنزد جعفر سکیں سخن دال  
بدان ماند کہ بوسہ بعد انزال

جعفر زر کو ب اصفہان کے رہنے والے تھے۔ بے انتہا ہزل اور سحرے تھے مگر  
یہ دو شعر مل سکے۔

از خرام آن صنم تنہا نیا یاد من آب  
میکشد زان ازیک غریبانہ دین آب  
چوں برو حال کن زو غافل کہ بخت آسا  
سے جہان از من او جان کن دین آب

**جلگت**۔ جلگت موہن نام ہے۔ الہ آباد کے رہنے والے قوم کھتری۔ سے ہیں قریب  
قریب ۱۲۰ سال کی عمر ہو گئی پہلے ریلوے کے دفتر میں ملازم تھے اب مینک میں ملازم  
ہیں۔ شاعری کا ابتدائی عمر سے شوق ہے اور اب بہت اچھی ظرافت کہتے ہیں اگرچہ ظرافت میں  
پختہ مشقی۔ اور مراعات النظر ضلع جلگت نہیں پھر بھی اشعار نہایت شگفتہ ہوتے ہیں۔ بعض  
بعض ظریفانہ لگدستوں میں آپ کا کلام چھپ چکا ہے۔ بعض رسالے بھی آپ نے ترتیب  
دیئے جو طبیعت کے لگاؤ کے موافق تمام ظریفانہ رنگ پر مبنی تھے انھیں سے آپ کے کلام کا  
انتخاب کیا جاتا ہے۔ کلام میں سبب عدم پختہ مشقی بعض بعض جگہ زامیاں باقی جاتی ہیں۔  
مگر عیب کو فروگزاشت کرنے کے بعد نہایت عمدہ انتخاب باقی رہ جاتا ہے۔ ہر جگہ۔

پڑے بھنسا ہولی کے جو بھیا ہمیں سن پائیں  
بڑا اچھے کے قوا کے ہاتھن ہمکا بلواتیں  
پڑی کھاتر سے ہمارا ہاتھ کپڑا نیگے بھیرتے  
بچھونا پھر رسوئیاں دے کرے مان دیکھو کہتے

کچوری پوری بڑی بڑی رات کو کچوری کچوری سے  
 گرج ہم کہ سکت نائیں ٹری کھاتر جی ہری  
 بدل انگا دو پٹہ کھوجی گائن باری بلوائن  
 عبیر اور بنگا سب رکھا رہا بھجھکے کھڑا میں  
 انگائس دارو موہا کی بہت اچھی سی آگ بول

خدا غارت کرے اس کشتہ زن کو  
 ہمہ تن پاس کر دیا تو نے  
 دو دن رخسار عنایت کریں کشتہ  
 دہکے بوسوں گلخ رشک کا  
 جاں بارش کی کرتی ہو کیو اپنے دھن سے  
 چشم نے میری اشکباری کی  
 ایک دن رو یا پر اسے امتحان میں ناتوں  
 مٹی نظروں سے جو دیکھا بھکو  
 حسینوں سے نظر مجھے لڑی ہے  
 خبر دیتی ہے چکی ان بتوں کی  
 پھنسے جانے ہیں سب اسکی گرو میں  
 سرج اور بہ آن کے پیمان خال

نہ نکلا ٹاٹ کا ٹکڑا کفن کو  
 سستی ناس کر دیا تو نے  
 اب مرے واسطے سرکار سے چند چٹے  
 چند وصل ہوں صاحب باو سے  
 کر اپنے بھت پر پواسے میری چشم گریاں کو  
 کاشتکاروں نے کاشتکاری کی  
 سو سمندر سا بٹھانے لاکھ دیا بہ گئے  
 کیا میں طلوہ ہوں مجھے کھائے گا  
 لڑی ہے یا میری قسمت لڑی ہے  
 نئی فیشن کی یہ جیبی گھڑی ہے  
 تھاری زلف ہے یا ہتکڑی ہے  
 یہ بیڑ ہب دو دو میں کھی لڑی ہے

اگر غفلت سے باز آیا جفا کی  
 بہت ہے پیر پر لعنت خدا کی



شک کرنک پر انگلی کو رکھ کر      کہا ایجاد ہے میری ادا کی  
 غم ہجران ہے پانچاگن کی آتش      دل ویراں میں ہوئی ہی جلا کی  
 ہوا اس سیم تن سے جب سے سونا      اسیدن سے مری چاندی کشا کی  
 چپت جھٹ مارتا ہے اچاک کہ      بری عادت ہے یہ اُس بے وفا کی

نہ ہو کیوں کم سنوں کے شریعت دیدار میں لذت      مراد دیتا ہے جب پانی تلک بھگت کی  
 مثل لقا کے اڑانے لگا دو ماہ لعت      اب جگت کا بھی اڑا ہوش کبوتر بنکر

کیا خلق میں آراء بیدار ہیں پھر      مزدو سے کچھ کم نہیں خدا ہیں پھر  
 پیاسے ہیں یہ ظالم بنی آدم کے لوگ      سفاک ہیں خو خوار ہیں جلا ہیں پھر  
 چاہیں جسے کاٹیں جسے چاہیں اسے کھائیں      خالق کی خدا کی بے پروا ہیں پھر  
 مارے کوئی لاکھوان کہ گرفتار کیا ہے      مشکل ہے بینہ سے سبیل دلا ہے پھر  
 سبے گانے بجانے کا فن ایجاد نہیں کا      شاگرد جو دعا طریقی ہیں تو استاد ہیں پھر

ہے شب و وصل بولو آہستہ      چار پائی بھی کان رکھتی ہے

درد کے لہر پائی ترہنئے شب وصال      دو چاند سو برس تو الٹی سحر نہ ہو

رہتا ہے جھسے میرا ستم ہے باپ سے      کرنے لگے ہے چرخ ستم ہے باپ سے  
 بالائے طاق وصل کی اسید ہو گئی      جھاتی سے لگ کے بولا ستم ہے باپ سے  
 جس طرح مٹ گئے ہیں یہ شاہان ہر سہا      اور میں نے کیا غنیمت ہے باپ سے



**جوش**۔ ان کا اصلی نام رحیم الدین تھا۔ مگر لوگ رجو رجو پکارتے تھے۔ اور اسی نام سے مشہور ہو گئے تھے۔ تذکرہ مخزن میں ان کا تذکرہ ہے کہ پڑھے لکھے تھے مگر مصنف گلشن بے خار کہتے ہیں کہ یہ ایک بازاری اور عامی آدمی تھے۔ ہیولیوں میں کوچہ و بازار میں غزلیں گاتے پھرتے تھے۔ اور ملیاروں کے ساتھ خوب ہلچلتے تھے۔ قیصر عالم میں زندہ و بخیریت تھے مصطفیٰ نے ان کو پناہ دے کر لکھا ہے۔ ان کے شعر ظیفانہ تو کیا ہوتے مگر شوشی طبع کا پتہ ضرور دیتے ہیں ایک شعر اسی انداز کا ملا ہے۔ جو اگرچہ وثوق کے ساتھ لکھا ہے کہ جاسکتا مگر اہل تذکرہ نے مثنوی طریقیہ انہیں سے منسوب کیا ہے ممکن ہے کہ اور بھی کلام اسی انداز کا ہو مگر مجھے مل نہیں سکا۔

بے جو کہما تیرا کیا کیا دلہنم گزرا      بولا کہ ابے تیرا رونق ہی حنم گزرا

**جوگر**۔ جن جعفر نام ہے لکھنؤ کے رہنے والے ہیں۔ ایک شریف خاندان سے تعلق رکھتے ہیں نہایت رنگین مزاج شوخ زبان یا۔ باشش ملنسار خلیق زندہ دل آدمی ہیں اب چند روز سے شوخ تخلص کرتے ہیں۔ گو ظیفانہ شاعری کی عمر زیادہ نہیں ہے مگر اپنے احباب کی شاعرانہ گرمی صحبت سے آپ کی سخنگوئی بھی درجہ کمال پر پہنچی ہوئی ہے مجھے اچھی خاصی ملاقات ہے۔ مشاعروں کی صحبتوں میں آپ برابر شریک ہوتے ہیں اور قریب ہر شاعر اور سخن فہم آپ کے نام سے واقف ہے۔ آجکل معراج الادب میں جو لکھنؤ کے ایک مخصوص طبقہ شعرا کی انجمن ہے۔ آپ بھی شریک ہیں اور ہر مشاعرہ میں اپنی ظرافت سے سامعین کو محفوظ فرماتے ہیں۔ اس وقت ۱۹۲۲ء میں آپ کی عمر چالیس باسیس برس کی ہوگی۔ مجموعہ تبسم گل کی ترتیب کے وقت میں آپ کا کلام حاصل کرنے کے لئے

سے کلام کا انتخاب کر کے اس تذکرہ میں درج کرتا ہوں جی چاہا تھا کہ اس تذکرہ کے لئے جدید کلام حاصل کروں۔ مگر فرصت کی قلت ہے اور لکھنے کو عجز ہے اس لئے اسی پہلے کلام کو تہہ بکرہ سمجھ کر لکھا ہوں۔

سورگ کے ہیرے اور گہرے سوگوار سے تھوڑا سا بیل لے لے چراغ مزار سے

جنوں میں انکی کوٹھی سے سینہ پائے گا  
اگر جنت کی لبتا قیس اور فتنے  
کسو کے تھانے کہہ جاتے وہ نہ کہہ جاتے  
قفس میں آب و دانہ مفت کا تھا بچنے کی  
میں رہا اوسے مرنے چھلکی ٹنکے پر کیا پڑے  
حیو جینے سیدی تھے بنے جھڑیاں انکی  
گرتی اڑنے کے کو باہر رسیل کی رتیں  
کیسے دس گھر کے کھیتے میں کام آجاتا  
بیسے کے لئے پھر کیوں کی جو بچھڑتا

کہ ان کی جھوٹ کے اوپر ہزار آئیاں ہوتا  
تو بیلی لے لے کے اوپر ادھار سپر سا بیل ہوتا  
اگر بندہ نصیب شہنشاہان موحناں ہوتا  
کرایہ پر چلا دیتا جویر آستیاں ہوتا  
جو آچکاتے وہاں ہی توند تو پھر یہ کہاں ہوتا  
جو سٹند میں میرا گریساں دھجیاں ہوتا  
اگر خود ناتہ لے لے کا مجوں لڑیاں ہوتا  
مرا دل نہ تو تانکا شام کی کلجیاں ہوتا  
مرے صیاد۔ جو کر کا اگر آج آئیاں ہوتا

عاجز ہوئے میں گرمی روز شمار سے  
حاجت ہوئی جو چو لھانیا کی بار کو  
نگہریاں دیکھ کر دیکھ کر دیکھ کر دیکھ کر  
دعا سے میں ترس جھوٹ کا درجہ اس قدر

مرے نکل کے بھاگ رہے ہیں مزار سے  
کچھ گئے ٹھوڈے لیکھا میرے مزار سے  
الفت میں بیچ پڑ گیا اب مانگدا رہے  
جولد سے گر پڑے نظر اعتبار سے

کھاتے ہیں قلابازی میں جتنے تماشا خانے  
 جب پردہ محل سے سیلی بھی تماشا خانے  
 عشاق گراں جانے ہاری خستہ تنائی  
 کیوں پرکرتی ناکس کے مردے کو جلاتے ہو  
 وہم اُن کا دم رخصت کام آیا بہت نیلے  
 کبھی کو کنگھی سے فرستے ہنسی پر ہوتے  
 یہ سیلی رنجوں کو ہم عمر چڑھاتے ہیں  
 جب بانی آسمان ہم کو دیکھ کے ہنستے ہو

منور شمع نہ لگ شیفہ زلف دو تار کے  
 صبا دکا بند ہے کے بھڑ بھڑ کا دشمن  
 جواہر سے صبر میں طاری ہے بی بسک  
 دیکھوں تو گرا رہا ہے فلک برق کمانک  
 کوئی تھی اس بھولان بھلیاں سے نکالے  
 جب فجر کو کھل جاتی ہے چاندنی کچھو کچھو  
 جو کر رہا انداز غرافت کے تصدیق

بجا رنگا بیاں تمکیر ٹوٹا جو صنم خانہ  
 جب قتل کا وقت آئے چپکے کیے کھانے  
 دل توڑ دیا میرا اس بت نے نہ جاننا  
 منتقل میں یہ کہتا ہوں دل سے کہ نہ گھبرانا  
 محبوں کی طرح ہوتا فرزند بھی دیوانہ

بکریاں جس قدر سے کسک اٹھیں  
عشاق کی نعل ہی یا کوئی چرس خانا  
ادنی سا کرشمہ ہے دو ہاتھ اچھل جانا

بکریاں جس قدر سے کسک اٹھیں  
اُدھول سوزاں چرایا آئینہ حرموں کی  
چکرے سے کھڑکے کچھ نہیں بندھ سکتے

کہ سارا چمک ہے اور ایک چمک کا گریباں ہے  
یہ کوئی گرگھاس ہے یا زمین کسے جاناں ہے  
تو میں یہ کہہ کے بھاگا گیا میں کچھ اور ساماں ہے  
اگر سب ملے جلا میں گریباں ہے گریباں ہے  
تو فرمایا کہ وہ ٹیڈ تو زیب طاق لیاں ہے  
لے ہو جیتے کتنی ہے محنوں کا گریباں ہے  
تو کیا یہ ملک بھی منجملہ گور غریباں ہے  
میاں جو کہ رہا کیا ہے دیوانوں کی لہاں ہے

بے دھوی ردی کپڑے کا یہ منظر خسراں ہے  
ادھر دریائے خوں جاری آجوانا و حرموں کے  
انھیں جلاوت مرگوشاں کرتا جنہر بیکہا  
عجب کہ اسے جو چشمی حرموں سے اپنی ادا کرتے  
دھڑکے میں چڑھ چکے آئینہ خروا جیت مل کی  
کیا ہے گردش ایام نے میلی کو بھی پاگل  
زمین کے اس طرف باہر میں سب اہل امریکہ  
ہزاروں ہی مٹری سودا کی اسنے کو بے پیدا

ہمارا چھو کر ہو گا تھاری جو کر ہی ہوگی  
بہرے کے پاؤں نہ گناؤ گلیں میں ڈھول کی ہوگی  
وہ آئے ہر کتاب لٹ ہوئے بے پردگی ہوگی  
دکھائی آگے اگر نہ ہو تو انگلی جو نہ دی ہوگی  
کہ جسکے جسم ہر میں اک تنوئی گیر دی ہوگی  
وہ کیا خے ہے جو اسے تل پر یہ کسی ہوگی  
خدا کی مار تیر اب یہ لنگھی ختم بھی ہوگی  
خدا چاہے تو ہر خے میں دی مصطلکی ہوگی

وہ دن نزدیک ہے اس گل میں اکیشا دی چوکی  
جو حال آیا رہ یہ ہالت تھاری خے ہی ہوگی  
شہر کا سب بزم جاناں رہند کہ لاپنی آنکھوں کو  
ننگا چوں سے تھاری ڈر نہ لائے رہی ہوگی  
اسے تو آپ ہی شاید کہنے اپنا دیوانہ  
میں منتا چوں کہ معشوق کی معدوم ہوئی ہے  
گزر جسے گما کوئی انتظار شوق و صبر میں  
پڑا دی حضرت گاندھی نے پیداوار ترکوں کی

مرد و عورت کی باتیں  
چھان بن کیلئے ہوتا ہے

وہ یہاں کے لئے ہے یہاں کیلئے  
کبھی یہاں کیلئے اور کبھی یہاں کیلئے  
لگائے یا نہ جو تیرے دل سے نہ ہو  
میں چنکے لایا ہوں بہرام گھاٹ کے لٹھے  
ہزار عاشقوں کا خون کیسے لیکھن  
یہ کوئی گھیل نہیں ہے ذرا خیال رہے  
چھان بن کیلئے ہوتا ہے یہاں کیلئے  
مرد و عورت کی باتیں یہاں کیلئے  
یہی تو ایک مدت ہو اس مکان کیلئے  
بہت حقیر یہ تھکے ہیں آئیاں کیلئے  
کہاں وہ بات جو تھی تیں مل خاں کیلئے  
وہاں ہے دل تھیں جو کرنے امتحان کیلئے

جو نیند یا بندہ یہ کوئی نام ہے نہ تخلص - مگر اوپر پنج میں کسی منقہ -  
شاعر نے اسی نام سے اپنی غزل دی تھی لہذا الجھ کو بھی مجبوراً اسی صورت سے لکھنا پڑا۔ حال وغیرہ  
معلوم نہیں غزل ملاحظہ فرمائیے۔

دل سوے دلربا روانہ ہے  
جو روکتی ہے وہ میان کی طلاق  
جس کو کہتے ہیں غنچہ سوسن  
آج کل کے حکیم ہیں عطار  
مسی اس درجہ گہری تھوپی ہے  
غیر کی آنکھ میں سور کا ہے بال  
جمع اک جا ہیں عاشق و معشوق  
صبح و صلت کا یہ دو گانہ ہے

تل نہیں اُن کے گورے گالوں پر  
آیا صدقے کو کالادانہ ہے

## حرفِ تمجید فارسی

نیچو یا تجھ پر ہے۔ وہ مہم سدا سحاق ہے۔ دلی کے ایک پیر زادے ہیں۔ مگر تخلص  
ایسا اختیار فرمایا ہے کہ تمام دنیا کے چچا بن گئے ہیں طبیعت میں انتہائی مہذبیت ہے۔ آپ کا  
مشاعرہ ہونا دودھ میں چاسے کی ہوتا ہے۔ سر دست حیدر آباد میں مقیم ہیں۔ مضمون آپ کے  
مخصوص ہوتا ہے۔ ہر سے ہیں اور شاید کہ دونوں خود آپ کا کمر تجھ پر رہتا ہے۔ یعنی ایک ایک ایک  
حیدر آباد کی ذمہ داری کے خطرناک نتائج۔ اور ایک چاندنی رات کی چوریاں۔ اور جگہ چاندنی آ  
چوروں کے ہر کام کا زمانہ ہے۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ حضرت چچا کو اس کے فلاح سدا ہے۔  
آپ کی ایک غزل رسالہ اردو سے نقل کی جاتی ہے۔ وہ ہوتا۔

بھلا کیسے تو کیوں سنے لگا تھا بہاؤ بیاں بیکرا	مجھے بڑے بڑے آپ نے میں نے سناں میری
اندھیرا ہی بھلا میں ہی کی قاتل کرتا رہا	شبہ تاب میں اکثر ہوتی میری چال میری
جناب شیخ مجھ سے تو اب ان خاتر ہے	کہ کلام آگیاں بہت میری
شہس کا سب تک گناہ خطی و غیر	دو نہیں تو بدلوں کے حکم نیچاں میری

چکر کین شیخ باقر علی نام تھا۔ قصبہ ردولی کے رہنے والے تھے مگر مصنف تذکرہ گلستان سخن  
ان کو لکھنؤ کا رہنے والا کہتے ہیں اور علی الزم سب تذکرہ نویسوں کے یہ بھی لکھتے ہیں کہ چکر کین نے  
اول اول مضامین غلطی ہنزل اور تفریح طبع سمجھ کر لکھنا شروع کئے تھے "لیکن رفتہ رفتہ  
اس قافیہ کو حال بنالیا اور اس گندہ دہشتی نے اسکو اگھوری بنا دیا۔ گویا یہی اُس کے بدن میں  
رچ گئی تھی۔ بلاشبہ اس چکر پندت اور ایسی میلی پکلی وضع رکھتا کہ اجنبی اسکو سچ مچ حلالِ خُل  
رچ گئی تھی۔



سمجھتا تھا۔ میرا رنگ نہایت سرسبز تھا۔ یہاں صحت تصور اور خیال نے یہ تاثیر کی کہ صبح سے پہلے  
 حق یہ ہے کہ جو تبدیلیں کشتا تھا انتہا میں کر دکھایا۔ رنگ کی صحبت اور گو کاہن  
 کی چٹائی کے شوق سے شہر کے مقامات پاکیزہ سے بھاگ کر صدمہ آرزو کا ڈاکر اس پر رکھے ہوئے  
 بطریق پاتراب کے جنگل کے کسی کوٹھے پر ڈول منزل کی "غرض یہ کہ ہمارے نزدیک چرکین نے  
 اگرچہ رنگ نہایت ہی اعلیٰ اور برا اختیار کیا تھا۔ مگر وہ اپنے طرز کے استاد بے بدل تھے۔ گو اچھانے  
 کو اپنے دیوان کی ایک کھلی "جوان صفت بنا دیا۔ یہاں اس غنیمت کا چھوٹا سا حصہ  
 دامن شاعری کمال پر کیا۔ رنگین گداز پر بہار مطلق پیدا ہوئی۔

کسی سال ہز رنگی سے مناسبت کے مختلف رنگ دیکھے جن میں سے دنیا سے  
 مشہور اور اپنے استاد کے رنگ کے مشاق تھے۔ ایک کا تخلص گودڑ۔ اور دوسرے کا حوض  
 تھا۔ جبکہ ہم اگرچہ معلوم نہیں ہو سکا مگر دو دو چار چار شعر مل گئے ہیں۔ جو ان کے مذکور  
 درج کروں گا میرا وہ ہے کہ اب دیوان چرکین کا ایک ایسا مکمل انتخاب پیش آ رہا ہے کہ اس کے  
 بعد ان کے دیوان کے دیکھنے کی کسی احتیاج باقی نہیں رہے گا کہ اب دیوان چرکین ایک انتخابی  
 صورت میں چھپ گیا ہے اور وہ عام طریقہ سے ملتا ہے۔ مگر میں قدیم اور مکمل دیوان سے  
 انتخاب کرتا ہوں جس میں بہت سے شعر ہیں جو مروجہ دیوان میں نہیں ہیں۔ انتخاب میں  
 بعض وہ شعر بھی دول گا جن میں چرکین نے اپنی وضع کے التزام کے ساتھ ساتھ محاورات بھی  
 صرف کیے ہیں۔ اور اپنے کمال کا اتنا بڑا سکھادیا ہے جس کا ازالہ دشوار تر اور ناممکن ہے  
 گویا جھوٹی بھی ہو کر آگے نہ گزیرا بدست معنی کو گو میں منلاے گا جانان کا تپاک  
 گیسے ہی رہتے ہیں غیاثیں اس ترک کو لیٹ یوں سے بند گیا ہے شیرستان کا تپاک  
 مدینے میں تم جلی بھسکی جو کوئی چھوڑ دو برق باران سے چھوٹے ابر باران کا تپاک  
 جب سے بڑا ہے شیخ کا ہنر لیس سے ربط بنا ہے گویا چھٹی چھٹی سے اُن کی تپاک رنگ  
 پانچاند اُسے فیض سے رخسار چمن بنا گندہ بہار میں بھی نہ بدلا ہوا کا رنگ

ہونے لگیں وہ ہر وقت ہر لمحہ ہر لمحہ  
 سہمیں ہو گئی ایسی مریں ہر وقت ہر لمحہ  
 دست پر دست چلے آتے ہیں بے جلد خبر  
 دست بردار ہونے والا رہے آجائے نہ  
 بتناگ آتے ہیں دنیا کی گواہی چھی سے  
 فلک ہر طشت تیلے ہیں پٹکیاں لگی  
 ہر کسی کوڑی میں صرف اپنے کا لہو کھا  
 بنائے چرخ بریر طشت کشت کھڑی  
 ہمارے پاس بنانا ہو گھر جو اسے نعم  
 ہمیشہ رہتے ہیں بیت الخلاء میں چرخ  
 دماغ کو خوش آتا ہے اسے موت کی بو  
 سٹے کی طرح سے گرتا ہے ہر کینک  
 کپڑے چرخین جب بدلتے ہیں  
 نہیں کہتے ہر غنیمت ہر لمحہ برا  
 کس شجر کے ثمر ہیں سب ذوق  
 بزم جان میں پاؤں تاپے غیر  
 تیرے بیمار کے تنے غمخوار  
 طبع چرخین بھی طرفہ سا بچا ہے  
 سگ دنیا جو ہیں کتب و دستاویز ہیں  
 گو باہمی چھی کے سوا کچھ حاصل اس سے  
 گزری ہوتے معطر ہے چرخین کا دماغ

کس کو نہیں ہر لمحہ ہر لمحہ ہر لمحہ  
 گدے ڈھتے ہو دیکھے مرالاشا قاتل  
 تیرے بیمار کا اب قاتل ہے ہر قاتل  
 قتل چرخین کو نگر گوند اچھلو قاتل  
 ہر قبض روح بخش چھوٹیں اس غذا سے ہم  
 جو کچھ چھوٹ کر نسبت میں آتا ہے ہم  
 یہ چاہتے ہیں زمانہ کے انقلاب سے ہم  
 گے کھا کو نسا شوکت نشان نہیں معلوم  
 ہمارے گئے کی کیا داستان نہیں معلوم  
 جہاں میں کس کو تھارا مکان نہیں معلوم  
 کبھی نہ سونگھیں اگر کوئی گلاب ہیں  
 جہاں اپنا دکھا اوپر ہی شتاب ہیں  
 عطر کے بدلے موت ملتے ہیں  
 اپنے منہ سے وہ گو اگلے ہیں  
 نہ تو گلتے ہیں یہ نہ مڑتے ہیں  
 ہر طرف سے اشارے چلتے ہیں  
 پوٹھے و مہدم بدلتے ہیں  
 گئے مضمون جس میں ڈبلے ہیں  
 گو بھی ملی کی طرح سے وہ چھپا کھتے ہیں  
 گو وہ کھاتے ہیں جو امید و فدا کھتے ہیں  
 تجھے امید یہ اے باوصا کھتے ہیں

سمجھتا رہا کہ شرمیدہ محل میں  
 ریشوں سے توڑا ہوا ہوا  
 اٹھائے گھر کو نکلے ہر شخص  
 طلب کرنے لگے کہ کیا ہو رہا ہے  
 دیکھ کر ہر شخص ہری گونہ نشیں ہے  
 سداں کو کبابوں سے اگر دیکھے تشبیہ  
 چرکین مرے کو چرکین میں کہیں ہنسنے پانے  
 پھر گفتگو سے پوچھ لگی آنے بیچ میں  
 گوئیں مائیں خوب سے ہنسنے پانے  
 تہنے آنا جو وہاں غنچہ دہن چھوڑ دیا  
 غطر کی بو سے معطر ہوا بیل کا دماغ  
 ہے مٹوڑا طفل رشک غمروں میں شہ  
 پاد اپنی سب سے چرکین ہر سے والا شہ  
 موت کے کتا ہو جسے اپنے کوچے میں لگ  
 چرکین غمروں میں لگ کر گھڑا رہے ہیں  
 کرتا ہوں عرض جان کو کہنا چرکین نہ کھا  
 کا شہ گھور سے ہر شہ کو تہ سے پیدا  
 گردن شہ پاد رندوں نے رکھا بارگناہ  
 گو کہ کھا پوچھ دندوں کو کچھ جھوٹ نہ بول  
 کوچے یا میں پھولا ہے جو کو کر مٹا  
 اُس کے رتھ خانے کی دیوار پہ کھل کچھ

بے جا وہ گرشل ہر سر فرما دیتے ہیں  
 معاصی نکر بیت انکس میں دیتے ہیں  
 سدا و تمندار کے خدمت استر کرتے ہیں  
 چلا جاتا ہوں گھٹا پاؤ صاحب دیتے ہیں  
 رغبت کرے کو یہ کبھی زار غم کاں کا  
 پاخانہ میں عالم ہو کبابی کی کماں کا  
 مہتر کو یہی حکم ہے اس وقت جاں کا  
 پھر گوز بند یار کی گفتار نے کیا  
 بوسہ طلب جو یار سے اغیار نے کیا  
 گل پہ پڑا اب کیا ہمنہ جن چھوڑ دیا  
 گوزاک لوتے جو اس غنچہ دہن چھوڑ دیا  
 موت بھر جائیگا پاکیزہ تری پناہ میں  
 دب گیا ہو گا وہ گھر کے خفاں میں  
 اس شہ کو کوئی گستاخ نہیں  
 مطلب ہم پانخانہ دلدار سے ہیں  
 ہوتا ہے دوسر تری گفتار سے ہیں  
 تو بھی چرکین چلن بنایاں کا کر پیدا  
 کھا د اٹھو انے کو چھکایا یہ خرب پیدا  
 صوفیا ہوش میں عقل و خرد کر پیدا  
 ملبو ہو گا نہ پھر ایسا گل تری پیدا  
 لید گر نور خلک کی ہوز میں پر پیدا

و صفت گیسوئے معجز من غضب جہ کین  
چمن میں چھنکا اُڑ گیا نے استیجہ کو تھینے  
نظر ٹپٹپٹہ بہاؤ میں کدوست چھٹ  
گر بیتِ غمِ بزمِ کبریاں ہوگا  
سوزِ دلِ بزمِ کبریاں ہوگا  
اگر اقرینِ بزمِ کبریاں ہوگا  
فکارتِ مازِ ازل کیسے کہے ہلنے والوں کو  
بگڑے ہوئے پارِ دل سے بچو کے  
جو لوگ شہنشاہِ ہستیاں سے مروت کے بار  
نوشہ کی چھائی ہے یہ تو ساقیاں از نہیں  
کھانا پینا موتنا گھانا کیونکر مند ہو  
گوشتِ کھانا کو صیلا کھانا کھانا کھانا  
عمرِ کبریاں کا ہوا اوت پر چرخِ چراغ  
میاں سے گوشتِ کبریاں کھانا کھانا کھانا  
جو ششِ جنوں میں ہو یہ پاسِ ارباب  
خردہ وصل آئے جائے فراق  
لگ چکے خونِ عاشقِ ناشاد  
بھلا کیونکر آئے دیکھ کر کیں محض خوار  
ہزار ہا چرخِ کبریاں میں ہستیاں کھانے  
پاخانہ وہیں ہو گیا گلزارِ تمسارا  
سید ہوں ہر کانہ کی جاسم کوں خرمین

بیت الہیہ یہ کہ کیا غیر جانکے  
 چھوٹے بچے ہر اک قسم کے ناشائستہ  
 کیا کہیں تجھے کہ کیا کیا ہوئی چرکیں کی کیا  
 مجھے جو چرکیں وہ خفت ہو گیا  
 طائر ذر در مدح غنیمت بھی  
 وصل کا وعدہ کیا بیت اللہ میں یار نے  
 تیرا شکر کہیں نہ چھوڑ کر یار کو  
 شیخ جو کہ پیر ہے نہ تیرا بے غل  
 سامنے اس کے نہ کیجے گھٹا ہر ایک سے  
 سنے اگر تم دشاں تو نگہ کارے خطرہ کے  
 قبض سے اب یہ حال ہے صاحب  
 شیخ صاحب سر مبارک پر ق  
 زندہ کہتے ہیں پھبتیاں اس پر  
 اب کے چرکیں جو درکھاؤں گا  
 موتے پر کبھی جو آؤں گا  
 تیرے گھر سے جو اب کے جاؤں گا  
 غم جو گا میں تیرا شکر ہر  
 زو جان وضعت پیری پر مہنت ہو گیا  
 رد و شب گئے سے تم نے خفا ہتھ دے  
 سامنے اعلیٰ کے سفلہ کر مائیں  
 ایک دن بھی دل نہ نہیں بت کا پسینا تو ہے  
 دہشت سے گوز بند ہے اس ناچار کا  
 تھکاوں میں گوز بڑے جو مگھنڈا کی  
 پانخانہ میں بدن دیکھ کے عریاں تیرا  
 رعب سے پیشاب خطا ہو گیا  
 گوز کے مانند ہوا ہو گیا  
 پنچہ ٹوٹا ہے رچا ٹوٹا چاٹا پانخانہ آج  
 چاہے پنچہ کا بڑا پیر نہ ہو آج  
 ہو گیا پھر آجکل کے خطا ہو گیا  
 اگر اچھا ملے گا بہت چرکیں لینے آج  
 غرض افواہ کے جان پر ہر حال اپنا  
 پاؤں نا بھی محال ہے صاحب  
 یہ مٹری سی جو شال ہے صاحب  
 لینڈ ہی کہتے کہ کھانا ہے صاحب  
 پانخانہ میں سب لگاؤں گا  
 سیر دیا انھیں دکھاؤں گا  
 موتے بھی کبھی نہ آؤں گا  
 گویا تیرا اگر اٹھاؤں گا  
 آگے آئیگا یہ دریا کا ہکا جو آئیگا  
 مہر و خوش ہو کر کیرنے دان چھوڑے  
 سامنے اپنی سگی سے ہو کر تانے ہو کر کا  
 تھا اگر گوز شتر مالہ دل ہا شتاب کا

پادنے میں شیخ کیا میرا کرے گا سامنا ۔ مجھ میں اس میں ذریعہ شکر ادا ہے  
یہ دعا ہو روز و شب چکیں کی کو گاہیرے میں بھی اب ہرگز نہ ہوں کہ گاہیرے کا

چنانچہ ۔ اس تخلص کا ایک مختصر دلائل میری نظر سے گزرا جس کے تحت اعلیٰ تحقیق کرنے پر بعض احباب سے معلوم ہوا کہ جناب ابو صاحب قلیس نے یہ دعویٰ کیا ہے جو سون لکھنؤ کے ایک باکمال شاعر نے تفسیر طبع کے لئے کبھی کبھی اس رنگ میں بھی طبع آزمائی فرماتے تھے۔ غالباً طبیعت کے استقامت اور ذاتی رجحان نے اجازت نہیں دی کہ اس قسم کے کلام کے ساتھ اپنے نام نامی کو ظاہر فرمائیں۔ ممکن ہے کہ یہ خیال صحیح ہو۔ مگر سعودی۔ اندری۔ عید زکائی وغیرہ حضرات جو بلا مبالغہ افراد کاملین زمانہ میں سے شمار کئے جاتے ہیں وہ بھی اس رنگ میں بہت کچھ کہہ گئے ہیں اور طرافت کو بھی اپنے کمال کا ایک جز سمجھ کر اپنے کلام کے ساتھ شامل کر گئے ہیں اس حالت میں اگر لکھنؤ کے ایک باکمال کا نام بھی ازمرہ ظرائف میں شامل ہو تو کچھ نقصان رسالت میں ہو سکتا اسی لئے میں نے اس تذکرہ میں نام پر یہ وہ ڈالنا کچھ بہتر نہ سمجھا۔ بہت ممکن ہے کہ میری یہ تحقیق صحیح نہ ہو۔ مگر کلام کی بھنگی اور رسالت بار بار چھلکے۔ یقین دلاتی ہے کہ کسی نوشق کا یہ کلام ہو ہی نہیں سکتا۔ ظرافت کی جستجوگی۔ شوخی۔ محاورات کا استعمال بر محل ہر ایک دیکھنے والے سے مصنف کے کمال کا اقرار لئے بغیر نہیں رہ سکتا چنانچہ انتخاب ذیل سے آپ خود اندازہ فرمائیں گے۔

اثر تھا یاد غم جس پر یارِ پرفن کا	مرے پلنگ کا ٹھٹھلا کئی من کا
یہ نامہ میر ہے بہت میرے یارِ پرفن کا	کہ اُسکے در پہ لگا ہر وقت سیکن کا
گھٹے میں ڈال دے میرے بھتی شوق کا پٹ	کہ میں نے دیکھ لیا طوق تیری گردن کا
دھواں نکلتا ہے ہر بار ساتھ تلے کے	نہ کیوں گال ہو دل ہونٹ پہ انجن کا
کرو علاج اگر سر میں بال خور ہے	لگاؤ تیل ہمارے چسپانے بدن کا

وہ آج قبر کو کھدوا کے لیگیا تھے  
نشاں مٹا گیا ہے، ہم سے مدفن کا  
دعا چناں کی ہر یہ اُسکا منہ مٹے یاب

ٹپکتی رہ رہ تھالہ کچھ سہجوں  
کٹھل ہوں باغِ جہنم میں

دیکھنا پھر تو کہے گی دھیلے  
اتنی ہر فصل خزاں کہے کو ہر برگ  
اے چناں ہرگز نہ اُس کے آئیاں کو گھینا  
آج بچوں میں لئے بیٹھی جو دھیلے عنایب

نہ تو اچھے ہیں نہ بیمار ہیں آپ  
پہلے تھے آپ نہایت لاغر  
دیکھے ہاتھ سے اپنے نہ شراب  
نہ ہیں اسبار نہ اُس پار ہیں آپ

شاید کھلی نہ آنکھ ہمارے تمام رات  
گائی جو آگے اُن کی کما رہی تمام رات  
پھر بھی نہ قطع نظر محبت میں چناں  
اُسے چٹائی نہ دے آ رہی تمام رات

نہیں تھیں سرخ چہرے کرتی تھلار کے کھانچ  
تو کیوں منہ کھولتے ہیں منہ زار کیا جہت

روٹی نہ لے گی جو ہر ٹھک کو خصل آج  
اتھک کرے خیر کھایا ہے کٹھل آج

...and the other is the fact that the

1948

نزل تمام کرتا ہوں تیمور کی طسوج  
چلتے لگا ہوں چال اینفور کی طرح  
انیس اٹھارہا ہوں یہ دور کی طرح  
کٹڈوں کے ڈھیر کرے میں طور کی طرح  
اٹے دے گئی وہ اینفور کی طرح  
سب جھکوں مجھے جو خدا کے کر کا ورد  
عبداللہ تیرے بھی ہوتا ہے ملو کہ بجاوڑ  
پھولا ہوا ہے پورا اگلا بار منور کے اندر  
تیار ہو رہی ہے دیوار منور کے اندر  
ہج آبادی نظر آئے مجھے جھگ کے پاس  
مر گئے افسوس وہ معمار خاص  
سی نہیں سکتا تری شلووار خاص  
لا حول سے غرض ہے شیطانی غرض  
و خیر ہیں یہ انھیں ہے سیدان سے غرض  
کچھ آئیں سب تھیں میں کوں کچھ خان  
جو جا بھی ساری دل مضطر کی کھان  
ہو جئے آئی دل مضطر کی کھان  
ڈٹا میں جو تباہ کبھی میر جی خاص  
برہنہ دیر تیرت برہنہ سے پاؤ غنم

صحرائے عشق میں نہیں مجھ سا شکستہ پا  
پگلے کی طرح عشق میں چہرہ اسفید ہے  
دیواریار میں گرائی ہے دوستو  
باتیں کریں گے آگے بلندی پہ آپ سے  
دیکھنا نہ کہیں ان چٹانوں کو کبھی کرک  
اعنیہ ہلا۔۔۔ کہیں وہ ہیں جگہ کی یاد  
میرا خیال ایک فقط آپ کو نہیں  
چوڑے سے پگلے ہیں اور آپ کو ٹھنڈی چھایا  
پانوں کے نام سے وہ پوچھا ہے میں چونہ  
یار کے روئے منہ ایک ترپ کچھ خال میں  
جو بنتے تھے مکانِ یارِ حصاص  
دوسرے خیاط کی کیا جان ہے  
گوئی کے کوچ بھی خوف نہیں ہے گناہ کا  
کھد جاسے مگر صدمہ پہنچاں گرتے خوب  
ممكن ہو بھلا یا کی فرقت میں کمال ضبط  
گر چند مجھ سے خیر دار نہ ہوں گے  
جس طرح سے چینے گئے مہتابِ بحر کے  
ہے ملک دل پہ تو اس شوق کا تہنہ  
آتی ہے فصلِ محرم جاؤ گھر مانگئے



کس جرم چھپتی ہوئی لکڑی بجھے ماری  
 دل بڑھتا ہے نہ دیکھا ہے  
 مبروض وہ شاید مجھے مشہور کریں گے  
 فرقت میں بھی جیسے ہیں تہہ پہل میں بھی ہم  
 عید کے دن میں لگے لپٹا وہ مجھے دھڑکے  
 بے ستوں پر ایک بورا کھڑا ہے  
 گیسٹ ہوئے ہیں لکڑی کے تیرے پر خطا جی  
 جتنے ہیں غمزدار سب کچھ شکر کی کھجور  
 عاشقہ ہر اجا عین غزل میں نثار  
 یادیدہ جانتے ہیں جھکودہ یا بد نظر  
 رات بھر رہتی ہے کھڑی ٹھٹی ہیں رسیاں  
 تیری آمد میں کچھ ایسی ہوئی لعل قاتل  
 سنتے ہیں بال کو کم کا شمع ترخیم ہسٹل  
 تھک گئے ہیں لیٹے ہیں یا رھم  
 قتل کا جو خون تھا جاتا رہا  
 رکا کے کہتے ہیں تیرے تھیلی پر مٹر  
 رات کاٹی چکے ہوئے ہوئے ہوئے  
 قصر دل کی کچھ مر مر ہے یہ ہے قصہ  
 پھر انھیں نزلہ ہوا اس سال میں  
 ہے اگر فرما دو شیریں کا عشق  
 پوریان پکین اور سہ جامہ شراب

کس جرم چھپتی ہوئی لکڑی بجھے ماری  
 اس درجہ ہوا ہے تری نرقنگا کر کوئی  
 مل لیتے ہیں چونکہ میں دکھاتا ہوں داغ  
 انحصاری یا چنیں داغ چنیں داغ  
 جسطرح سے باز آتا ہے کہو تری طرف  
 ہر جو دوشیریں تو خود آجنگی شکر کی طرف  
 بیٹھتے ہیں میں شام سے دیوار پر عشق  
 کچھو امیں نہ کیوں نہ عرق نیلو فر عاشق  
 معشوق کو دیتے ہیں اس طرح سری عشق  
 شہزادے کو شہزادی کہتے ہیں سارے لنگ  
 لے جہاں مادہ کو بند ہوتا ہے تیرے لیے  
 گر گئی ہے لکڑی یہ جیسے غم قاتل  
 اس سے جو بھرتی ہوئے ہیں کمال قاتل  
 کب سے بیٹھتے ہیں پس دیوار ہم  
 کل چرا لے تری تلوار ہم  
 بیچتے ہیں یہ در شہوار ہم  
 وہ رہے اس پار اور اس پار ہم  
 مول لینے جاتے ہیں تلوار ہم  
 ناک پھر ہنے لگی رو مال میں  
 ڈال رہے شکر جیسے کی دال میں  
 چکے جھول رہے کھنڈال میں

جھپکے آتا ہے رقیبِ روسیہ

آج یوں وعدہ ہوا ہے صل کا

ہے یہ اے فرہاد شیریں کا پتہ

اب جہنی بیگم جواں ہیں لہجہ چناں

استدر بالو سے رگڑا تن بدن

خٹکل حوا اسی نظر آنے لگی

یہ مجھوں پہ چیتا تاجِ ساراں سے

یہ بلبل کہہ رہی ہے باغبان سے

فنا کنگھی کی تیری گر کروں میں

ظہور مہر پرکتا تھا یہ تیس

تہ و بالا ہوئے جب تو کھلا احساں

ہے اُس کے در پہ سب بانگو بجا بھی

شبِ فرقت سے کہیں روزِ دُعا اچھا ہے

جسکے چہنچہ سوہر بند نہواے صیاد

جانِ عشاق کی لیت ہے تپ صفِ دای

اے چناں وہ ابھی سر لیں تو کمالیں لکھیں

وہ سا تھر خیر کے دل کے گلے جلتے ہیں

کچھ نہ کچھ ہے آج کا لاواں میں

رات کو آنا مری سسرال میں

چوہنٹیاں لپیٹی ہوئی ہیں کھال میں

اپنی شادی کیسے کئے اس سال میں

سرسے پانک ہو گئے ہم آئینہ

کیوں لگا یا تہ آدم آئینہ

میاں یہ اونٹ تم لائے کماں سے

کہا اب گرتے ہیں اڈے آتشیاں سے

جو میں جھڑنے لگیں لکھوں یاں سے

مری سیسلے نے جھوٹا تمناں سے

زمین جت ہو گئی ہے آساں سے

چلے گی آج لاٹھی پاسبان سے

سچ ہے یہ ماش کی روٹی سے سہاں اچھا ہے

تیرے نشتر سے مری ہو چھوٹا بال اچھا ہے

نزع کے وقت تو آلو کا زناں اچھا ہے

گر کہوں آپ کی بکری سے غزال اچھا ہے

میاں چناں ہیں کہ ڈھولک بجے جلتے ہیں

چونچ کوئی ظریف شوخ مزاج بہایوں کے رہنے والے ہیں جنکی ایک غزل سناؤ

اقتباس میں ملی جس سے چند شعر انتخاب کر کے لکھا ہوں۔ زیادہ حالات باوجود کاوش

۱۳۔ دل و ہمت پھرت ہیں مولوی میں  
کیا کیا کیا نہ میں نے اسے یار تیری خاطر  
تم قتل عاشقانی سے پہلے یہ سوچ لینا  
خوش قسمتوں کو شاید کوئی جگہ ملی ہو  
سر کا عشق میں بھی ہونے کو ہے روکش  
صدائے غم و غم پر آتی ہے مغربیت  
وہ دن بھی آگیا ہے نزدیک اب کہ جسد  
اندکاکرم ہے اسے جو سچ تجھ صہ

اور بی جہاں خاتم اتر رہی ہیں جی میں  
چاول پکاسے جا کر مر گھٹ پہ کھوپری میں  
الوند بول جاے دنیا سے عاشقی میں  
میری تو عمر گزری بس نو دیکھنی میں  
اب ہر ہوس کا بندہ آجائے لگائی میں  
تہذیب لڑکے حامی خوش آہٹے ہیں جی میں  
دامن فتن پہ ہوں گی نوشادہ پالکی میں  
یہ لاجواب باتیں اتنی سی کھوپری میں

**چرخ خوش** سید اقبال حسین نام ہے نبوتی ضلع اٹاؤ کے رہنے والے ہیں۔ قریب  
تیس برس کی عمر ہو گئی۔ مگر آپ کی شاعری کی عمر بہت کم ہے۔ میرے ملاقاتی ہیں دو چار  
مرتبہ کے اصرار پر آپ نے تھوڑا سا کلام عنایت کیا۔ کلام سے پتہ چلتا ہے کہ اگر شاعر  
جاری رہے تو آپ بہت جلد اچھا کئے لگیں۔ مگر افسوس کہ بہت کم فرماتے ہیں۔ اکثر اب بھی  
جو کچھ فرماتے ہیں وہ مطبوع طبع ہوتا ہے۔

شام ہی سے جو درد لہریں بوجھنے میں ہے  
کوئی مینا سنے کی جھپٹ بر کوئی میخانے میں ہے  
زندگی کا کچھ مزاج جل کے مرجانے میں ہے  
یہ اذان ویتا ہوا مرغا اسی خانے میں ہے  
اک سرا دوزخ کے اندر اک سر اٹھانے میں ہے  
فرق اب باقی زمانے میں نہ موانے میں ہے

دو رات بھر بستر پہ چلانے میں ہے  
چاند نکلا عید کا اک دھوم زندوں میں ہو  
کی وصیت ایک آنش باز نے اولاد سے  
نہیں اڑاتا ہے دل نالائی تو کر دوسرے چاک  
اسکی رسی کا۔ درازی جسکی ہے ضرب المثل  
مرد مادہ رو بنے عبرت بنی ہے نر نما

نایاب ہو کر مبارک ہو یہ غمزدار یعنی  
 ہر مسلمان کے بچے کو مسلمان کرنا  
 لیکے خوش خوش تو چاہتا ہوں  
 ہو مبارک ہتھے اے عشق کے کچھ سلیس  
 کی ہیں اُس شوخ نے حیلے پیچیدہ ہیں  
 اس چہ خوش کو بھی ذرا داخل زنداں کرنا

ایر واپس عشق کا جبے اڑا بچھے  
 معجزہ ہوا چہ عشق کے لازم سر دہنی  
 محضوں کبھی ہوں اور کبھی کبھی پھیر  
 کہتی ہے شمع جل گئی پر دانے اب ہی  
 ظالم نے میرے رونے پہ ہو ہو کے بھڑکا  
 یہ فقہے ہیں کیوں مے اشعار پر چہ خوش  
 اک تل دیا حسن دکھائی دیا بچھے  
 مٹی سی ایک مے سے ہوئی خفیا بچھے  
 اس عشق نے بنا دیا ہر و پسیا بچھے  
 اپنی خدا کی مار لگی تھپیا بچھے  
 کچھ ایسا منہ بنایا کہ ہنسنا بڑا بچھے  
 سمجھے ہیں آپ لوگ کوئی مفر بچھے

یہ سچ کے دشت میں اچکنے لگا محضوں  
 جو فیض جسے حکمت قدر کا بچہ بچے  
 بولی میں ہندی غلط لب صد ناز  
 در آئینے اک روز مری آہ کے گونے  
 شہڈی سے چلی جاتی ہو کشت جو سے جان  
 یہ جان مجھے وزخ نہ گھر سے کرنا  
 ہر عشق میں فتنہ بھی ہوا ہی مرے پاس  
 لپے کا مکاں بخور سے کچھ دور نہیں ہے  
 منصور کا پروا ابھی منصور نہیں ہے  
 ہم حور کا بچہ ہے مگر حور نہیں ہے  
 کچھ قطعہ دل تیرا بھرت اب نہیں ہے  
 دم نور کے گھوڑے کی پہلو تو نہیں ہے  
 تھانہ مرے دروازہ سے کچھ دور نہیں ہے  
 چہ کیوں مرا اصل آپ کو منظور نہیں ہے

# حرف حا ح طی

**حالی**۔ خواجہ الطاف حسین نام۔ حالی تخلص۔ آپ کے والد خواجہ ایزد بخش صاحب کا سلسلہ نسب حضرت عبداللہ انصاریؓ تک پہنچتا ہے۔ آپ پانی پت کے رہنے والے تھے جب مولانا حالی کی عمر نو سال کی تھی اس وقت ان کا انتقال ہو گیا تھا اور اس کے بعد ان کی تعلیم و تعلم کا سلسلہ جاری ہوا۔ جس کے کامل ہونے پر راجہ اہالی ملک کے ان مشہور اہل مسلم میں شمار ہوئے جن کو زمانہ کبھی بھلا نہیں سکتا۔ آپ کے منہ میں حالات جا بجا ملتے ہیں اس لئے ہم یہاں مذہب کی سوانح حیات سے بحث کریں گے اور نہ آپ کی حکیمانہ شاعری سے بحث کرنا مقصد ہے۔ بلکہ ہم اس تعجب کو دفع کرنے چاہتے ہیں جو غلط فہم کے تذکرہ میں مولانا حالی کا نام دیکھ کر اہل نظر کو ہو گا اصل میں تعجب کیا ہیں اس راز سے آگاہ نہیں ہیں کہ مولانا حالی وہ ادیب باوہ شاعر تھے جن کا مرتبہ تمام اصناف سخن میں یکساں ہے۔ جس طرح وہ متین شاعری کے استاد کامل ہیں جس طرح انھوں نے ملک کو ایک شاہراہ ادب پر لگا دیا۔ جس طرح ان کی خدا داد قابلیت نے ایک اختراع کر کے شعر گوئی میں جدید طرز پیدا کیا۔ اسی طرح انھوں نے ظرافت میں کمال دکھایا۔ مگر ظرافت کو ہنس مٹا دینا یا ہزل گوئی یا فواہشات کی حد تک نہیں جانے دیا۔ بلکہ بدیہہ گوئی اور ہزل بھی تک محدود رکھا۔ حکیمانہ ظرافت کی تصویر کھینچ کر دکھا دی اور اس مناسبت کی وہ صورت بنا دی جس پر سے ہزاروں فہم خیال قرباں کیجا سکتی ہیں۔ جہاں تک غور کیا جاسے مزاح نہ خوشنودی کے پیکر جسم کی بے قعدہ و تصویریں نظر کے سامنے پھر جاتی ہیں۔ اور ظرافت سے حقیقی مقصد و ظرافت حاصل ہوتا ہے۔ بعض جگہ غث کو اس انداز سے ظرافت کا ہمدوش

میں چاہتا تھا کہ میں غم نہ کھوں، مگر غم کی آواز سننے سے دل کی آواز سننے لگتی تھی۔  
 شاہنواز غم کے پہلو بھل کے جب کوئی ہندوستان کا ہندوستان بھل کے  
 وہ لوگ کثرت سے ملیں گے جن کے یہاں ہندوؤں کی خاطر کے رگہ و ریغ سے ظرافت کے  
 مجسمہ کو چمکایا جاتا ہے اور اس کے ماحصل سے سخت غفلت کیجاتی ہے۔ مولانا حالی کے  
 یہاں وہ قالمیہ سیران اور مجسمہ بے روح نہیں ہیں۔ ان کی نظر افستہ ہے۔ ان کے دل پر کھینچے یا  
 چٹکیاں۔ دل و دماغ اس سے مسرور ہو جاتا ہے۔ اور روح کیف نشاط سے مخمور۔ مگر  
 ظاہری مشائست کبھی جانے نہیں پاتی۔ میں نمونہ کے لئے چند شعر لکھتا ہوں۔

ہم نے ہرگز نہ جانتی تھی کہ یہاں کفر و جہنم	جلع رنگیں تھی تھے عشق کی جستجالی
اپنی رو واد تھی جو عشق کا کرتہ تھے بیان	جو غزل لکھتے تھے ہوتی تھی ہر اسر عالی
اب کہ لست ہے نہ پامت نہ جوانی نہ رنگ	سر پہ سودا ہے تھی عشق سے مل رہی خالی
گر غزل لکھتے تھے تو یہ لکھتے غزل میں آخر	نہی چیز وہ مضمون سمجھانے والی
ہاں مگر کچھ کچھ عشق کا غیر ہے کیا	لائے بارغ سے اوروں کے لگا ڈالی
کھینچنے و صل صنم کی کبھی فرضی تصویر	کیجئے دردِ جدائی کی کبھی لغتِ عالی
پر یہ ڈر ہے کہیں اپنی بھی دبی ہوئی تکرار	تجربہ چوں پیر شویشم کند دلالی

کہتے ہیں ایک امیر زاوے کو	تھا حدنگ انگنی کا شوق کیں
خصلتیں جو امیر زادوں میں	لازمی ہیں وہ کیں بھی سہیں
واہ واسنتے سنتے یاروں کی	ہو گیا تھا ہنس کر اپنے نقیں
الغرض ایک روز صحرا میں	جبکہ تھے ساتھ سب جلیں و قریں
مشق تیر انگنی میں تھا مصروف	کر رہے تھے خوشامدِ تخیں
آکے دیکھا جو اک ظریف نے حال	وجہ تحسین ہوئی نہ ذہن نشیں

جاکے بھولے سے بھی نہ پڑتا تھا  
کچھ جو شوخی ظریف کو سوچتی  
خاک تو دوپہ ہو کے جا بیٹھا  
ناوک انداز بولا حیلہ کر  
عرض کی چارہ کیا ہے اسکے سوا  
دوسے ان بے پناہ تیر دل کی  
نچھکو ہر پھر کے خش جہت پر حضور

تیرا مانجیگے کوئی تیرے  
رکھ کے مالامال طاق سب ٹھیک  
لوگ کرتے رہے چنان چنیں  
کوئی تجھ کو جنوں سے لے لیں  
جبکہ جاسے گریہ نہ ہو کہیں  
کلیں جوں دار کو اماں نہیں  
امن کی اک بند ملی ہے ہمیں

ابن سل وعقد ہوا بقیع اس لیے  
سید احمد خاں کو کا فر جانا اسلام ترک

سید احمد خاں کیا کہنے سے بچا اکابر  
آپ بھی نام خدا ہیں تارک موم مملو  
چشم بدو آپ کا بھج جیکہ نہ ہو سید  
سنکے فرمایا اگر ہو پوچھتے اندھاں سے  
نچ کر اسکا نہیں مجھ کو کہ وہ ایسا ہو کیوں

کس لئے یہ سے صاف کوٹھڑا لائیں  
اور سلوک اسلام سے فرار کیا چاہیں  
پھر یہ سید پر تبر آپ کو نہیں لیں  
بات یہ ہے سن دینا جب تم سے پوچھ لیں  
بلکہ ساری گرفت سلی ہو کر بند لیں

عادۃ تھی اگر فقیہ کی کہنا تھا جب ال  
مدت تک اسکی جب یہی دیکھی گئی روش  
بول کہ عادت اس لئے کہ یہ اختیار  
پہلے ہو گیا اگر انوں سے ملتی تھی نہ بھیک  
پر جیتے ہو سوال کا اس قوم پر مدار

انکر بڑے سوانہ کسی سے تھا ناگتا  
پوچھا کسی نے اس کے اسکا سب سے کیا  
چھت چارے تاکہ فحش لیکھا سوال کا  
آواز نہ لگتا بس ہر جگہ کیا کے مزا  
مدت سے غریب سے کبھی ملتا نہیں تھا

ایک مسرت نے یہ مسک سے کہا  
تو جویوں رکھتا ہے دولت جو بھڑ  
ہنسکے مسک نے کہا لے سادہ بچ  
آج ہی گویا نصیب دشمنان  
کب تک اسے ناداں یہ جتیل وزر  
ہے سدا دنیا ہی میں رہت نگر  
زر لٹانا راہیگاں اور اس قدر  
آپ کا دنیا سے ہے غم سفر

فقہ شہر نے ایمان کی جو کی تعریف  
کہا فقیلہ اقرار باللساں پر ضرور  
کہا کسی نے کہ کھانا نہ زرا کہ تیل  
تو ہی چراغ سے اُسکو بہ کب تابثال  
جہاں ہوا آتش تیرے دماغ اعمال  
نہیں ضرور فقیلہ کا ہیں استعمال

کہہ رہا تھا یہ اک آزاد کہ چرخیں ملایا  
نہ انھیں حاجت احوال نہ تلاش الضاء  
پر نہیں رابطہ جس قوم میں اور کبھی  
نہ ملازمت کے لئے تو نہ خندق بیل  
ایک ملانے صاحب یہ سخن فرمایا  
اتفاق اور اتفاق اہل یہ کچھ چیزیں  
واں نہ ملت کی ضرورت ہے کہ قوم کا ڈر  
کہا آزاد نے سچ جو کہ وہ ہے ساتھ اگر  
پر مجھے خوب ہے اللہ کی عادت معلوم  
دولت و محبت ہر حال میرا نکلے ہمراہ  
نہ انھیں خوشہ بدلتے نہ بیم بدخواہ  
اُسکی دنیا سے یہ سمجھو کہ گئی عزت مجاہد  
نہ مفید ان کے لئے فوج نہ لشکر سپاہ  
تکلیف اور اس قدر اسباب پہ کرنا ہو گناہ  
دست قدرت کے جو سب ہاتھ مفید و سیاہ  
پر گئی فضل کی مولا کے جہاں ایک نگاہ  
کر دیں افراد پر گندہ جماعت کو تباہ  
اُسکو بہ کیا ہو دیکھا ہے تھوں کے ہمراہ

باروں نے کہا مسرت نگاہ تجب اسکے  
وہ خطہ ملعون تھا جی جی کی بدولت  
فرعون کا تھا مصری نے مغر چلایا  
تھا دل میں خدا کی کا خیال اُسکے سلایا



میں بھی اُسے اک باغی طاعنی کے علی الرغم  
 کہتے ہیں خضیب غلام حبشی تھا  
 کی سلطنت مصر کی باگ لے سکے حوالے  
 باڑی گئی یہ ایک برس نیل کی رگوں  
 فرمایا کہ رودی کی جگہ بوتے اگر اُطمن  
 اک بندہ بقدر کہ بخشوں گا خدایا  
 جس پر نہ چڑا تھا خرد و ہوش کا سایا  
 ناہل کے پیچ میں اہالی کو چنڈا یا  
 یہ حادثہ آؤ سکو کسانوں نے سنایا  
 ہوتا نہ یہ نقصان کہ جو تم نے اٹھایا

اشناے وعظ میں ہے حکمیہ کلام اعظ  
 گویا کہ حرص اُسکی اس سے بھی نہیں ہے  
 قدرِ قلیل ہے سب مال و منافع دنیا  
 جو حصہ در فراہم پاس لے سکے ال دنیا

خوشا مد کرتے ہیں آ کے جو لوگ  
 خوشا مد پر نہ اُن کی پھولست اتم  
 کہ جو ہم نے بیاں کیں خصلتیں نیک  
 تمھاری ہر دم اسے ارباب دولت  
 وہ گویا تم کو کرتے ہیں علامت  
 نہیں انہیں سے تم میں ایک خصلت

پوچھا کسی دانا سے سب کیا ہو کر کثر  
 لیکن بجز اُن اسکے جو عورت کو چاہا ساج  
 فرمایا کہ ہوتے ہیں جہاں مرد جہاندار  
 اور سر پہ ہے عورت کے جہاں افسر شاہی  
 مردوں کی حکومت ہے ہر ملک کی برکت  
 وہاں ملک ہو سرنہ اور آباد رعیت  
 قبضہ میں ہو باں عورتوں کے ہوت و کثرت  
 سمجھو کہ ہے اُس ملک میں مردوں کی کثرت

بشر کے حد سے ہوتا ہے ہنر کر مال  
 کہ ایک ہنگی ہیں سب نیاں صفار و کبار

۱۰ دلی کے نواح میں باڑی خسرو کا پاس کے کھیت کو کہتے ہیں ۱۰

یہ صد مرگ غلطی سے کسی کی پڑتا ہے تو اور بھی اُسے دیر لے لے انھوں نے فشار  
یہی سبب ہے کہ ہوتے نہیں طیب ملل جو چل بسے کوئی ان کے تالیق میں پیار  
وہ جانتے ہیں کہ تھپہ جو بیگن غنہ پیر کیا ملال کا اپنے گراس جگہ اظہار

## رباعی

زاہد کتا تھا جاں ہے دیں پر قرباں پرایا جب امتحاں کی دو پرایاں  
کی عرض کسی نے کئے اب کیا ہو سکتا فزیکہ کے لئے زجر جزیرہ جہاں

## ایضاً

ہر عشق طیب دل کے پیاروں کا یا گھر ہے وہ خود ہزار آزاروں کا  
ہم کچھ نہیں جانتے پراتنی ہے خبر اک منشدہ دلچسپ ہے بیکاروں کا

پڑ چھا جو کائنات نام ترقی بشر یاروں سے کہا پیہ مغال نے ہنس کر  
باقی نہ رہے گا کوئی انسان میں عیب ہو جائیں گے چھل چھل کے عیب منہ پر

اک منعم مسرت نے یہ ناپہ سے کہا کرمیرے لئے حق سے فراغت کی دُعا  
عابد نے کہا یہ باقا اٹھا کر سوئے چرخ محتاج کرا سکو جلد سے باز خدا

جب تک کہ نہ ہو دشمن احوال پکا ہوتا نہیں مومن کا ابایاں پکا  
ہم قوم کی خیر مانگتے ہیں حق سے سننے ہیں کسی کو جب سلساں پکا

دیکھو جس سلطنت کی حالت درجیم  
یا تو کوئی بیگم ہے مشیر دولت  
بھجو کہ وہاں ہر کوئی برکت کا قریب  
یہ ہے کوئی مولوی وزیر عظم

یاروں میں نہ پایا جب کوئی عیب  
جھوٹے کو نہیں ملتا شرا حبوت  
سما فرما د اعظ نے انھیں اور گراہ  
لاہ پڑا کہ اپنے عیب پہ گواہ

کنا فقہا کا مومنوں کو بے دیر  
مومن سے ضرور ہو گا مرفیہ مال  
سننے سنتے یہ ہو گیا جھوٹا  
تکفیر بھی کی تھی فقہانے کہ نہیں

واعظ نے کہا کہ وقت سب سے اہل  
کی عرض یہ اگ سچے نے اٹھا کر حضور  
اک وقت سے اپنے نہیں ملتی تو اہل  
ہے شکیں کا وقت بھی سب سے اہل

حجام یکہ تاقیہ بیت اللہ نامی، تخلص ہوا جس کا حصہ، وطن ہوا، انہور تھا۔  
مگر آب و ہوا کی کشش اور اپنے پیشہ کے چمکانے کی ضرورت سے دہلی میں قیام رہنا تھا۔ اور  
یہاں کی خاک پاک سے وہ انس ہوا کہ وہ بھی یہیں رہے۔ طبیعت میں شعر سے قدرتی لگاؤ تھا  
مرزا فیض سودا سے انداز جیتے تھے اور اس وقت کے تمام مشاعروں میں شریک ہوتے تھے  
دہ لہان کچھ آجکل کا سا نہ تھا کہ لوگ اس کے پیلے پہلے بیٹھنے سے نا کرتے۔ بلکہ وہ لوگ  
فن کے قدر دار ہوتے۔ چہ کہ ایک خوش فہم خوش مذاق شخص تھا۔ اسی لئے ٹیپے ٹیپے ٹیپے  
اپنے مشاعرہ میں ہلاتے تھے۔ بعض شعروں میں غزلیہ کے طریق پر اپنے پیشہ کو ذکر کرتا لوگ  
آخرین کرتے اور جی کھول کر دلا دیتے۔ مولانا فتح الدین رحمہ اللہ کی راضی میں جو اور مکمل  
کو خطاب لگایا کرتا تھا۔ اور مولانا ہی سے بیعت رکھتا تھا۔ مولانا نے تبرکاً ایک پوشاک

اور دستار دیدی تھی یہ فخریہ اُسکو پہنتا تھا۔ اور ہمیشہ اپنے دامنِ حال اور وقعِ قطع کو روشِ درویشانہ سے مزین رکھتا تھا۔ اسی بنا پر اہل محلہ اسے شاہ جی کہا کرتے تھے۔ تمام تذکرہ نویس اس کی خوشگونی کے مقرر ہیں۔ چنانچہ مصحفی اپنے تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ اچھا شعر کہتا تو اس کے خیالِ بال سے زیادہ باریک ہوتے تھے۔ مٹرائیت فیلن نے اپنے تذکرہ میں لکھا ہے کہ ۹۳ء میں اسکی عمر ۳۵ برس کی تھی۔ اس شعراظر بھانہ کا انتخاب یہ ہے۔

روزِ رخسار کے لیتا ہوں منہ خوباں کے	بہتر اس شغل سے حجام نہر کیا ہوگا
کیوں مجھ کو ستا ہی تو تارِ کروشِ گردوں	میں نائی کا بیٹا ہوں کس سہ رنگِ رگڑوں
آجکل کے خبر و دیکھے تو ہیں سیکھنے کے	ان تلک حجام ہی پہنچنے یہ حجام تک
خوابِ نیسب بھی پنچا رسائی نہیں ہاں	حجام کس طرح سے ملیں کیا نہر کس
قیسوں پر میاں پڑتا ہوتا سوتھے بانی	بلا حجام کو جس روز تم حجام کرتے ہو
اس شوخ کے کپے میں بنایا کر دجھا	چھن جاسینگے اک روز یہ اور اٹھارے
کل میاں حجام سب کو ڈھرتے پھرتے تھے	آج اس کپے میں ان کی بھی حجامت ہوگی
لگ چلے جو اس شوخ سے ریت میں تلبے	جھنجھلا کے یہ کہتا ہو کہ حل دور نہ لے

حجام کسی دار کے رہنے والے حجام کا تخلص تھا جو غازی الدین خاں کے مدرسہ کے مدرس رہتا تھا۔ میر حسن نے اپنے تذکرہ میں اسکا ذکر کیا ہے لیکن نام نہیں لکھا۔ اور خیال ظاہر کیا ہے کہ غائباً کسی سے اصلاح نہیں لیتا ایک شعر نمونہ لکھا ہے۔

کام کیا زور پر حجام نے شیخ کی وارھمی کو قصر کر گیا

حرق۔ میر حسن مرزا نام میرا شرف علی مرحوم رئیس ڈھاکہ کے نواسے اور میر علی آفغا

اور غلام حیدر عجیب کے شاگرد تھے شاعر میں نسخہ کے تذکرہ سخن شہر الیٰ قریب نے وقت  
زندہ و خیریت تھے شعروں میں طریقہ رنگ بھی شامل بہتا تھا۔ نمونہ کلام

بھٹی غم دکھا کر اپنی وہ غم سے یہ لپٹے      کسی عیارِ نامحرم کی یہ چالاک تھی ہٹ  
تھیں صورت کا غہ پر تیرا دل کا مج سے      تھا احسن منگاہ تو کسی جاں سہی ہے  
ایک بندہ کی بھی جان بخشی نہ کی      اے بتو تے خدائی چوہی کی

**حرفِ لالہ** شایم لال سائیکل میکساکن لکھنؤ کا تخلص۔ جو درو وجودہ کے

ایک ظریف شاعر ہیں۔ نمونہ کلام یہ ہے۔ زیادہ حالات معلوم نہیں۔

تیرے عاشق جتنے تھے نہ کہہ سکتا تھا      کوئی دھوکا اور تیرا ایک دوسرا ہوتا تھا  
دیتا رہتا رہتا بالبل کے کتے کا کھن      چھپتے تھے لٹکتے مجھوں قوم کا بازو تھا  
سیکڑوں دیتا تھا تا تو قیس سے پر بند کو      ناہ لیسے ابھی کہے کوسٹ کیو تر بازو تھا

بارہ وصل کی شب ایک تن تو ش مجھے      ہٹے ہٹے کہیں اب کیجے سا کوش مجھے  
آیا تخلص تو بولا مرا کسن دلبر      اچھا اچھا کوئی لے دیکھے خرگوش مجھے  
گالیاں سنکے جو میں طال دیا کرتا ہوں      اپنے در پر دیکھتے میرا گراں گنہگار مجھے  
ڈر گیا دیکھ کے میں، سکی نصیب اک نہرت      جیسے ہوش ہوں آج نہیں ہوش مجھے  
اُن کے ہمشیر بھی کر کے کاراں ہے جلن      کون کھتے ہیں قہرِ قہر میں جہوش مجھے  
رہے کہتے ہیں کہ عید لگئی اب سرِ حرفین      آپ لا دیجئے یہ لفظ کہ پیش مجھے

**حزین**۔ ایک ریختی گو کا تخلص ہے جن کے انداز کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ اب سے

نہیں چالیس برس او دھڑکے شاعر ہیں۔ ریختی میں وہ لطف نہیں ہیں۔ جو ان کے معاصرین

رہیں یہ بات نہ سب کے لیے بہت تر کہم یہ ہے۔

پہنا گلے میں تینے جو پھولوں کا ہے  
سید مجاہد خیر اور حسن پہ کیا ہی ہوا ہے  
ہوتی ہڑبڑھی گر کروں سیدھی طرے با  
گھوٹے پر آج باوکے سہمیں ہوا ہے  
سعدی بتاؤ تنکو یہ کیسی ہے بے کلی  
آرام نکا و اور نہ اک دم قرار ہے  
سو کھا ہی اس نے پار تارا قریب کو  
سعدی ہمارے خوب سلیقہ شمار ہے  
سعدی بہن حزیں سے تم نہ لگاؤں کرو ذرا  
لاؤں تھکاتے منہ کے کڑیا کھا رہے

حکیم مولوی محمد سید اہوت اللہ تعالیٰ نام ہے۔ آپ اللہ تعالیٰ میں ہیں۔ لکھنؤ کے مشہور  
خاندان علمدار افغانی محل سے ہیں۔ قابلہ ہیں۔ عربی و فارسی نہایت اچھی ہے۔ نیک طینت و سار  
خوش خلق ہیں۔ دو زبانیں بگڑا میں شعر کہتے ہیں۔ مگر رنگ و بزم طبعیت پر زیادہ غالب ہے  
اور اس میں اپنی خودی طبعیت سے شہرہ بگڑا کہتے ہیں۔ اگرچہ راقم مذکرہ کے عنایت فرما ہیں  
مگر یہ معلوم نہیں کہ مستقل اس سے اصلاح سخن میں امتداد دے سکتے ہیں۔ ایک دو مرتبہ میں نے  
خود دیکھا کہ حضرت نثار احمد کو غزل رواروی میں سرشار و دکھائی۔ آپ کے کلام میں شوخی  
بھی بہت اور شوخی کے ساتھ ایک خاص قسم کی شائستگی بھی پائی جاتی ہے۔ سوقت آپ کی عمر  
تخمیناً ستائیس اٹھائیس برس کی ہوگی۔ اگر پوچھی مشور سخن جاری رہی تو مستقبل نہایت  
کامیاب ہو گا۔ موزہ کلام یہ ہے۔

دیکھو آپ کے انداز استعارہ مسیان نکلا  
نشان بھی بے نشان نکلا مسکان بھی لا نکلا

غیر چھتیس میں چار لڑا میرا خوب ہے  
پہلے بند تیر چو پنے جو تھے پچھلے سے  
لاؤں کیس چلاؤں گا میں پچھلے ساقی  
مے پلائی مجھے ٹوٹے ہوئے سمانے سے  
روکے دست جفا رکھے ورنہ اک دن  
طہریوں توں پھیسے گی غم کو تھکاتے سے

قبل از سوال میں نے نیکوین سے کہا  
مفعول فاعلات متاعیل من اطن  
بلے پوچھے آپ کیوں چلے آئے سرزمین  
کچھ اور ہو گئیں تری نکھیں غار میں

مار ڈنڈوں بھڑپیتا عشق کے اظہار پر  
داشادہ لیسر کھٹکھٹا ہر پتہ مجھ پر  
فکر کر محضوں کی ملی لکا کوئی بکھائی نہ تھا  
کیوں کوئی شریک شام تنہائی نہ تھا

قید میں جیسا دلچسپی نے ستانے کیلئے  
باغ میں ٹولہ ہر پتہ پر نہ کیا  
TOILET

دوسرے کیوں نو پید اول شیدائی میں  
دیکھ لیتا ہر پتہ پر لے لے دل جھکو  
ختم ہے تیل چراغ شمع نور میں  
پھاڑ کھاتا ہے رنگہ رنگہ ہر پتہ پر جھکو  
قیس کہتا تھا ہر پتہ پر لے لے دل جھکو  
ماخذ آجائے اگر پردہ غسل جھکو  
اگر چڑھی ہر پتہ پر لے لے دل جھکو  
واحد راستہ ہے ہر پتہ پر لے لے دل جھکو  
یہ عقیدہ کیا کہتے اور جانتے کہ بھڑپائی  
بیٹے سزا دہ پر اک زور سے چپکائی  
جو لہجائی تھیں کچھ روز کو واجد علی شاہی  
ہوئی ہے رشتہ بند میں ہر روز دھڑک  
چراغ میرے لحد کے بکھائے جاتے ہیں  
پاؤں کی لٹنی ہوئی انگلی نکھائی عجیب  
عند کی بزم میں ہر پتہ پر لے لے دل جھکو  
اور بچا گو صورت بیمار جہاں دیکھ کر  
منہ جو نہی پھر لے لے دل جھکو  
یاد آتا ہے مجھے خار غیلاں کچھ کر

# حروفِ خا

خضر فراری ایک تومند قوی ہیکل اور پہلوان تھا۔ جوش و خروش اپنی زندگی  
گزارتا تھا۔ شریعتی کتا تھا اگر وہی بادشاہ رنگساہ تھا۔ بہتا تھا۔ شراب نوشی کی وجہ  
سے ہر وقت مہر و مدد ہوش رہتا تھا غرض کہ ان کے تخلص کو دیکھتے ہو۔ پیش  
پورے طریق سے اسبر صادق آتی ہے صبح برعکس منہ نام زندگی کا دور  
عورتوں کی صحبت اور صورت سے نہایت متعجب اور اندازہ کیا کرتا تھا۔ یہ  
دو شعر نو کی ہیئت ہیں۔

دندانِ دانی اگر ز سہ ہوتا  
موت سوزنِ امر و از کف گذار  
نہ جز جوانِ زندہ سر مست مہر  
سر رشته دولت است از دست مہر

خلیفہ۔ درجی حجام کا تخلص تھا جو دلی کا رہنے والا تھا۔ رنگ و غیرہ کا تراشوقین  
زگیں مزاج بذلہ سچ خوش طبع ترین تھا۔ یہاں از شاعری میں طاق تھا۔ تذکرہ نگارستان  
کی ترتیب سے پہلے مرچکا تھا۔ ایک مرتبہ کسی بیان کی جو میں جو شعر کے سچے اور نہیں ہیں کا  
ایک یہ شعر ہے۔

اوند ہائے ہنچ سدا ہر جوان کے  
تا لوگ یہ کہیں کہ کبھی جیتائیں ہوا

خلیق۔ دلی کے رہنے والے ہیں۔ استعداد علمی معمولی ہے۔ مگر شعر و شاعری کا  
شوق معمول سے کچھ زیادہ ہے مثنیٰ چند رجحان کبھی۔ اور سائل۔ بچہ کی کے شاعر ہیں



دیکھا تھا۔ اب تمہیں چالیس برس کی عمر ہو گئی۔ ایک نظم چار فیضیوں نے کہہ کر ہریش کے جلتے ہیں  
 زمانے کے شب بدلتی ہے رنگت کہ کالے ہن گئے گوروں کی صورت  
 بڑھی تنگنائی اور کار کی زینت دو پہلی ہی خصلت ہے نہ عادت

اڑے پھرتے ہیں انگریزی ہوا میں

کے روکس کے فیشی سے تھکائیں

مگر شہر شہر اپنے زمانے میں ہے جوا میں بھر رہا ہے یہ زمانہ ہے

نئی تاخت کی گرمی خون میں ہے کڑوں کوٹ میں چلوں میں ہے

پڑاؤں کی وہی چالیں پڑائی

سروں پر تو پیاں ہیں گامدانی

یونیفیشن کی ایسی چڑھ جاتی ہے شک با حقور نے پاکستہ میں ہے

سخی کالال قسمت کا دھنی ہے وہی کرتا ہے جوداں پر چھین ہے

کوئی کتے ہی پیٹے غار میں ہے

مٹلے ایک چپہو کو ہرکے

زمیں پر پاؤں بھی تھرتھیر رہی کسو کے باپ سے ڈرتے تھیں ہیں

بزرگوں کا ادب کہتے تھیں ہیں پڑائی چال پر مرنے نہیں ہیں

تکلف میں ہیں تھکے ہیں سے اسر

ڈٹے ہیں باپ دادا کے برابر

کوئی لیتا ہی نہ دیکھتا ہے جسے ہو ہے پتہ کے یہ اسے ہو ہے تیرا

ایسے پھرے ہیں تیرے ہوئے ہیں جسے کہہ سکتے ہوئے ہیں

نہیں منظور دم بھر کی جدائی

پیشہ و پیشہ کی کہانیاں

بدل کرو پمس روزی بنایا بڑے دن کو کلب گھر میں بنایا  
بغل میں ہاتھ دے دے کر اٹھایا سمندر ناز پر کوڑا لگایا

چہر غٹو ہوے ہیں سادگی پر

نہ بالے ہیں نہ پتے ہیں نہ جھومر

نہ غمزہ ہے نہ شوخی ہے چمک رہی نہ سی ہے نہ سرمہ ہے نہ کا جل  
دوپٹہ نہ جھینڈا ہے نہ آنچل نہ چڑی پاؤں میں اپنی جگہ

نہ پتہ کان کے اندر نہ بالی

نہ پاؤں کی لب رنگیں پہ لالی

بھجی کر جسے گدرا یا ہوا ہو جو مینی تال سے آیا ہوا ہو

بدن چربی سے چکنا یا ہوا ہو براڈی کا نشا اچھایا ہوا ہو

کمر میں ناز سے پٹی کسی ہو

نہ پریشاک پھولوں میں بسی ہو

کسی کی نوجوانی کا ہو جو بن کمر پتلی صراحی وار گردن

کرے انٹیکلیڈ سے پیگیشن گلے میں ہاتھ ہو ہاتھوں میں دامن

دکھائے کھیل ٹینس کے نزالے

کھلے میدان میں گیندیں اچھالے

برابر بیٹھ کر جاے فٹن میں کسی لیڈی سے ملنے کو مشن میں

تکلف سے نہ شرائے ٹفن میں کہ ہپ ہپ کر کے لکھ جائے دہن میں

جگر میں چمکیاں لے گد گدا کر

رجھاے دل پیا نو کو بجا کر



ظفر افندہ کے رنگ میں شعر کہتے رہے۔ شہین شعر کہنا شروع کئے۔ اس رنگ  
 میں نہایت عمدہ شعر کہنے لگے تھے۔ مگر قصانے مہلت نہ دی ۲۲-۲۵ برس کی عمر میں ۱۹۲۶ء  
 میں انتقال کیا۔ اول اول میں باقر صاحب حمید برادر خود پیارے صاحب رشید مرحوم سے  
 اصلاح لیتے تھے۔ اُن کے انتقال کے بعد احمد خاں صاحب نظم کو اپنا کلام دکھایا۔ آخر میں  
 محمد جعفر صاحب بہار سے مشورہ سخن کرتے رہے۔ راقم تذکرہ کے لیے محترمہ: دو مستند شاعر گنجشہ  
 شعر سننے اور سناتے تھے۔ خود مہینی اور خود ہندی مزاج میں زیادہ تھی مگر نہایت سخن سنج خلق  
 ہوسے رہتے۔ وہ کیسے ہوتے چند نثر نگار تھے۔ ان کی کوشش اپنے نام سے نہ کیا کرتے تھے۔ کم رو۔  
 میانہ قد۔ ساؤلارنگ تھے۔ سرائیکی زبان میں لکھتے تھے۔ ان کی شاعری بہت اچھی تھی۔ نہایت بد نما  
 معلوم ہوتا تھا۔ اس لئے جب ہنستے تھے مٹھو پر دوا لیا کرتے تھے۔ کلام  
 ضائع ہو گیا۔ اور بعد از وفات کی عمرت ایک شعر یاد رو گیا ہے۔ یہ کھنڈ ہے۔  
 میں ایک سنہ بول کر گئے تھیں کہ  
 چھپڑنے لگا تو میں غاموش ہو گیا





بہت پہچانے ہوئے تھے کہ یہ کون سا آدمی ہے  
میں شہر شہر میں گشت کرتے تھے وہ

ایک بار کچھ آدمی سٹپٹے ہوئے  
اُن میں تھا ایک شخص ایسا بھی کہ جو  
ہوتے ہوئے ہر جگہ ایسے لگے سب  
جھوٹ کتا تھا مگر سچ کی طرح  
جو یہ بات یاد کر دہر قسم کا  
باتوں باتوں میں کہا سنا جانے  
سن کے یہ بات اور تو سب چپ ہے  
ایک کے دل میں یہ شک پیدا ہوا  
اس سے کہو حالانکہ اُن کے پوچھے  
اُن سے پوچھا آپ کا ہوتا تھا وہاں  
سن کے اُن کے منہ سے یہ سنا جانے  
بوسے جی ہاں اُنکی خدمت میں تو میں  
آج دنیا میں نہیں اُن کا جواب  
اب تو بڑے ہوتے جاتے ہیں بہت  
سن کے یہ سب نے لگا یا تھوڑے  
اک کتوئیں کا نام ہے زمر دہاں  
جب نہ بن آئی کوئی معقول بات  
اُس زمانے میں تو تھے وہ آدمی

کر رہے تھے گفتگو باہد گر  
کر چکے تھے انہیں سرگین کا سفر  
وہ مگر اور دل سے تھکا چکا ہے  
اُس کی باتیں تھیں نہایت پر اثر  
کر رہے تھے بحث ہر مضمون پر  
میں عرب میں بھی رہا ہوں سال بھر  
سب نے اس کا قول سچ سمجھا اگر  
کیا قہر چھوٹا کت ہو اگر  
سو چکر یہ اُس نے قصہ مختصر  
خدمت زمر میں بھی گاہے گزرا  
سمجھا زمر نام ہے کوئی بشر  
روز حاضر ہوتا تھا وقت سحر  
بے تقدس ختم اُن کی ذات پر  
کیوں نہ ہوں ہیں بھی تو شہرے اُدھر  
اور کہا اُنکو نہیں یہ بخوبی خبر  
آپ یہ سمجھے کہ ہے کوئی بشر  
تب کہا سنا جانے بوجھ نیپ کر  
ہو گئے ہوں گے کوئی اب کیا خبر

**رنگ**۔ حافظ سراج احمد نام تھا۔ مراد آباد کے رہنے والے تھے۔ مگر نہایت مہیاک  
پکھڑے تھے۔ تمام شاعری او بانشاند اور مہیا کا نہ رنگ میں ڈوبی ہوئی تھی ایک شعر تہا بل  
اندراج مل سکا۔

شیخ جی کا بھی انتقال ہوا کوئی دنیا میں مسخرانہ رہا

**دکانا** تخلص تھا ریختی میں۔ مگر متین اور عارفانہ کلام میں مجید تخلص کرتے تھے  
منشی اسد اللہ نام تھا۔ علی جان کے عرف سے معروف تھے۔ مقام چیمڑہ ضلع مہنگی کے باشندہ  
تھے۔ ران کے آباد اجداد کا وطن قدیم دلی تھا۔ مگر ولندیزوں کے عہد میں کچھ اسباب ایسے  
ہوئے کہ ترکہ وطن کر کے یہاں کی سکونت اختیار کرنی پڑی۔ اور یہی قدیم وطن ہو گیا۔ چنانچہ  
دکانا میں پیدا ہوئے مگر چونکہ والدین کو تعلیم و تربیت کا ہر وقت خیال تھا اس لئے  
چیمڑہ میں اسکا انتظام کافی نہ دیکھ کر ان کو کلکتہ تعلیم کے لئے بھیج دیا۔ اور یہیں تعلیم پائی۔  
کہ ابتدائے عمر میں شعر و شاعری کا شوق پیدا ہوا۔ انشاء اللہ تعلیم و تربیت ہی مہر شعر و شاعری  
کی طرف جھک گئے۔ کلکتہ میں اُس وقت مولوی عبدالغفور نساخ ایک کامل الفن استاد تھے  
جو عہدہ ڈپٹی کلکٹر ہی بہا نیرا مور تھے۔ چنانچہ انھیں کو انھوں نے کلام دکھانا شروع کیا  
اور منور تخلص اختیار کیا۔ مگر رنگین طبیعت نے صرف ایک رنگ پر قناعت نہ کیا۔ بلکہ  
دوسرا رنگ ریختی بھی کہنا شروع کیا۔ اس میں بھی نساخ کو اپنا سہنا اور استاد بنایا نہایت  
پختہ مفتی اور صاحب دیوان تھے مگر کلام ابنا پیدا ہو گیا۔ جو شعر مل سکے وہ درج  
کرتا ہوں۔

رات کو اک گلوٹے نٹ کھٹنے	میں میں پاکے بے حجاب نچے
مچھیاں اہیں گلے سے لپٹا کے	پتیر لیا تو وہیں داب نچے
ستیں کیں ہزاروں قہیں دیں	کس کے چھوڑا مگر خراب نچے

دل جناب پیر عبدالرحمن صاحب صدیقی سندیلوی کا تخلص ہے کبھی کبھی  
ریگ نظافت میں شعر کہتے ہیں۔ نذر یہ معلوم نہ ہو سکے۔

ہوا ہر شوق داغ دل کی کنکیا اڑانے کا	بٹا کر تاہوں ڈوران کے تپنے پر
میں اس نڈانے صدقہ کیف نازاں بنے	ہمارے قتل کئے کو کبھی کبھی ڈھانکی
سوال وصل پر جویم انکار رہتی ہے	بہانہ اس کے گردن پر تیراں کی
میں نے کیوں ہو میں نے اپنے پر لاکھ بٹھو تو	میں نے ہرگز ترچھی ہنسی ہر ادا بانکی
ایسا دل چاہتا ہے کہ وہ جلا کھینچ کر چھوڑ دے	اٹھ کر پر مچاں اگر یہی کبھی جھانکی
نہیں راضی کبھی رہے ہیں جبر و جبر	میرٹھوں میں ہوتا ہے ہر قسم کا جبر و جبر

ولمیر نام خیراتی خان تخلص دسوز تھا۔ علی گڑھ کے رہنے والے تھے۔ قوم کے افغان تھے۔  
شہید نصیر مرحوم کے شاگرد تھے اور نواب ظفر یاب نادر شاہ نے بیگم شہزادی خاقت بیگم کی گوارت  
تھے۔ شراب بہت پیتے تھے۔ جو بات تھی وہ درجہ استدلال سے بڑھی ہوئی تھی۔ نظافت اور شوخی  
کلام میں بہت تھی۔ مگر اب کلام نایاب ہو گیا۔ اور کس طرح باوجود تلاش بھی نہیں ملتا۔ دو تین  
شعر مل سکے جو درج کرتا ہوں۔ دسوز نے ہشت شاعر میں بفہام سے پورا انتقال کیا اور  
وہیں مدفون ہوئے۔

وہ تو کہتے ہیں رائے دل اپنا      مت کسی اپنے یار سے کہنا  
اور میاں دلگتی بقراری سے      روز دو تین چار سے کہنا

سبہیں گے ہم اگر ناکھ بڑائی ہوگی      پر کہیں آنکھ بڑائی تو بڑائی ہوگی

ولمیر۔ سورخان نام تھا۔ میرٹھ کے رہنے والے تھے۔ ابتدائے عمر سے شاعر و شاعر



کے دلدادہ تھے۔ مگر ہمیشہ نئی چیز کی چاہت تھے۔ اور اس فکر میں رہتے تھے کہ کوئی ایسی بات  
 کہوں جو کسی نے نہ کہی ہو۔ چنانچہ اسی افتاد مزاج کی بدولت یہ رنگ اختیار کیا کہ شرفا و طبقات  
 خواص کی زبان کو چھوڑ کر اس طرٹ کی چھوٹی قوموں مثلاً گدی۔ گوجر۔ جاٹوں کے روزمرہ میں  
 شاعر بن گئے۔ اور اگرچہ یہ رنگ نہایت ہی مشکل اور دشوار تھا۔ مگر دلیر نے  
 اس قدر مشق بہم پہنچائی کہ ششادہ میں نظیر بہادر شاہ آخری تاجدار دہلی کے دربار میں کچھ  
 مدحیہ اشعار اسی زبان میں پیش کئے۔ اور بادشاہ نے ان کو بہت پسند کیا۔ دلیر کو انعام اور  
 خلعت دیا گیا۔ بادشاہ نے غالب اور ذوق وغیرہ سے بھی اس میں کچھ کہنے کا حکم دیا  
 مگر چونکہ یہ ایک مشکل کام تھا۔ اس لئے ان لوگوں نے انکار کر دیا اور یہ بہادر دلیر کے سر پر  
 عہدہ ٹپکا۔ اسی رنگ میں شاعری کرتے رہے۔ مگر انقلابِ اٹلنت کے بعد سے اس  
 رنگ کو ترک کر دیا۔ پھر بھی چونکہ وہ اس رنگ میں نظمیں۔ غزلیں۔ قطعے شنوی۔ سبھی کچھ  
 کہہ چکے تھے اسی وجہ سے ان کے ہاں اس رنگ میں مرتبہ نہ کیا۔ اور اپنے زندگی ہی  
 میں طبع کرایا۔ آخر کار ۶۶ برس کی عمر میں انتقال کیا۔ انتخابِ بیکام کے ساتھ ترجمہ بھی  
 دیدیا گیا ہے کہ ناظرین کے لئے یہ سہارا ہے۔ اگرچہ اس کلام سے اصل میں زیادہ تر  
 وہی لوگ لطف اٹھا سکتے ہیں جو مراد آباد سہارنپور کے درمیان آباد ہیں۔ کیونکہ دلیر نے  
 صرف ان ہی قوموں کی زبان ہی نہیں لکھی۔ بلکہ ان کے طرزِ نظم اور ان کے طرزِ معاشرت  
 ان کی وضع قطع۔ اور ان کی صورتِ آبادی اور لہجہ و باش۔ ان کے جذبات۔ ان کے اطوار  
 اور ان کے خیالات وغیرہ کو بھی زبان کے ساتھ ہی ساتھ رکھا ہے۔ یہ ایک انتہا ہے کہ ان کے  
 اور سوچ سے صرف زبان جاننے والا اس سے بہرہ نہیں لے سکتا۔ اور یہ کہ ان کے  
 معاشرت اور تمدن سے اچھی طرح یا خبر نہ ہو۔ اور یہ نہ سمجھتا ہو کہ وہ لوگ جن کی زبان  
 ہے کس موقع پر کیا کہتے اور کیا کہتے ہیں۔ مگر کچھ بھی غور کرنے پر شخص بقدرِ زورِ لذت  
 اندوز ہو سکتے گا۔ اور ان میں حیرت و تعجب دیکھئے کہ کس قدر ندرت کے ساتھ

اویس جہاں عوام کو ملحوظ رکھتے ہوئے کی گئی ہیں۔

تو باپو ہم تیرے بالک	ہے مر کھا لک ہے مے مالک
تو باپ ہے اور ہم تیرے بچے ہیں	اے میرے خالق اے میرے مالک
تیرا انت کوڑا نا پاوے	راتوں مارے دنوں بھراوے
تیرا بھید کوئی نہیں پاسکتا	تو دنوں کو جھکو مار ڈالتا ہے اور دن کو زندہ کرتا ہے
جا کی جگت کرے سگ پوجا	تجسٹھا ڈاکو ناسپے دوچا
جن کی تمام دنیا پرستش کرتی ہے	جسلا بدوست دوسرا کون ہے
تو ہی بوادے بوند ا مہارا	تو ہی لاڑے میگ ملارا
تو ہی بیماری کھینچو، اور لوٹوے بونا اور کاشت کرتا ہی	تو ہی گھٹا سے پانی برساتا ہے
پھاڑے کھوٹے کا گد مہارے	ہے مے صاحب کھس، بارے
ہمارے اعلیٰ نے بدی کے چاکر دینے والے	اے میرے بخشنے والے اللہ
تو ہی دیگا ثانی باسی	دلیرا ہے تیرا داسی
تو ہی اسکو تازی باسی روٹی دیتا ہی	دلیر تیرا غلام ہے

## نعت

جگ پر جا کے راج دلائے	نبی محمدؐ رب کے پیارے
تمام دنیا کے سردار	خدا کے پیارے رسول محمدؐ
مہاری کھا طر دیوا لائے	رب کے بھیجے جگت میں آئے
اور ہماری خاطر شمع لائے	خدا کے بھیجے ہوئے دنیا میں آئے
کرا اوجلا جگت گھنیرا	جن دیوے نے کھوئے اندھیرا
تمام دنیا میں اوجلا کافی ہو گیا	اس شمع سے دنیا کی تاریکی جاتی رہی

کُراں سیر پہ کدائی بافی      ہیں سنائی پڑھ کے جانی  
قرآن شریفِ خدا کی باتیں      اپنی زبان سے پڑھ پڑھ کر چکوسنا میں  
پاپ کٹے اور پن سوزا رہے      ہو گئے ہمارے کل نسا رہے  
جس سے ہمارے گناہ جلتے تھے نکلیاں بڑھ گئیں      اور ہمارے تمام فائدے ہو گئے

### منقبت

بی بی پھاطہ مہاری ماما      نیم دھرم میں ہیں کیلی داتا  
بی بی فاطہ مہاری ماں      دین و دنیا میں ہمیشہ بخش کر فیواں  
ہمارے نبی کی پیاری جانی      جا کی سینک حوراں کمانی  
ہمارے نبی کی پیاری بیٹی      جن کی حوروں نے سینک کمانی  
باپ کی امت جن بکسائی      مالک سامنے دے دے دہائی  
جنوں نے باپ کی امت کی بخش کرائی      خدا سے زیادہ کر کر کے

### مدح حسین

حسن حسین بی بی کے جائے      امت کھاطر سر کٹوائے  
حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین بی بی فاطمہ کی بیٹے      جنہوں نے امت کیلئے سر کٹوایا

### مدح چاریار

نبی صاحب کے چار سپاہی      جہاں ملکوں دھوس ٹٹائی  
رسول اللہ کے چار یار ہیں چار حامی ہیں      جنہوں نے تمام دینی و دنیاوی دھوس ٹٹائی  
کردے لکھوں نیم کے بندے      خرطہ ہو گئے مارٹنس گندے  
لاکھوں دین کے بندے بنادیتے      ناپاکوں کو پاک کر دیا

# سچا سچا سچا

آج رات مارے گھر بس جا  
آج رات کو بیاہے گھر رہ جا  
چار پہر کا کاٹن کے ہے  
چار پہر رات کا گزارنا کیا  
میں کروں تو نے سچا چائی  
میں ذرا ترانہ چم یوں گا  
تو مرنے بھولا پچھو جانے  
تو مجھے بھولا جاؤں جاتا ہے

جاڈا لگے سوڑاں دہیں جا  
بڑی سردی معلوم سہا پہر آؤں  
بڑی بھگر کے ٹٹ کے نس جا  
صبح صادق ہونے ہی اٹھ جانا  
تو سا نٹھرسوں سا نٹھرس جا  
تران سے ران ملائے پڑا رہنا  
تو ہی کہیں نہ جال میں بھنس جا  
کہیں ایسا نہ ہوا تو ہی جال میں بھنس جائے

کے مہاڑی ناڑیں پچانسی دیگا  
کیا ہاری گروں میں پچانسی لگے گا  
اک مٹھی دے پڑاں لکاڑے  
ایک بوسہ دیکر جان نکال لی  
کے جمنوں مہاڑی جوڑ کر گیا  
کیا جمنوں جہڑی برابری کرے گا  
سو بریار دلیر عسک مان  
سو بریار دلیر عشق میں

کلبے کاٹن ناڑا کا ڈھیا  
کیوں یہ اذر بند نکال رہا ہے  
موسوں ڈوڈھا بھنڈا کا ڈھیا  
مجھے ڈیڑھا کرایہ وصول کر لیا  
جنگلاں جنگلاں ناڑا کا ڈھیا  
جنگلوں جنگلوں کا نکالا ہوا  
جانگ تیلے اوہ ساڑا کا ڈھیا  
نینوں کو ہم نے مانا کتے نکال دیا ہے

تجھ بنا پیارے پران تجوں کا  
تیری جدائی میں پیارے جاں دیدوں کا  
کاٹ کے اپنی ناٹ لہو میں  
اپنی گردن کاٹ کے  
مہاڑی اوڑیاں سینٹر جلاوے  
ہماری طرف اشارہ کرتا ہے

مار کے اپنی ناٹ گنٹا اس  
اپنی گردن پہ گنٹا اس ماروں کا  
میں لوٹوں تو دیکھ تھسا  
میں لوٹوں گا اور تو تھسا کیجے گا  
یو مہا ساڑا اوت ہلاسا  
یہ ہمارا سلا اوت - ہلاسا

آجا ہمارے پاؤں آجا  
آجا ہمارے یہاں مہمان آجا  
پیت نہ کرے میت کسی کی  
ایدوست کسی کی محبت نہ کرنا  
ہے من اوت گیو کے تیرو  
اس دل اوت تیرا کیا گیا  
ناہیں رہد من پیری بس کا  
یہ دشمن میرے بس کا نہیں رہا  
جد تیری پائل بچ بچے گی  
جب تیری پائل بچ پرکھانیسے گی  
جو محبوں سے ہوڑ بٹسے گی  
محبوں اگر مجھ سے محبت کرے گا  
جو تیرے نینوں کا بڑ ہوگا  
جو تیری آنکھوں کا بڑ ہوگا

دودھ دہی من مانا کھا جا  
جتنا جی چاہے دودھ دہی کھانا  
پیت پنچھ ڈسے کوٹھی نا جا  
محبت کوٹھی میں غلہ بھی نہیں جھڑے  
ہمارے ہی اوپر دھونسا با جا  
ہمارے ہی اوپر مصیبت پڑ گئی  
پر گیکھ چسکا جو بن رس کا  
اس کو خوبصورتی کی محبت کا نر پڑ گیا  
میں تو گوڈور گاٹھا بن گیا  
میں خوب اچھلوں کو دول گا  
تو نے یلی ڈنگ بٹھا دی گئی  
تو تجھے یلی کے پاس بٹھا دی گئی  
میں تو سبیل مر رہا ہوں گا  
تو میں اشارے کے مات رہا ہوں گا

کا کا کا نا تاؤ کا      میں لاگو نہیں کاؤ کا  
 نہ میں چچا کا ہوں نہ تائے کا (بڑا بھائی)  
 مانگن آئیو پھلکا مانڈا  
 پھلکا حوا لینے آیا ہے  
 یو تیرا پھوڑا ناؤ کا  
 یہ تیرا پھوڑا ناؤ کا رکھا

منہ جھریں ددنگی دوا سے نیلو کا  
 میں رہے معشوق کے منہ کو جھلس دوں گی  
 پلہ کھوسے سے ہے مہاری چادر کا  
 چلتے چلتے میری چادر کا پلہ کھینچتا ہے  
 گھاگرا کاٹ گیرا سندر کا  
 سندر کا گھگرا کاٹ ڈالا  
 اے رے چوہوں نے کیا ستم ڈالے ہیں

ہو کر رہے بیٹھ محزون بہت تری ڈاکی لپچ  
 جوں آجاری برابری کر بہت تری آوی کی دم  
 ہاتھ ہتھکڑی ساٹھ من کی ناز پس من کا گڑھا  
 ہاتھ ہاتھ کی ہتھکڑی ساٹھ من کی ہتھکڑی گڑھا

لارے کلاڑکے پھول مراب  
 اے کلال کے لڑکے شراب پھول پلائے  
 سیا دے کے جیسوں گلاب  
 شیشہ گلاب کی طرح سبز چمکلائے  
 ایسی دارو پیو زنا ب  
 جاب الہی شراب پیو چاہئے  
 دیو روکھ نہ چھوڑے بات  
 بدن کے درخت پر پتے نہیں چھوڑتا  
 چلو رے بھائیو چڈی برات  
 بھائیو چلو بارات چڑھی ہے  
 دلیرا سر سہرا باندھو  
 دلیر کے سر پر سہرا باندھو

پوڑھا نو سو یا نی نوی  
 بڑھا زشت نج زشی  
 ٹھارے رے بڑھے ہاتھوں ہاتھ  
 اٹھائے رے بڑھے ہاتھوں ہاتھ

کر لے ری چمرو کی راج  
 او چاری کی لڑکی خوب راج کرے  
 سوچ مارے بٹے اڈالے  
 عیش کرے مزا اڑالے  
 یو دلیرا جنم کا بھوکا  
 یہ دلیر ہمیشہ مفلس ہی رہا  
 چھوڑا رہو نہ چھوڑی ایک  
 کوئی رٹکا ہوا نہ لڑکی ہوئی  
 کمدے رے پاڈے سانچی سانچ  
 ادھر بہن پچ پچ بتا  
 اب کے سیرد کرم میں کھول  
 یاد اچھلو کھا کھا ناچ  
 ایسی روٹیاں کھا کھا کر اچھلو  
 کئے دلیر جو پاڈا جھوٹ  
 اگر بڑی اے دلیر جھوٹ بتا  
 دھولے بلد کی دباڑی پوچ  
 سید سبیل دہانی دم  
 ادھی جھلنی ادھی چھاج  
 چند دن میں ادھی جھلنی ہو ادھی چھاج ہے  
 جد لگ رہیے کوٹھی ناچ  
 جب تک کوٹھی میں ناچ رہے  
 کد ہیں نہ دیکھا شگے ناچ  
 کبھی اس کے شگے میں غلہ نہ دیکھا  
 رہے کدیم ادت کے ادت  
 مقدم یعنی چودہری صاحب ادت کے ادت ہے  
 ہمارے کرم کی رکھاں پانچ  
 ہمارے کرم میں کیا گھسا ہے  
 بھرو ناچ سول کوٹھے پانچ  
 پانچ کوٹھی اناج سے بھرو  
 جا بد ہرنا بھریں کلا پانچ  
 جیسے ہرن تھاپانچ بھرتے ہیں  
 سر پر مارو جوتی پانچ  
 سر پر پانچ جوتے مارو  
 لاگے بڑی سہاڑی پوچ  
 بڑی سہاڑی معلوم ہوتی ہے

کنگ اڈاں بیٹھے ٹانڈ  
 پھیر گویا کہیہ سے ساڈ  
 تپان پر بیٹھ کر کوئے اڑاے  
 نگ پھیا پھری اور ساڈ دل کو بھٹکا یا  
 سب سوں بھلے یہ موسل چند  
 کریں نہ کھیتی بھریں نہ ڈانڈ  
 سب سے اچھے موسل چند  
 نہ کھیتی کریں نہ ڈانڈ بھریں  
 بنانا تیرے پڑے ملوک  
 ایک سین ماں من دو ٹوک  
 تیری آنکھیں بڑی ظالم ہیں  
 ایک اشارے میں دگے دو ٹوکے کر دی ہیں  
 گورے گل مکا کے پھلکا  
 جتھاں دیکھے بھاگے بھوک  
 گورے گورے رخسارے کھنکھناتے  
 ایسے کہ جن کو دیکھ کر بھوک بھاگتی ہے  
 پاؤں جوتی سر نہ پاگ  
 ایسے ڈوبے ہمارے بھاگ  
 پاؤں میں جوتہ نہیں سر پر گہمی نہیں  
 ہمارے یغیے ایسے ڈوبے ہوئے ہیں  
 کے لاگو بھاگن میں سواد  
 بھاگن کے مینہ میں کیا نہ کاٹو تلوچ  
 مٹا کی روٹی چنے کا ساگ  
 چنے کا ساگ اور بڑی جوار کی روٹی

۱۔ ویسٹ انڈیا - یہ وہی مشہور و معروف سندھوستان کا ظریف ہے۔ جس کے پھر کئے  
 ہرے لطیفہ آج تک وہاں زو عوام ہیں جو دربار اکبری کی زینت اور بادشاہ وقت کی ہر طرح کی  
 دل چاہی اور تفریح و نشاط کا ٹھکانہ رہا۔ اصل نام ملا عبدالرحمن بھٹا۔ شاہ پاک دلی کے رہنے  
 والے تھے باپ کا دلی محمد نام تھا۔ ہر طرح کے علم و فضل سے بہرہ ور تھے۔ ترکی فارسی عربی زبان  
 نہایت اچھی جانتے تھے۔ مگر شعر اور نہایت استاد و مرزا بن غالب تھے کہ اس لئے تمام علوم اور  
 تمام فضائل اسکی زندگی میں آگئے تھے۔ کوئی بات بولی۔ کسی ہی بین اور سنجیدہ گفتگو کو بولی مگر اپنے  
 رنگ خاص میں دھواں کرنا کہ وہ چسپ بنا دیتے۔ ایک بات کہنے لگوں کہ سو سو برس پہلے اسکی  
 اکبر کے جلس خاص تھے۔ ندیم خاص راہہ سیریل سے ہمیشہ شکستہ ترقی تھی اور وہ بچپن اور



چھتی ہوتی چھتیاں کہنے کہ راہ صاحب اور تمام سنا دے کہ چاہتے رہا ہے  
 تہہ - ایک مختصر میں مقیم رہے - اور اعلیٰ وطن آباد کیا گیا تھا - ہاں کے  
 پوجا دیں اور چٹاؤں سے پتہ نہ ملتا تھا اور گفتگو جاری رہتی - اسی وجہ سے زبان ہندی  
 میں بھی شاعری کرتے تھے - مگر بیشتر فکر کن کا فلسفہ میں اتفاق ہوتا تھا -  
 مشورہ سخن کرتے تھے - آخر عمر میں ہندیا جو نواح قصبہ چھپا نیر ضلع بھوپال میں ہے  
 دارود ہوئے - کسی سے پوچھا کہ اس جگہ کا نام کیا ہے جواب ملا کہ ہندیا کہنے لگے کہ  
 بس اب دو پیاز ہندیا سے نکل کر کہاں جائے گا - اور آخر کار یہیں پونہ خاک ہوئے  
 ملا صاحب تصنیف تھے اور کئی کتابیں انہی یادگار ہیں - چنانچہ تراک و انگیری لغت ترکی  
 فارسی کے لطائف - الزامہ - ملا نامہ - یہ سب ملا ہی کی تصانیف ہیں - اگرچہ اردو زبان میں  
 ان کا کلام ہونا ایک امر بعید از قیاس ہے مگر معتبر تذکروں میں یہ شعر ملا کے نام سے ملتے ہیں  
 اس صورت میں سوائے لکھنے کے اور ہمارے پاس کیا چارہ ہے - اس لحاظ سے کہ عہد  
 اکبری میں شاہنشاہ دکن کے یہاں اچھی خاصی اردو رائج تھی نقل کرنے میں باک نہ ہوئے  
 وہ گورا گورا لڑکا باسن کا شونخ گھونا  
 شونخ نپٹ کرت ہے نہک چھلنی ہاتھوں کر  
 تاملی بھی ہے کیا کیا کل شیخ بھی کے چھپے  
 دو پیازہ از دل و جان قربان ہوا نام  
 پیالہ پیچیم رس کا چاکھ بیٹھے  
 نہ دو پیازہ کی دلہا ہی کرت ہے  
 دو پیازہ اب نہکس بیابا کہے  
 ایسا لگے ہے چھکو جوں کھانڈا کھکھونا  
 تیں تاک شیخ کیتی ایسی طسج ملونا  
 رم و رب نعل میں بجا نکالے اور بھانچھونا  
 جوبن نے مدھ کا ساوا ساوا ملونا  
 ملت ہیں تن بان پر اکھ بیٹھے  
 مگر مدھ گونہ باغوری کرت ہے  
 کھکی کے ہاتھ بھنس گئے جائے بیٹھے

ڈوہڑے - ان پر کچھ نام ہیں - لاہور کے سہتہ واسے ہیں - انگریزی میں ایم

تک تعلیم پائی ہے۔ مردست کسی اخبار میں ایڈیٹر ہیں مجھے مرزا واجد حسین یاس و یگانہ سے آپ کا نام و پتہ وغیرہ معلوم ہوا۔ چنانچہ نہایت اشدتیائی کے ساتھ طلب کلام مزاج کے لئے ایک نیا زندانہ عربیہ آپ کی خدمت میں ارسال کیا گیا۔ مگر نہ معلوم کیوں جناب نے نہ کوئی جواب دیا نہ کلام روانہ کیا۔ اتفاقاً چند روز کے بعد ایڈیٹر صاحب نیرنگ خیال سے ملاقات ہوئی۔ موصوف کے تعلقات چونکہ دوزخی صاحب سے نہایت وسیع ہیں اور شاہ ہے کہ قریب قریب روزانہ ملاقات ہوتی رہتی ہے۔ لہذا ایڈیٹر صاحب سے بھی آپ کے کلام کے بھیجنے کی استدعا کی۔ انھوں نے بھی برہنہ اسے خلاق وعدہ فرمایا مگر اس کے بعد بال نہیں کا کہ کوئی جواب نہ دیا۔ مجبور ہو گیا۔ لہذا مردست دوشعر میرے پاس ہیں انھیں پراکتفا کرتا ہوں۔

ایک وقت تھا کہ ہندوستان میں نہیں بلکہ دنیا میں علامہ کوئی بڑی ہی مشکل سے ہوتا تھا۔ مگر اس وقت صرف ہندوستان ہی میں سیکڑوں علامہ موجود ہیں اور اس افشائی وہ روزانی ہے کہ اب جب علامہ کی آواز سنائی دیتی ہے تو ساتھ ہی ابتدائی معنوں کی طرف متقل ہوتا ہے۔ اسی بارہ ہیں دوزخی کہتے ہیں۔

کہتے تھے بس آج سے علامہ ہوا میں اس بات کا اظہار کیا مجھے خوب ہنسائیں

دوسرا شعر کسی معاصر پر چوٹ ہے۔

حضرت پر پیر بھی شاہزادہ بن گئے جالو کے سر پر تاج اچھا لپٹ

مرزا دیکھو دودھ بچ سابق کے ایک خریفانہ نام لکھا تھا جن کی ایک تاریخ داغ کی وفات پر میری تعزیت تھی۔ اگرچہ داغ کی جنابیں گستاخی ہوتی ہے۔ مگر عامر معد و نعل کرتا ہوں۔ غرضت اور شجی اس سے ٹپکی پڑتی ہے۔

اناکہ داغ بیٹھے میں ایک ہی طرح تھے اٹھنے میں دیکھتے نہ مگر چہرہ چاہتے

باغ سخن میں ہائے ہر چند غنایاں  
 روشن ہیں رنگ میں تو شیراز بہشت  
 تند سب با اگرچہ مقابل شاعر کا  
 شیریں یا نہیں میں اگرچہ نہیں رہا ہے  
 تھا جو نہ زیریں میں تو کچھ میں کچھ تو  
 بہت ہے ہر دو سو پندرہ کے آقا ہے  
 تھا تذکرہ تو پورٹ کا و ہر کجا کا نہیں  
 گھومتے ہیں صورت کویت شربت ہے  
 ٹپکی تھی لیزوں کی کریم بھی خوب دال  
 گھٹی نعلین بروں جو تھے راجا ہے  
 کرتے تھے حسن کی آواز ہر گشت  
 سب پر دلی کے باب میں نیک عبادت ہے  
 ڈیبے ہوئے رنگ قدیم و جدید میں  
 خوبو میں ہر طرے "بھڑ" ہے

و لیا اے طالب علی نام تھا۔ بنائیں میں قیام تھا۔ اور یہ نمونہ کلام انتہائی شاعرانہ  
 ملک زندہ تھے۔

بندہ بدادوں بکلمہ آپ کو بکلا میں  
 شوق سے بچو کھڑا کر کے بچہ باز میں  
 جھکو جبرست، سہ لڑائی کیلئے چوڑا ہر گنا  
 گالیاں دیتے ہیں ہر گنا کو جبر ہاں  
 ہو گیا نازاں کو اپنے حسن پر حد سے سوا  
 جو کہ مذاق کیا سہبت ہوتے ہیں

اپنے مرنے کا کیا دعویٰ تو ہونے نہ کہ  
 رہتے ہوں گے تو دنیا میں زندہ سپر ہو

—————

# حرف الہندی

ڈاکٹر۔ نام و نشان معلوم نہیں صرف اتنا معلوم ہو سکا کہ کوئی صاحب رامپور کے  
 رہنے والے ہیں اور دور دراز جودہ کے شاعر ہیں۔ ایک صاحب نے یہ دو شعر فرمائے تھے  
 اوسط چنانسی نگلے میں کا کل چل نہ ڈال ہے      دھڑکی لگائے آڑ میں کرتی کی جالی ہے  
 میا کا ہے یہ کہ نہ خواب نہ ایسے تھے      نہیں تو اب یہاں ہوسکا چری ہو نہیں پائی ہے

ڈیپٹی کمشنر۔ کوئی صاحب بھوپال کے نہایت مشہور و معروف ظرافت گو ہیں۔ میں نے انکی خدمت  
 میں دو اتر میں چار خط بھیجے مگر اتھوڑا نہیں پہنچے یا انھوں نے استغناء سے کام لیا اور تذکرہ کو  
 اپنے کلام سے محروم رکھنا پسند کیا۔ پھر بھی شوق و بہرہ ولی کہ باشند ہریش درکار نیسکشی نہ کسی طرح  
 کچھ شعر ان کے حاصل ہو ہی گئے۔

پڑی عشق کی ٹاپرے ٹاپرے      ارے باپ رے باپ رے باپ رے  
 شاپے کہ ہم اشکوئی ان کی محبوبہ مطلوب تھیں ایک دروڑ ڈھینڈس صاحب نے ان کی دعوت کی  
 گزرا اس طرف سے وعدہ و وفا نہ ہو سکا ان کو نہایت انوس ہوا اور یہ شعر کہا۔

باد میں سات سو چھپاسی کی      ہننے مادہ شراب باسی کی  
 ایک کبھی کے یہاں تختہ پلاؤ بھیجا مگر وہ صاحب کچھ ان سے فضاختے غصہ سے پلاؤ کا پلیٹ زمین پر پھینک دیا  
 اور بعد کو خیال آیا کہ رزق کی بے حرمتی ہوئی تو فوراً اس کو دفن کر دیا ڈھینڈس صاحب کو مول سے زیادہ بچہ ہوا اور یہ شعر کہا  
 آج زردہ بچاکے بانٹیں گے      فاتحہ ہے پلاؤ مدفون کا

# حرفِ نالِ مجہ

ذاکر۔ شیخ زکریا نام تھا۔ غازی آباد یا نواح غازی آباد ضلع میرٹھ کے باشندے۔  
 نہایت نیک نفس و جیہ خوش و وضع ظہیر البشر تھے۔ اتم الحروف کے طرز و دوست تھے۔  
 دہلی میں قریب قریب روزانہ ملاقات ہوا کرتی تھی۔ گھنٹوں شعر خوانی کی صحبت نہ تھی۔ ذاکر کو  
 دونوں رنگوں میں شعر کہتے تھے۔ ظرافت بھی مبالغہ سے دور نہ ہوتی تھی۔ اور مبالغہ سے دور نہ  
 اور پھیکہ پن سے ہمیشہ پاک رہتی تھی۔ اس میں بھی ایک خاص قسم کی لطافت اور شیرینی کو  
 جھلک پائی جاتی تھی۔ مجموعہ کلام ایک دیوانہ میں جمع کر لیا تھا۔ مگر افوس کہ عین عالم  
 شباب میں بعمر ۲۵ سال ستمبر ۱۸۵۷ء میں انتقال کیا۔ اب وہ غیر مطبوعہ کلام مفقود اور  
 اور نایاب ہو گیا۔ صرف چند روز کی باہمی صحبت میں حافظ نے چند شعر محفوظ کر لئے تھے  
 وہی لکھتے ہیں۔

مرا دین و مذہب اٹھا لگیا      وہ بت کل مصلّا اڑا لے گیا  
 فقط خانی پاکٹ کے مالک میرم      بقیہ وہ اک اک مارا لے گیا

بھوکے عاشق کے واسطے ذاکر      گال سے شیریں بال اچھا ہے  
 نہیں خفیں زلفت کی کوئی      آپ کا بال بال اچھا ہے

قل بھی ترا ہے اور پھر وہ جلاتا ہے      خوب ترست سے ملا جھک کر ان ترستوں

جب مے خاص اشاروں کو سمجھتا ہے نہیں  
پھر دس کام کام کا کھنٹا اناٹھی مشرق  
بلوہ تند سے ہے جھکوز یا وہ دگر  
کھٹے ٹیکنے میں دیتا ہے جڑ تاری مشرق

کام آتا ہے نکیر بن کا بہرہ فاگر  
نہیں رہتا کسی مردہ کو کفن چو کاخون  
قابل رشک ہے آزادی مار گیسو  
نہ سپیروں کا کوئی ڈنڈہ کسی مور کاخون

سکال کو چہ جاننا اب کھٹنے پر گئے واکر  
جودر بانوں سے بچ باتے میں تو یہ سہاگتے میر

ذبیح - حکیم منتقی محمد اسماعیل خاں نام ہے - دہلی وطن ہے - ایک زمانہ میں محمد  
بہاؤ گنج دہلی میں سبب کیا کرتے تھے - اس کے بعد نواب سید الدین احمد خاں طالب مرحوم  
کے پاس ملازم ہو گئے تھے اب خدا معلوم کہاں ہیں - پہلے افضل الاخبار میں ان کے مضامین  
بطریق تنقیر کے نکلا کرتے تھے - اس میں بھی ظرافت کا پختہ کارہ رہتا تھا - غزل میں بھی ظرافت  
شامل کر لیتے ہیں - اور دونوں رنگ ملا کر سامعین کو محظوظ کرتے ہیں سلسلہء ادب میں دلی کے  
بعض مشاعروں میں میں نے ان کو دیکھا تھا اس وقت پچاس پچپن برس کی عمر تھی - انتخاب  
کلام ظرافت یہ ہے -

نگہ میں کنارا نہ محتجب چپکے آتا ہے  
اچھا ہے اڑا بجاسے گا کفلیہ میخانہ  
شراب پاک بند و نکو ہاں ہریں پلائیگی  
کہیں جنت نمود اعطی تری ہر شہر میخانہ

خدا جانے جو خدائش اور کچھ ہوتی تو کیا ہوتا  
زار سے ایک پسے پر تہا رام دم نکلتا ہوتا  
رخ جنوں میں بھی نہ پھرے ہم بہنہ پاتا  
یہ آبلے ہی پاؤں کے پاؤش ہو گئے  
مین نے کھائے گھر سے جو اس سحر فک کے پاؤ  
چھٹی سے پاؤں ہو گئے لیکل ایک کچک پاؤ

چلے ہمارے دل میں کہ بھر اس پر بار بار  
میں پیٹ میں چپے تپتے حشر کے کچے زور  
انہ کھن کے سہو تپا ہر کھن کے پاؤ  
آخر کو تپا ہر کھن کے پاؤ  
مردے کہہ کہیں میں تپتے حشر کے پاؤ  
مفس نہیں کہ میں کھن ہر کھن کے پاؤ  
چاندی کی نہیں لاکھ دکن میں ہیں زنجیر

ذکی۔ کھن کے ہننے والے ہیں۔ تمام کو زبان از مر دم کے شکر و تپ۔ تفریت میں اگرچہ  
چرا کا رنگ شام پر چاہے۔ مگر کھر بھی نہایت ہنسنے والوں میں شمار کئے جاتے ہیں جس پر  
سے پڑنے کا انداز نہایت خوب ہے جو ہر کھن کے زندہ تصویر کھینچ کر دکھا دیتے ہیں۔ شوخی مضامین۔  
اصنافی زبان وغیرہ آپ کے کھن کا جو براہی ہیں۔ راقم الحروف کے دوست ہیں۔ عرصہ سے  
یہ سبب برائیاں لڑو گاری لڑا میں مقیم ہیں انتخاب کلام یہ ہے۔

دھر پٹک ہو گی نہیں آؤسے کھن کے  
نہایت پر چرخ کی افیت میں میں خیر خواہوں  
دی ہے سو مرتبہ حب یا کو پڑی ہیں  
جب کہ اٹھیں نے پھین میں پست بیا بیا  
وصل ہو جائے چہر اس نے کھن کے  
لے ذکی اگر کھن ترانہ سے جو ان کو ملے

تھا حکم نجد میں سلا کا سار باں کے لئے  
یہ کھن کے لئے صیا و بانس چھوٹا ہے  
بھنار سے دچنے بھی ہیں۔ کتنا تھا تیس  
کہ بھیا جلد کل چل شکر کو بانس کے لئے  
یہ کو حنین میں لفظ میرا آشاں کے لئے  
دو وقت تو رہے جاتے ہیں باساں کے لئے

کھلا کے تیس کو لیلیٰ نے اور الٹی دی      کہ ہوگی فاختہ سے لیجا یہ اپنی ماں کیلئے  
 یہ حال ہے ترے کشتہ کا اہولے چلاں      کہ کتے لاش پہ رٹتے ہیں استواں کے لئے  
 تو اس پری کی محبت میں گھوم جا اور غیر      کہ تیرا باپ بھی لوٹتا تھیری ماں کے لئے  
 کسے لگاؤ گئے تم تیر مر گیا عاشق      وہ فاختہ زری اب خلیل خاں کے لئے  
 اے جان جاں بتائے کیسو کہ ہر گئے      وہ کون سے گدھے ہیں جو پھیت چر گئے  
 ظالم پس فنا بھی ہے بوسوں کی آرزو      سنا کھل کے رہ گئے ترے عاشق جو گئے  
 سوتے میں نے گیا کوئی زلفیں تڑش کے      وہ مجھے بدگیاں ہوئے چھپیں کتر گئے  
 طفلی میں کھو نہ دینا کہیں عاشقوں کے دل      پھر روؤ گئے کہ میرے کھلونے گدھر گئے

ذلیل - نو بہار نام تھا۔ میرزا سلیمان شکوہ بہادر کی کینز بھی۔ نہایت شوخ تیز طبع  
 شعر گوئی کا شوق تھا۔ مگر تخلص کی رعایت کو ہمیشہ مد نظر رکھتی تھی۔ یعنی ربی کے فحش شعر کہتی  
 تھی۔ وہ شعر جو صاف ہیں نقل کرتا ہوں۔

میں فرشتے کی بھی سستی نہیں نا صبح کیا ہو      اپنے کرتوت پر جہدم کہ اُتراتی ہوں

تھے اللہ رکھے اپنی اماں میں مرزا      ہمسی پریوں کو بھی دیوانہ بنالیتے ہو

ذوقا - شاہ ذوقا ذوقا کر کے مشہور تھے سنا ہے کہ بنارس کے رہنے والے تھے بخدا وہ  
 الحال تھے غدر سے پہلے شرف الدین احمد کے پاس میرٹھ میں آکر رہتے تھے۔ ایک شعر مل سکا  
 ہے۔ اسے بخدا وہ کی بڑے سمجھے یا ظرافت جانیئے۔

نے بام کے ہیں زیب نہ نہایت کسی در کے  
 ہم باٹ کے روٹے ہیں ادھر کے نہ ادھر کے



ذوقی - میری زیادہ تمام تھا ذوقی تخلص سید محمد اشرف درگاہی کے نہ اجزاؤں تھے  
 بلکہ ارم وطن تھا۔ نہایت شیریں کلام - اور لطیف الطبع تھے۔ اُن کے والد سید محمد اشرف موضع راہ پل  
 کے جو نواحی لاہور میں تھا حاکم تھے۔ اتفاق سے وہاں کے کچھ سرکش لوگوں سے جنگ ہوئی ذوقی بھی  
 وہیں تھے اسی باعث سے اس معرکے میں شریک ہوئے۔ اور اسی موضع میں بتاریخ ۲ محرم الحرام  
 ۱۰۳۷ھ روز جمعہ بعد نماز عصر لڑتے ہوئے مارے گئے۔ مولف خجاندہ جو دیدہ فنی غلطی سے  
 انھیں کو راہولن کا حاکم لکھا ہے۔ مگر دراصل یہ حاکم نہ تھے جیسا کہ تذکرہ سرو آزاد کو عبارت  
 سے ظاہر ہے ذوقی مرحوم اودو فارسی میں بھی شعر کہتے تھے اور تین اشعار میں اپنا تخلص واحد  
 رکھتے تھے چونکہ شیریں کلام سے ان کو نہایت ذوق تھا اس واسطے اسکی تعریف میں پورا ایک بیان  
 کہہ ڈالا جو شکرستان خیال کے نام سے آج بھی مناسبت ہے۔ اس میں غزل - رباعی - قطع - شنوی  
 غم - ترجیع بند وغیرہ سب کچھ موجود ہیں۔ ایرایک شعر سے ابدا سحاق الطبع کے کلام کا مزہ آتا  
 ہے۔ جس کا انتخاب ہدیہ ناظرین کیا جاتا ہے۔

آنا کہ پردہ از رخ لوزینہ واکند	آیا بود تو اضع صحنہ بمانکند
نان از تنور بہر مہر بجا دہا شدہ است	لازم بود کہ حق غریبی ادا کنند
در کار خیر حاجت ہیج اختیار نیست	اہمال در تناول فرنی پزیرا کنند

انجیر را در شاخ درخت از جدا کنید	پنہاں ز چشم بد بہ لبش آشنا کنید
کیبار پوست را ز تنش بر کشیدہ آید	بارہ دگر بہ کیسلہ نہ انہم چاکنید
ہنگام آن مشدہ کرا میران انہ را	بر کام دل ز محنت زندان بہاکنید
آوردہ ام برے شما شربت انار	نوشش کنید و تخلص خود را دعا کنید

شیریں نقدے ذالقدہ شکر شدہ گر چشم نقدے سیر مزعفر شدہ گر

پندن بر او بیاد است می دوش من  
با شیر و شکر حبیب تر نشد بر گ  
حلاوت فرود بر باد غ این همه قوت  
دورتر همه از این مشرب نشد بر گ

نقل بگیر زبانی یکد و سه چارنجوش  
ریزه قند و رو با نیکو - چارنجوش  
در قوس بود کن شربت قند با گلاب  
چهره بزن زان میال یکد و سه چارنجوش  
پیمده و غریب را اگر چه نقل گفته اند  
لیک نه اند زبانی یکد و سه چارنجوش  
شادمانه بکن گرفتار کمال شوق  
بر سه چارنجوش کل یکد و سه چارنجوش  
صحن پر از مزه و کاس پر از نیش و خمر  
خوب نماید هم بخوان یکد و سه چارنجوش  
مسرح نغمه و طعمه ده چرخش است ذوقیا  
خربزه نغمه خوش میال یکد و سه چارنجوش

دستاول ز ذوق برقم میاب می گردد  
که از یاد و زبانی محو چرخ و تاب می گردد

به بین بر سوئے چنانی بر دیده با لافنا  
کر پی و حال و فکر حالت زار را سپنا  
غرض ز سو کم بر سات اوله و لوندی است  
دگر نه این همه تمهید برقی و بار را سپنا

چرا نه بشکر از خرمی بخود باله  
که آن او همه مقبول آمد و منظور

در قنای ملاقات شکر لای ذوقی  
آب گردید دل شیر به الفت سوگند

# حرفِ عامہ

راحت۔ وہی کے کسی نامعلوم ریختی گو کا تخلص ہے۔ یہ پیش نام نہ مل سکا  
کلام نہ لگیا۔ جو حاضر ہے۔

جیسے وہ بانجھا جینا دل کو پہنچایا ہوا  
نیک گفتاری نہیں گویاں نہ لگایا ہوا  
میں اپنی مٹری چوٹی پہ تھک کر رہا ہوں  
یہ مردوہ لکڑی تو لٹھ ہے گنوار کا  
رد کی تم تو وہ اجائیگاں پھر اچھی  
تم جو چکی ہو یہی ہوئے جو اچھی

درد دھلینے کا ارادہ تھا جو ڈرایا تھا ہاتھ  
نہ لگائی انگلی امی دیکھو نہ ہنسنے کی بات  
جو یہ بیٹی ماں میں کچھ نہیں کرتے خیال  
گھر میں اگر سان کسیتے تو تم باہر کا پتا  
گوئی بہرے کب تک لوگوں کی مٹھی پہلے  
خند کی باتیں سنو رہے کہ میں یوں کرتا

پوتی پوتوں والی ہو کر لالہ بڑا ہنور میں  
بھگوانی بچی یہ بڑھا چلا آنا نہیں

کھلا تو نہ ہوئی پوری آرزو تیری  
دگلا لالہ سا بیٹا جنی بہ تیری  
حفاظت یا کسی کا نہ بھگوانی جان  
غلام سے گئی بکری ختم میں تو تیری

رحیم۔ ایک قدیم ریختی گو تھے جو دہلی اور رحمان کے معاشرے تھے۔ خزینۃ العلوم  
فی تعلقات المعلوم میں انھیں ریختی کے طرز کا اختراع اور موجد بتایا گیا ہے۔

اری نادان ہیں اپنے جن کو کہیں کھانا نہ ہو  
رہتا کر پیہ کو چاکیں کسی نے ذوق پایا ہی  
بہت کچھ انگلی بری نصیب ان کہی ہوں  
سکھ کر لات ہوا ہے پیاسے کو جو بھاریا ہے

رہسوا۔ خیرات علی نام تھا۔ پنجاب کے رہنے والے تھے۔ مگر عمر بھر دلی میں قیام اور  
مقام رہا نہایت شوخ زندہ دل ظریف الطبع تھے بات بات میں لطیفے اور چٹکتے کہتے تھے  
خود بھی ہنستے اور سننے والوں کو بھی بہروں ہنساتے۔ غزل گوئی کا شوق تھا۔ میر مننون سے اصلاح  
لیتے تھے۔ مگر ظریفانہ رنگ میں اچھی خاصی دستگاہ رکھتے تھے۔ مگر اکثر شعر ہزلی اور خوش کے  
درجہ تک پہنچ جاتے تھے۔ چند شعر مع حالات کے ایک قدیمی قلمی بیاض میں نکل آئے ہیں  
سے مین۔ ادھر غیر منہب دونوں رنگوں کو چھوڑ کر یہ شعر جو ظریفانہ کہے جاسکتے ہیں انتخاب کر کے

نالہ کر سنہ جرمیں اختر شمار ہو      شام فراق در کاتب چو کیدار ہو  
رہسوا یہ لین دین ہے تو کیا ضرورت      دل اپنا انکو نقد دیں بوسہ ادھار ہو

مجنوں کی سہی دست درازی ہی تو اکلند      سر نہ ٹکے لیلی کو پڑاے گا شتر پور  
میں خود تری زلفوں میں گرفتار ہو لیا      تو نے تو نہ بھیجے تھے سپاہی کے گھر پر  
کچھ اونٹ سے کم حضرت زاد بھی نہیں آیا      اتنی سی کسر ہے نہیں کو بان کمر پر

رسم۔ لکھنؤ کے ایک قابل ظرافت لکھکار فرضی تخلص ہے۔ جن کی قابلیت اور استعداد  
علمی نہایت معلوم ہے۔ ظرافت صرف ظرافت تک محدود نہیں بلکہ اس سے گزر کر ہوشیار  
کی حدود میں پہنچ جاتی ہے میرے پچھلا صراہ اور التجا پر چند شعر عنایت فرمائے۔  
لیکن اس کے ساتھ ہی منع فرما دیا کہ نام یا صبح پتہ ہرگز نہ لکھا جائے۔ کلام بھی بہت کم  
دستیاب ہو سکا۔ کیونکہ ایسے اشعار جو صاف شستہ ظرافت یا زیادہ سے زیادہ مزہ

نکسہ ہوں ان کے جس پہلو کو ہیں یکے بچے سے دوسرے کو خوش کی گزرتا رہی ایسی بات  
ہے۔ ہر صورت جو شعر ان اسقلم سے باگ ہیں اور جھکے مل اسکے میں اور ج کرتا ہوں۔

ہر اک زبان پر غلغلہ ہے کھراور شوکا	پھنسی ہیں اور وطن جناب نورباک
نہ ان کی والدہ ہوتیں نہ وہ عشق مرا	خدا ناز کے عمر ان کی نانی کی
ٹھکرائے پھرتے ہیں وہ پیٹ چھینے سے	ذرا سی گوشت کی بوٹی نے یہ گرائی کی
گزر رہی ہیں شبانہ نظار کی نگڑیاں	ادھر ٹہری ہے سلائی مری میانی کی
شدت ضعف کا کیا ذکر کہ اگر شب غم	چارہ سدا کے سہارے کھڑے ہیں
ہم سے سرد جانکا اٹھوں نے فیمل ہو کر لیا	اب دم بدم اور ہم اپسر خون کا دعویٰ کیا

**رشک**۔ ان کا میر علی اوسط نام تھا لکھنؤ کے نہایت مشہور و معروف شاعر تھے  
شیخ امام بخش ناسخ مرحوم کے نہایت رشید شاگرد تھے زبان کے زبردست محقق تھے۔ ایک  
نقصت زبان کی ترتیب دی تھی مگر افسوس کہ وہ شائع نہ ہو سکی۔ دو دیوان نظم گرامی  
نظم مبارک غدر سے پیشتر طبع ہوئے تھے اب کیا یہ ہیں۔ غیر شکوہ آبادی ان کے  
ارشاد تلامذہ میں تھے۔ رشک نے ۱۸۸۲ء میں بمبئی سال انتقال کیا۔ اگرچہ یہ نہایت  
متین اور مہذب تھے۔ مگر ان کے بعض شعر ظرافت کے بھی پائے جاتے ہیں۔ اسکی وجہ  
صرف یہی معلوم ہوتی ہے کہ اسوقت کے لوگ حسانات کے ساتھ ظرافت نگاری کو بھی  
شامل رکھتے تھے۔ جو شعر لکھ جاتے ہیں ان سے یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ نادانستہ  
ظرافت نہیں ہے بلکہ قصداً اس طرف قدم بڑھایا گیا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو ہرگز نہ لکھتے

چا دل الماس گوشت کھنت ہو	فرقت یار میں بلا وینس
میرے کھانے سے کیوں خلعت ہو	پاؤ روٹی ہے نان پاؤ میں
اور کیا ہے ترا لعاب دہن	یہ اگر قند کا چواؤ میں

اب کے جاٹے ہیں اور نالہ و آہ اس طرح کا کوئی الاؤ نہیں  
یہ زمین غزل دہے اسے رشک جس میں ازہ کہیں بھراؤ نہیں

اے مایہ حیات کبھی بھگتو مجھ سے جو ٹاٹری رکابی کا تو رنے کم نہیں  
یار بے گورے ہیں کہ فرشتے نہ کیجئے نیلے جی کان پور کے گورے کم نہیں  
سندھ بالا غزل سنا کر کسی ظریف الطبع نے سر مشاعرہ یا سحر محل رشک کو مخاطب کیا  
اور یہ شعر پڑھا۔

چھپرے دور سے دکھاؤ نہیں رشک بٹھا سہجہ بن بلاؤ نہیں  
سننے والوں نے وہ فقہہ اڑایا کہ محفل عشرت گونج گئی۔

رفیع الدولہ۔ دکن کے ایک خود پسند بیوقوف رئیس زادہ کا تخلص تھا۔ اگرچہ  
اس کا تذکرہ کرنا اچھا معلوم ہوتا تھا۔ مگر چونکہ مذکورہ روز روشن اور تذکرہ انساب  
عالمیاب میں ناظرین کی دلچسپی کے لئے ان کا ذکر لکھا ہے۔ اس لئے اتنا غامض نے بھی  
نہ لکھتے پر لکھنے کو ترجیح دی۔ جس زمانہ میں انگریزوں نے دکن میں ریاست پر قبضہ  
کر لیا۔ تو رفیع الدولہ کلکتہ پہنچے۔ نواب گورنر جنرل اور دوسرے عزیزان گورنروں نے  
اس کی حمید دل دہی اور تعظیم کی اور معقول مشاہیر ان کے اخراجات کے لئے مقرر  
کر دیا۔ چونکہ رفیع الدولہ کا دماغ جلا ہوا تھا۔ ان کی وہی بیہودہ اور لالچی باتیں  
جاری تھیں مثلاً آپ جہاں کہیں کسی جلسہ وغیرہ میں شریک ہوتے تو بغیر ہتھیار  
کی کرسی پر خود ہی روئی افزور ہوجاتے تھے۔ کوئی بڑے سے بڑا آدمی بھی سلام کرتا  
و آپ آنکھ کے اشارے سے سلام لیتے تھے۔ چھپرنے اور بنانے کے لئے بڑے بڑے  
آدمی بھی آپ سے جی حضور سے بات کرتے اور جو کچھ کہنا ہوتا تھا دست بستہ کہتے تھے۔

دوسرا خط یہ تھا کہ ہم یہاں بہت احباب اور بھائیوں سے ملے۔ ان میں سے ایک صاحب کھٹ کی روح کو خواب پر لکھنے کے لئے تقسیم کرایا کرتے تھے۔ دوسرا خط یہ تھا کہ اپنے دیوان میں اپنے منفی کو جس سے اکثر اپنی باتیں لکھوایا کرتے تھے کاتب الوحی کہا کرتے تھے۔ یعنی اپنی کلام نثر و نظم کو وحی آسانی جانتے تھے۔ چوتھا خط یہ تھا کہ آپ شعر فرماتے تھے اور کبھی بھول کر بھی موزوں نہ فرماتے تھے بلکہ آپ کے کلام کو رنگ و لہذا میں شامل کرنے کی جڑی و جہ یہی ہے کہ جو کچھ پھر پوچھ اُن سے صادر ہوا ہے وہ موزوں تک نہیں۔ پڑھنے والوں کے لئے دھڑلے دار کثیر ہے۔ انھوں نے جب اپنا دیوان اپنے بڑا ناٹ سے ترسیب دے لیا تو لایا گزر فیضی ہمدرد کو ہدیتا بھیجا۔ اُن کے لئے ایک سامان تفریح ہوا کیا اور مولوی سراج الدین صاحب کے پاس جو مروت قاضی القضاۃ تھے بھیجا کہ اس کا دیباچہ لکھو۔ چنانچہ تعیل حکم کے لئے انھوں نے نہایت لطیف اور طریفانہ رنگ میں دیا چہ لکھا۔ چنانچہ قاضی محمد صادق خاں فترتے اُس صنف کو نقل بھی کیا ہے۔ اب چند شعر غرضتہ درج کئے جاتے ہیں۔

اَلْیَ وَ اَنْشَمْدِیْ مَرَاوَعَا	اَلْیَ تُو اَمْسِدْ دَانِیْ تَرَا
ابر و برق و تجلی در برق نور افشاں آہ	آہ باران کہ حکم خدا نیامد نہ کہ بادل آہ
خَمْ عَدِیْرَا کہ پیغمبر دادہ دِلْمَاک دِلُو	خَرِیْدَارِ مَلَاک رَا صِلَحْ سَرْتَاچ دِلُو
وَمِنْصُورِ حَلَاچ بَدَارُو دَارَا اَنَا اَلْحِیْ گُوید	شَرِیْعَتِ پیغما بَرِ خُدا کہ حق بَیْتِ گُوید
مَاجِقِرَانِ جَنَکِ سَمَرْتَنْدِ لَوْنَمَالِ شَد	بِیْنِ دُجَنگِ کَرْدِہ کہ اَلِدَرْمِ نُو شَمَالِ شَد
سَلَاحِ جَنگِ کہ پَسُو شَمِشِیرِ اَنَد	گُو لُو تُو پِ وَ تَنگِ کہ بَدِ بِلَا اَنَد
مَعُورَتِ لَوْرِ کہ اَرَمَنِ دَرِ کَلکَلَتِ بَیَار	خَوَابِ رَا حَتِ کَجَا کہ پَشِہ بَیَار
زَنَانِ کَلکَلَتِ رَا آبِ بَیَار	گَرْدَنِ صِرَا حِیْ دَارُو وَ شَرِیَابِ بَیَار

مقرر کردہ عالم سخن کو از فی شناس      خدا را شناس و خدا را شناس

رنگ۔ حریف خاں نام عرف مرزار نیگلے۔ تذکرہ مخدائے ان کا ذکر  
مختصراً لکھا ہے مگر یہ ذکر نہیں کیا گیا کہ کہاں کے رہنے والے ہیں۔ صاحب تذکرہ  
مذکور لکھتے ہیں ”استعداد علمی رسمی ہے تفنن طبع کے طور پر شعر کہہ لیتے ہیں جس میں  
بیشتر تمسخر کا پہلو مد نظر رہتا ہے۔ انتخاب کلام یہ ہے۔“

سکون اختیار دل ہوا جس نے اسے پھانکا	سوق عاشقی ہے خاک کے جہاں کا
چالان ترا کیوں ستم ایجاد نہ ہوگا	کیا خون کا دعویٰ ستم ایجاد نہ ہوگا
دارنط میں ہو جاے گا آخر کو قنار	حاضر وعدہ ملت میں تو جلا نہ ہوگا
بند آنکھیں ہیں بھاری نگہتے ہو راندن	یہ تو بتلاؤ کہ افیون اس قدر کھاتے ہو کیوں
گھر بیٹھے دیدار کی تے رہے بے نصیب	قدیر دھکے گھنٹے گھر کے برابر جو یا رہو
بار بار ہو آج تلشکری چٹائیگا	سنا ہے یہ کہ تل رخسار کا لب کی شکر لگا
نہ چوچھو فلسفی کے عقد کا سامان قاضی جی	کنویں کے آگے پانی ہوگا اور سیر کی شکر ہوگی

رنگیلے۔ محمد اسماعیل خاں نام تھا۔ جو پور کے رہنے والے تھے۔ مگر عرصہ سے اپنے  
چچا محمد جعفر خاں کے پاس جو میں پوری میں مٹا رہے تھے۔ آپہ تھے۔ اور ان کی تحریر میں کام  
کرتے تھے۔ رنگیلے مرحوم ابتداء میں متین اور عاشقانہ شاعری کرتے تھے۔ آخر تخلص تھا  
اور حضرت داغ دہلوی کو اپنا کلام دکھاتے تھے۔ ۱۸۹۰ء سے ان کو ظرافت گوئی کا  
شوق ہوا۔ اور رنگیلے تخلص اختیار کیا۔ اس طرح کے کلام میں بھی فکر نہایت صائب  
تھی۔ نہایت اچھے شعر نکالتے تھے۔ مگر ظرافت ہی میں رنگ قیدم بھی شامل رہتا  
تھا ۱۹۰۲ء میں معقول عمر پا کر انتقال کیا۔ ان کے احباب نے ان کی یادگار میں  
ایک بہت بڑا مشاعرہ کیا۔ اور اس کے اختتام پر ایک قصیدہ جو رنگیلے مرحوم کے  
قصیدوں میں یادگار قصیدہ تھا۔ چوکھٹا وغیرہ لکھ کر شعر کو تقسیم کیا گیا۔ رنگیلے کا کلام



اگرچہ بہت عالی پایہ نہیں ہے۔ پھر بھی کافی دلچسپ ہے نوادہ کلام یہ ہے۔

پتیل میں زائون اکھینڈ چلے یہ کہتا ہے  
ہمارے شیخ جی ہنے کی اکثر مشق کئے ہیں  
کمر بند کجا مستی میں کھلا لنگہ سرک آیا  
کبھی نظر اڑاتے تھے کبھی گڑبڑ ہاتھ لگاتے تھے  
بڑا پے میں جوانی کا مزا ملنا غنیمت ہے  
رنگیلے اب نہ چوکا بکرو قیر بخانہ

نیم صبح کے یا د بھی کیا فرم سکتے ہیں  
وہیں پر ہر قدم پر تالیاں فٹتے بجاتے ہیں  
ترا کو چ بھی اک ٹنڈی ہر گاہ سے فرار کر  
چٹائی ان کی میرا لوریا دشمن نے سبق بھینکے  
سارک میں عدد کو لکھی لکھی ہٹکیاں لکھی  
رنگیلے دھڑکتے پھرتے ہیں کئے گول کر دیں  
چمن سے جب تیسے تیسے ہنسنے ہیں  
ہنسکر وہ نیا جوتا جہاں چرم نکلتے ہیں  
ریڑیاں نکلتے ہیں کبھی موڑ نکلتے ہیں  
ہمارے دو گھروں کے رخ فرم سکتے ہیں  
منا ہے وہ بچانے کے لئے بند نکلتے ہیں  
انہیں تو جس میں بھی بکریوں کا بھینکتے ہیں

اے شب غم تری صوت چکا کی پھٹکار  
دیکھا ہوں اُسے نہیں بھی تو ڈھاتا ہوں

رنگین۔ مرزا سادات یار خاں نام تھا اور رنگین تخلص کرتے تھے۔ ان کے والد مرزا  
طہاسپ بیگ ساٹھ برس کی عمر میں روم سے ہندوستان آئے۔ اور ہندوستان کے مختلف  
امرا اور دوسرے سرکاروں میں ملازم رہے۔ رنگین کی پیدائش قصبہ سرہند میں ہوئی  
لیکن انہوں نے نشو و نما دہلی میں پائی۔ اور عمر بھر یہیں رہے۔ سیر و سیاحت کا شوق ابتلا ہی  
سے تھا چنانچہ اسی سلسلہ میں اکثر مشہور مقامات کی سیر کی۔ اسٹان کچھ خاص نہ تھے

کبھی ہجارت کی کہ بسردقات کرتے اور کبھی نوکری اور ملازمت اختیار کرتے۔ چنانچہ عمر مدت تک  
نرزا سیلیاں شکوہ برادر اکبر شادانی کی سرکار میں مصاحبین کے زمرہ میں منسلک رہے۔

فن شعر کا شوق ابتداءً عمر سے تھا۔ شاہ حاتم سے مشورہ سخن کرتے تھے طبعیت  
ہمہ گیر واقع ہوتی تھی۔ متین عاشقانہ۔ ناصحانہ نظریات۔ سبھی قسم کا کلام موجود ہے۔  
ریختی کا موجود بعض لوگ انھیں کو کہتے ہیں مگر یہ بات تحقیق سے دور ہے۔ ان کی ریختی  
میں حقیقتاً عورتوں کی زبان اور رزمہ جذبات وغیرہ موجود ہیں۔ جان صاحب کی طرح  
نہ سراپا آدم میں۔ اور نہ فواحش سے بھرے ہوئے ہیں۔ کلیات رنگین کا نام نورتن ہے  
جس میں چار دیوان موسوم بہ ریختہ۔ بیختہ۔ انجختہ۔ اور دوسری کتابیں ایجاد  
رنگین۔ فرسناد رنگین نامہ۔ محاسن رنگین وغیرہ موجود ہیں اور انھیں کے ساتھ ایک  
مثنوی موسوم بہ دلپذیر بھی ہے۔ جو اسوقت کی بہترین زبان ہے۔ نہ صرف زبان بلکہ  
اس مثنوی کا طرز بیان۔ قصہ کی روانی۔ وغیرہ سب باتیں قابلِ داد ہیں۔ اور یہی وجہ ہے  
کہ اسوقت کے تمام باکمال شعرا نے متفق ہو کر اس کی تعریف کی ہے۔ بلکہ جرأت سے  
تو مصرعِ تلخیص یہ کہہ دیا ہے۔ کہ۔ ہے یہ بدر منیر سے بہتر۔ ایک دیوان انجختہ سراپا بلاغت  
اور ریختی ہے۔ اسکی نسبت کوئی رائے دنیا فضول ہے سب جانتے ہیں کہ رنگین کا درجہ  
اس بارہ میں اتنا ہے کہ لوگ اُن کو موجود تک تسلیم کرتے ہیں سب سے بڑی بات یہ ہے  
کہ وہ باوجود سب کچھ کہنے کے بھی درجہ اعتدال سے باہر قدم نہیں رکھتے۔ اور اس صنف  
خاص میں اپنے تمام معاصرین سے ممتاز ہیں۔ سید انشاء نے بھی اگرچہ طبعیت ہمہ گیر  
پائی تھی مگر سچ یہ ہے کہ وہ ظریفانہ یا ریختی کے رنگ میں رنگین سے بڑھ نہیں سکے۔

واری تری جادئیں خالق پر خلقت کا      کب مجھے میاں جمعے فرمائی قدس کا

اب آٹھ ہر تجھے لگوں ہول دغا یہیں      ہندی کیپے ہو کارنگیں کی نہا ہر کجا

تجھ پہ جو دُعا ہے وہی ہے کہ چاہیے وہی ہے  
 ایک تو نہیں دُعا کی تری بیجا سی  
 اس لگانے سے ترے لئے دُعا ہے ترے  
 بڑبڑاتی ہے تو کیا صبح کو کل رہ تو کسی  
 دوستوں کو کسے دشمن تو کیا ہے قہر  
 تجھ کو تہہ پہ تہہ کی تری بیجا سی  
 قہر یوں گویا کہ دیکھ مجھے تہہ گویا  
 تیرے تہہ پہ تہہ کی تری بیجا سی  
 ہڈی ہڈی تری کرنی ہے مجھے چور دوا  
 کیا کیا ہے تہہ کی تری بیجا سی  
 منظور دوا

رات باتوں میں یہی قہر گزاری آتا  
 سوچ اس کا نہ ہو کر مجھ کو تو پھر کب ہو  
 ہونے ہوئے سو ہو بندی ہے گی شرطی  
 آتے ہی صبح کو اڑ جاتی ہے نگینے کی پاس  
 صدقہ قہر کی تہہ پہ تہہ کی تری بیجا سی  
 جانتی تو نہیں کیا باتوں ہے جاری آتا  
 روز و شب ہے میں شک کہ تہہ کی تری بیجا سی  
 وصل کی اس سے زبان تو ہیں باری آتا  
 کیوں حساب مال مرا میں قہر واری آتا

چلو چلو کر تھک صاحب میں جو لگا لگا کر چلیں  
 کروں قربان میں لپٹو لگا جانی کا کرنی پر  
 ہلا کر سر کیا کر بات تو مجھے نہ ہنس ہنس کر  
 جوانی سے وہ پھل ہے الکی خف نظری  
 دگنا تار نہ برتا ہوسینہ ہی یہاں کا  
 دگنا نا مجھ سے اٹھ سکتا نہیں جو ہر کا  
 زباخی مارنا ہے مجھ کو دور لے کر دگنا  
 وہ کون انسان آؤش نہیں لگیں جو ہر کا

کل جو مغلانی نے سی دیکھ مڑی انگیا  
 لے گئی کھول کے تو شکیں دگنا ساری  
 ٹھیک کچھ حکمت ہے یہ نہیں مغلانی  
 ہو گئی تنگ پچھا دل سے گویا انگیا  
 ایک بھی میرے پنہ نہ پھر ڈی انگیا  
 تنگ اس سے بھی فریب جو پھر ڈی انگیا

نیز آتی ہنس کھٹ روانی آحب  
اپنی بیٹی کوئی کہہ اپنی کہانی آجا  
ہاتھ پر تھمتے کسکے ہوجھلے کا داغ  
دی ہے یہ کہنے تجھے اپنی نشانی آجا  
بال ماتھے کے پڑھتے سے لئے ہیں لڑنے  
نکل لگی ہے بڑی آج بڑائی آجا  
غم ہے رنگیں کو نہ میرا بھئی اسکے پیچھے  
مفت برباد ہوئی میری جوانی آجا

مکھانا کو اور جھکو دیکھا جو لیسے  
تو پھر کیا گرج کر ہو ابھوت خواجا  
غضب ہے کہ رنگیں کا دل بھاپٹنے کو  
نیار و ز کرتا ہے کر تو ت خواجا

رائی تھی چڑیا گھر کسے میں کل چور پڑا  
ہوئی باجی وہ دخل جوئے کے گھر مور پڑا  
دن دہائے جو چنی آئی تیسے گھر میں  
کل دگانا تھے آنے سے بڑا شور پڑا  
کوڑھوں سے جو دواتے لگائی ہنڈیا  
تو پھٹلی میں مری دیکھ لے یہ چور پڑا  
تیری خاطر کروں کتنے میرا گناہ پاری  
قداس بات کا لپکا تجھے درگور پڑا

ہونٹ کو اپنے دواتے بنایا ہے جو کب  
کیا مری چڑھے دھڑکے کا یہ جانا تیرا

شب کو اس صبحی پیر نے یہ غضب لاکیا  
چھپکے مجھے منہ دگانا کامری کا لاکیا  
حقت نظر کو کا جویری تھی جہاں جو تھی کے بعد  
پیٹ اُسے جب دگیا تیرے ہر لاکیا  
کوئی پیدا کیا نیا پھر چاہنے والا لاکیا  
اے دوا کس سے کموں نگین کی چل لاکیا  
سیر دوڑانے میں اس نے مات بگلا لاکیا

میرے گھر میں دناخی آئی کب  
میں گلوڑی بھلا نہائی کب

صبرِ راستی ہے وہ  
کل زمانہ تھی میرے پاس کدھر  
وہ بختی تو گھر میں اپنے نہ تھی  
وہ ڈی لینے کو میں اُسے کس دم  
کھانا کھایا تھا میں نے اُس نے کمال  
کی تھی شب میں نے کس جگہ کنگھی  
ہرگز آتی نہیں ہے سانچ کو آج  
گوندہ کر ہاتھ پاؤں میں رنگیں

شب کو بولی تھی چار پائی کب  
اوڑھے بیٹھی تھی میں زانو کب  
پاس اُس کے گئی تھی دانی کب  
پاؤں میں میرے سوچے دانی کب  
اور دست گواہی تھی ملائی کب  
اُسی اُسے تھی دکھائی کب  
پیش جادے گی یہ بُرائی کب  
اُسے مندی مرے لگائی کب

تجھے ملنے کا رونا مجھے ازل و نوح  
ناک میں دم تھا چڑایا ہے خدا نے انا  
اٹھائیں نے اُسے سخت کڑا ہے نگین

تو ہے بے وید تھے گھر کوئی بہانہ بونج  
عشق کے بند میں پھر بند مر جان بونج  
اے دراجان کوئی ایسے کے قربان بونج

بھاتا نہیں ہے مجھ کو گنوا ری از بند  
ہمسائی پر یہ وقت پڑا ہے کہ تیرا  
دھیلی رُہ لگاؤں تو آتا یہ کتنی ہے  
باندھوں جو کھینچ کر تو دیکھتی ہے مجھے

حاکر دوا دہ کچے کا لاری زار بند  
بُی بن کے چھتی ہے بچاری زار بند  
آیا نہ باندھنا تجھے واری زار بند  
کیا کس کے باندھتی ہے تو باری از بند

زہر کر دیتی ہے وہ کھانے کو اگر تجھے دز  
کیا گئی گزری ہوں یہی کہ جاؤں دُر کر  
ہو وہ دل ناپید جس بن بھیج دانی وہاں

آج سے میں ساتھ اُسکے کھانا کھاؤں و پنا  
اور نہ کر ساتھ لینے اسکو لاؤں دور پار  
واسطے اپنے کچے اس سے میں گاموں دِ پار

اُس نے حسائے میں اگر گھر لیا تو کیا ہوا  
اب اُسے کداز میں چنی سداؤں دو پار  
دل پہ میرے نقش ہیں نگیں کی ہلکی شایاں  
اُسکی بھوئی ہوئی ہند کی لگاؤں دو پار

کروں میں کیا تک اراٹ روز  
تمہیں چاہئے ہے وہی بات روز  
کمان تک سنو کمان تو اڑ گئے  
تری سنتے سنتے حکایات روز  
گئے ہیں مے گھر میں سب تھکوتاڑ  
کیا کر نہ نگیں اشارات روز

کرتی جالی کی مجھے بھاتی ہے ہلکی ہلکی  
کیوں مے واسطے حاجی نے سلامی پشواڑ  
تو دو ایات سے اُسے ادھر فٹ باز  
قادر ہی ہلکی تھی تو دور سے لافنی پشواڑ  
رشک سے نہ پسنی کے لگی پھول بست  
میں نے نگیں یہ پسنی جو رنگائی پشواڑ

اتنی بندی نہیں ہے چاہ سے خوش  
جتنی گونیاں کی ہے بناہ سے خوش  
تیس دن میں کسی سے ملتی نہیں  
ہوں ملاقات گاہ گاہ سے خوش

وہ جو کسے مے گھر میں تو مجھے جانے لوٹ  
جاؤں گھر اُسکے تو مجھے کسے وہ پان دین  
دل کی میں سادی تھی کجفت کہ اُس سے آنا  
کیا میں نے تو مالِ دل و ایمان دین  
آج نگیں کو بلاتی ہوں میں وہ گھر میں مے  
کچھ مہیا بھی نہیں عیش کا سامان دین

مجھ کو اس بات کا نہیں ہو کا  
بندی رکھتی ہے گاہ گاہ کا شوق

اب مجھے دگاکا ناکو مراد بیان کیا خاک  
انسان کی اتنا ہے پچان ہو کیا خاک

کشتی میں کچی تیل کی انا انڈیل ڈال سوکھے ہیں بال سر میں اگے تیل ڈال  
یار شب جدائی تو ہرگز نہ ہو نصیب بند ہو کو پونے آج بیکار کو لے میں پیل ڈال

شوق چھ کھوج مٹی کو جو اس بات سے کم بولتی مجھ سے دگنا ہے بہت راکے کم  
ماں کرتی ہے جھٹ اپنے وہ جو بن بہ دوا گات میری بھی زناخی کی نہیں گاتے کم  
بھیجتا روز ہے رنگیں مجھے پیغام سلام اور میں آگاہ ہوں اس حرف دکھایا ہے کم

کوئی میس کر خوب سی لال مرچیں تھے دونوں دینڈیں میں بھر جائے آؤں

گر کہے گی مجھے کچھ منہ چھوڑ کر باجی تو پھر ٹھنڈی کر ڈالوں رنگین: ہاتھ کی جھول  
اب بوس باقی نہیں رنگیں کہ میں نے ہارنا ہسیناں رنگ کی نہیں بھاری چڑیاں

شفیقین یوں چڑھیں نظر میں تمہاری گماں اور میں کوٹھے سے اس طرح اتار چاؤں

یوں بولتی ہوں بل بڑا خاک چاٹ کر گویاں کی طرح جھاڑو کی تلمہ نہیں ہوں  
میں دفین پھری ہری رگے گیں کوٹ کر رنگیں تری طرحے رنگیں نہیں ہوں میں

اب تجھ سے خدا سمجھتے تھے نہ ہری کا گانٹھ تجھ پر کہیں ٹپکی ہے درگاہ کی گویاں  
ہے دل میں ہوس اپنے رنگیں کی ہوس ہے خواہش ہے مذہب کی نہ چڑھاؤ گی گویاں

طبیعت چاہتی ہے اس کو میسری کھنچی اس سے بھلا کب تک ہوں میں

چشت ہے وہ سو سو بار آکر  
بچی اس سے کھنکھ کج کہتے ہوں میں

جو ہونی تھی سو بات ہو لی کہا رو  
چلو لے چلو میری ڈولی کہا رو  
بچھڑ جاؤ نگری سے مر جاؤ سارے  
لگے شکو ایسی ہی گو لی کہا رو  
چلو ہو لے ہو لے دھک سے سختی  
گئی سب مسک میری چولی کہا رو  
مرے مغز کے پس اڑاؤ نہ کیڑے  
ساؤ نہ اپنی یہ بولی کہا رو  
اکہی کرے نکلے تالوں گھٹی  
یہ جیسی زباں تم نے کھولی کہا رو  
جو ہیں اتری ڈولی سے میں وہیں تھے  
پٹاری مری سپ ٹوٹی کہا رو  
ذرا گھر کو رنگیں کے تحقیق کرو  
یہاں سے ہے کہ پیسے ڈولی کہا رو

تو تو حرم میں مت ہاتھ لگا جھان کو  
سخت بیہ رحم ہے تو ادھی مریجان گئی  
بے وہ آؤ گے کب میں نہ تباؤ لے کہا  
بندی ہرگز نہیں باتا کہیں مہان گئی  
ٹیس پڑو میں اٹھی ادھی مریجان گئی  
مت سنا جھکو دو گانا تارے قربان گئی  
جیسے جب تک ملی تھی مجھے کچھ کھنکھی تھا  
ہاتھ ملتی ہوں بری بات کو کیوں مان گئی  
دہرائی ہے مجھے تیری یہ جھٹل بازی  
یاں ترے آنے سے باجی تھے پہچان گئی  
نہ رنگیں سے کیوں ہنکھڑی پر ہنکھڑی  
کچھ تو گھرائی ہوئی پھرتی ہے اوسان گئی

شکل باجی کی جو یاد آتی ہے  
زاجی روح نکل جاتی ہے  
کھوڑا جاوے مری آنکھوں کا  
میں کیوں ان کو نہیں آتی ہے

آج دانے پہ نوبت جو دھری جاتی ہے  
میری کالی اچی گود بھری جاتی ہے



سیری چھو چھو کی جی کوئی بڑا دے پشتاز  
بوجھتے اسکے بھنجرے سر پہ تڑپتے  
سانے سہری کو کاکے پے ہٹ دائی  
تیری صورت سے وہ ڈر پوٹ رہی جاتی ہے  
سیری پردا نہیں نگیں کو اری آتا جان  
اسکے پاس ایک نئی روز پری جاتی ہے

کل وہ لشکر کو... ہنسے ہنستا رہنے  
جائے لادے تو مجھے اسکی نشانی نہ ہو  
اور تو کیا کسی لوٹے سے تجھے روز گریلو  
لائے گراؤں کا تو پیغام زبان بانی

اتنا بڑا ہی مس ہے اگ مسکی ناک پر  
جتنی بڑی دھڑکی اگلی کی پور ہے  
شاید کہ ہو گیا ترا مٹھا برس شروع  
کو کاکچہ ان دنوں تری چاہت کا شوق ہے

میں تو وہ اوڑھنے کی نہیں کڑی اور جھنی  
بھیجا ہے گوٹ کا یہ ڈوٹہ مجھے چہ خوش  
گرمی کے مارے ناک میں آیا ہے دم مرا  
اور آپ اوڑھنے میں سلسل کی اوڑھنی  
برسات اسکو کہتے ہیں جی جس بہار میں  
پہنچی چلک کر کو اسے لوگو دوڑ پڑ  
آٹا اوڑھنا ہے لکے کوئی ہلکی اور جھنی  
بھاری بہت دکھا دے کہ سر پر لگا دین  
سر پر ہوا کے ہوتی ہے بادل کی اوڑھنی  
کو لے تک جو سر پر نہ لگی اور جھنی  
سر پر نہ لگتی نہیں ہلکی اور جھنی

پھندا دیا مجھے رنگیں کے دام میں تاشق  
کٹے اتنی کرے ناک میری دائی کی

تھوکتا بھی تو نہیں ہے مردو اسکو کوئی  
ریختی کہنی اچی رنگیں کی یہ کیا دہے  
اتنا اتنی ہے جو بن پردا اس واسطے  
منہ چڑاتا ہے موانشا جاکس واسطے

نکلا عید کا چاند جو گھر سے فکر والا نکلا آج  
کیوں نہ پھولوں میں ابھی گہلی اوڑھ لانا نکلا آج

مجھ کو روتا دیکھ کر بولی دوا زاری نہ کر  
تیرے صدقے ہو کے مر جاؤں میں بھاری نہ کر

ہر مہینے میں کڑا ہاتھ تھے مجھے پھول کے دن  
ٹائے ایکے تو مجھے ٹل گئے سہول کے دن

ایکے یہ عہد ہے کہ جو بارہ وفات ہو  
تو میرے در تیسے دو گنا دودھ بات ہو

دل ہو خون اور رخا کو بھاگ لگے  
اس تری منصفی کو آگ لگے

رواق سید محمد محسن نام ہے تکیہ ضلع راولپنڈی کے رہنے والے ہیں بچپن ہی سے  
شاعری کا شوق ہے۔ چھ سات برس ہوئے جب بغرض امتحان کے لکھو آئے تھے تو مجھے سنہ تھے  
پانچ غزلیں بغرض اصلاح دکھائی تھیں۔ اب عرصہ سے معلوم نہیں کہاں ہیں۔ عاشقانہ اور سیرانہ  
دونوں رنگ کے شعر کہتے ہیں۔ طبیعت میں شوخی ہے۔ اگر اسی طرح کہتے رہے تو کسی وقت  
بست اچھا کہنے لگیں گے۔ چند شعوظِ فغانہ رنگ کے نوشتہ درج کرتا ہوں۔

سمن عمر بھاگے اب کاڑی نے بچھاڑی ہے  
زمین بونگے گا گے چھلکا گنگناں جھاڑی ہے  
حرم سے شمع نکلے ہیں غمر غم کی صدائے  
مگر نظریں نیو نیو ہیں اور ہاتھ نہیں اڑی ہے  
نگوٹے عاشقوں کا آج کر شگے وہ شاید  
این آباد میں بیٹھے ہیں ہاتھ نہیں کھاڑی ہے  
دو ڈھیچوں ڈھیچوں کرتے ہیں کئے نازیں گے  
محلہ والے کہتے ہیں کہ عاکوٹی بھاڑی ہے

لودہ آتی ہیں بوائلن کی بھر کائی ہوئی  
ہے دیا کیا کروں میری تو سوائی ہوئی

سے نہ تر کہ کوئی رشتہ جو میرے لیے  
لے ذرا بچے تو بیٹھ کوئی دیکھے گا اگر  
رکھی رہی تنگ دلاش میں یہ سوائی ہوئی  
دو لڑ بھائی ہیں یہ میں لکھو سے شام کو  
باجی آج آیا ہیں کچھ چکی سی شرنائی ہوئی  
شیریں سے کئے لگے فریاد بھٹایا کی  
یہ تیرا دو کہ کوئی چرتی برا بھلا نہ ہوئی

کس کھٹے کسیں پسے کسیں منہا بیٹھے ہیں  
جدھر دیکھو آدھر ہی عاشق بیٹھے ہیں

**ریاض** - منشی ریاض احمد نام ہے خیر آباد ضلع سیٹاپور کے رہنے والے ہیں  
منشی امیر احمد صاحب امیر مینائی کے شاگرد ہیں اس وقت سترہ پچتر برس کی عمر ہے۔ راقم الزماں  
کے حال پر نہایت عنایت فرماتے ہیں اور میں بھی ان کو بمنزلہ بزرگ مانتا ہوں۔ ریاض ایک  
زندہ دل نیک طبیعت خوش وضع انسان ہیں۔ آپ کی شاعری رنگ قدیم میں نہایت بہتر ہے  
بلکہ میرے نزدیک داغ کے رنگ کو ریاض سے اچھا کہنے والے منشی امیر احمد کے شاگردوں  
میں بحر حضرت ریاض کے کوئی صاحب نہیں ہیں۔ ممکن ہے کہ یہ بات ان کے لئے قابل افتخار  
نہ ہو مگر پھر بھی زمانہ اسکی قدر کرے گا۔ اور کرتا رہے۔

زمانہ حال میں شاعری کی دنیا بدل گئی ہے۔ اور اب طبیعتوں کا برحمان الفاظ کی  
تراش حسن و تشویش۔ ترکیبوں اور سہ شول۔ سوز و گداز غیر فطری کی طرف زیادہ ہے۔ مگر ریاض  
کے یہاں قدامت کے ساتھ وہ انبساط وہ شوخی وہ شگفتگی وہ دل کشی اور زندانہ مضامین غرض  
کی افراط ہے کہ زمانہ نے ان کی شاعری کو خمریات ریاض مطائبات ریاض کے نام سے  
شائع کرنا شروع کیا ہے۔ اور آج میں ان کے اشعار کی شوخی طرافت آمیز دیکھ کر اپنے تذکرہ  
میں ان کا خمریاتی زندانہ۔ معاملہ بندی کا رنگ لکھنے اور اس تذکرہ کے لئے انتخاب کرنے پر مجبور  
ہوں۔ ہر چند بعض حضرات کے لئے یہ ایک جرأت غیر معمولی سمجھی جائے گی مگر مطائبات ریاض سے

محرومی یہی تذکرہ کی ناکامی کا باعث ہوگی۔ بعض تذکرہ نویسوں نے ریاض کی شاعری پر یہ رائے قائم کی ہے۔ میر یہ ضرور ہے کہ کچھ عشق کی تصویریں ان کے ہاں کم ملتی ہیں۔ بلکہ اس کے برخلاف بعض شعر غزل میں ایسے ہوتے ہیں کہ جن کو بد اخلاقی کا محرک کہنا ناجزیاب ہے اور یہ باعث اصول شاعری کے خلاف ہے۔ یہ ایک معاصر تذکرہ نویس کی رائے ہے مگر مجھ پر فرض نہیں کہ میں اس کا اتباع کروں۔ میں ریاض پر یہ کوئی الزام نہیں رکھتا البتہ البتہ جن شعروں میں ان کی فطرتی شوخی نے اعتدال سے باہر قدم رکھا ہے ان کے مہذب اور شاعرانہ طرافت کے دائرہ میں لاتا ہوں۔ وہ ہوندا۔

د آیا ہمیں عشق کرنا نہ آیا	مرے عمر بھر اور مرنا نہ آیا
سے چرانے میں ہیں ہر یہ طوں کیسا	ہم اڑا لائے سو آج اچھوٹا کیسا
جائیے جائیے ہم حشر میں سنئے نہیں	آئیے آئیے اب وعدہ فردا کیسا
قرض لایا ہے کوئی بھیس بلکہ شاید	میر و شول کا ہے واعظ سے لقا کیسا
جب یہ بلجائیں کھجے سے لگائے ان کو	ان حسینوں سے کسی بات کا شکوہ کیسا
شوق سے میں نے رہ عشق میں ہیں بہاڑ	کہہ کن ہو تو ہو میں لاکوئی مزدور نہ تھا
سندے صبح و صول کے شکوہ امر جاتا رہا	ان کا شکوہ رہ گیا میرا گلا جاتا رہا
دست خفہ اس طرح اک نہ پھیرا رہا	بیٹھ کر یاد خدا میں جھومنا جاتا رہا
یہاں وہ لے دے ہوئی آکر کہ الٹی تو	ہم سمجھتے تھے کہ حشر میں تماشا ہوگا
یہ دن ہے حشر کا ہو رہیگا وہ جو ہوا ہو	لے جھوٹے کچھاب قول توں قسم سے نہیں کتا
چپکے راتوں کو کہیں آئے نہ گئے	بے سبب نام ہوا آپ کا رخسار کیسا
مے چھین کر کسی سے چومتے تو تھی خطا	جب نام دیکھے پی تو گنہ کیا کسی کا تھا
پراپنی وضع اور دشنام سے فروش	سکر چو پی گئے یہ مزا منفسی کا تھا
جن جن کے آج شمع نے انور کھالے	اب کیا رہا ہے تاک کا مائل نکل گیا

میرے گھر شل تبرکے یہ سماں نکلا  
 نیچی داڑھی نے آبرو رکھ لی  
 کوئی منہ چوم لے گا اس نہیں پر  
 جناب شیخ نے جب بی تو سفر بنکے کہا  
 خانا لگا کے پہنچتے ہیں بگلز نہیں یا ض  
 یہ اُچھے ہیں رندوں سے کیوں شیخ صاحب  
 اک ٹیڈ پاری زور سے زاپہ کے لے رہا  
 بڑا تیز کا کرناگ زر میں توبہ کو لے اڑا  
 کرین کے گیند کریں گے جو سے ہم توبہ  
 شیخ صاحب کیا چپا کرے چلے روال میں  
 مے ریاض اُپ بھیتے ہیں باں ریش سفید  
 ہنر مند کے آنکھ تصور میں پڑے ہیں  
 اٹھواؤ مینر سے سو ساغر ریاض جلد  
 دلائے یاد جو وعدے تو لے چھٹا کر  
 ریاض آئے دو لوگوں نے سیکہ میں کہا  
 ہماری نظر حشر میں شیخ پر تھی  
 اہل حرم میں جا کے بنا آج شیخ وقت  
 آئے میخانے میں جب سب جامع سے ریاض  
 عمر کیا ہوا بھی کم سن ہیں تہا لیسٹیں  
 خم سجد میں سے کتاب بھری جاڑو نہیں  
 واعظ انگوریں ہے دختر زرد بے نقاب

آستیں قیس کی فریاد کا داناں نکلا  
 قرض پی آئے اک دکان سے آج  
 شکن رہ جاوے گی یو نہیں جن میں پر  
 مزا بھی تلخ ہے کچھ تو بھی خوشگوار نہیں  
 کچھ ان کی لیش مہا گئے بہت تباہ نہیں  
 بڑا پے میں کیوں اڑی رنگوا ہے یہاں  
 اب رات میں سہم ہیں کہ اچھی ٹیڈ نہیں  
 ہم گل چلوں کے ہاتھ کی گولی رک نہیں  
 کہ اب دکان سے ملتی ادب بھرتو نہیں  
 کچھ نہ کچھ حصہ رہے یا توں کا بھی پاس نہیں  
 باسے یہ زور کی شکل اور سیکار داج یہ  
 ایسے میں کوئی چھوڑے جو آجائے لکھا ہو  
 آتے ہیں اک بزرگ پرانے خیال کے  
 یہ اور حشر میں لینے کو آبرو آئے  
 کہاں یہ آج بزرگ فرشتہ خواہے  
 وہ سر پر لے عوض کو خرد نکلے  
 کافر ریاض پر کھیا کہیں جسے  
 ساتھ ہی آپ کے قبلے گھٹا بھی آئی  
 سحر میں باس مے خواب میں نہ لے  
 ٹھنڈے پانی سے دمنور کے کھڑکے نہ لے  
 آنکھیں بھوٹیں جو ادھر تک لگے کوئی

ہمارا عیب کھلا ہے کھلتی چھپی توکل  
 عادت وہ جبری شے ہے چھکا انڈر ڈھکی  
 شیخ صاحب برائیاں سے کی  
 کاتب اعمال نکلے کام کے  
 پاس آداب بزرگ ہر بار موضع جوں  
 اتر گئی سر بازار شیخ کی پگڑی  
 شیخ جی گر گئے تھے حوض میں بیٹھانے کے  
 بانس پر میکہ میں تھک چڑھایا شیخ  
 یہ کیا مذاق فرشتوں کو آج بھلا تو  
 چھپر کر مجمع دہا کو ڈرتا ہوں ریاہن  
 شیخ نے مانگی ہے اپنی عمر کی  
 جتنے سے کام کیا کیا جانہ اجرام آسمان ہے  
 بے سے کے مے خلق سے اتنے نہ نزلے  
 اور جو کوئی چپٹ کی آجاسے  
 مل گئے دو دو شریک لزام کے  
 جب چلے نام صبح بھکے ہم بندگی کے واسطے  
 گرہ میں دام نہونگے ادھر اپنی ہوگی  
 ڈوب کر چشمہ کوثر کے کنارے نکلے  
 پھر بھی اپنے تری مسجد کے منارے نکلے  
 ہجوم حشر میں لے آئے ہیں بلا کے مجھے  
 کہنہ مسجد کے عوض ہونہ مرمت میری  
 میکہ سے اب پرانی جاییں گلی



# حرفِ ناز

نِزاع - تخلص تھا جناب منشی محمد حسین صاحب نازش بدایونی کا۔ ابتداءً جناب میں کچھ اپنے جوش کچھ احباب کی فرمائش۔ کچھ ضرورت زمانہ کچھ امر کے خوش آمد کے لئے ضرورت کے رنگ میں بھی شعر کہتے تھے۔ اور بعض شعرا اس رنگ میں ہنسی اور لاجواب ہوتے تھے۔ اب ظرافت گوئی یا لکل ترک کر دی ہے۔ گزرتین اشعار میں زندانہ شوخیوں کی جھلک باقی ہے نازش ایک پختہ شاعر زود گو اور پر گو شاعر ہیں لیاقت اردو فارسی بقدر ضرورت شعر بہت کا فہم ہے۔ شرفیسی میں بھی کافی مہارت ہے۔ حتیٰ کہ بعض اخبارات اور رسائل کے آپ ایڈیٹر بھی رہ چکے ہیں۔ اور اب بھی مشغلہ جاری ہے۔ آپ کی تصنیف سے کئی ایک ناول اور دوسری شاعری کتابیں بھی ہیں۔ ایک ریوان جو انواع سخن سے لبریز تھا۔ اتفاق سے ریل کے سفر میں گم ہو گیا۔ مگر انھوں نے محض حافظہ کی مدد سے کام لیکر روایہ اس کو جمع کر لیا مزاج میں ایک قسم کی خود یادگی بھی ہے۔ اور نگینی بھی۔ قوتِ واہم زیادہ ہے۔ حتیٰ کہ بعض اوقات معمولی معمولی باتوں پر الجھ جاتے ہیں۔ اور پھر مدلوں اس شخص سے مصافحہ نہیں ہوتے دہلی میں زیادہ ترقیام رہا۔ اب عرصہ سے لکھنؤ میں مقیم ہیں مگر پھر بھی جب جی چاہتا ہے بریلی کان پور۔ دہلی چلے جاتے ہیں اور مہینوں واسطی کا نام بھی نہیں لیتے۔ مرزا غالب کے پیرو ہیں اور اپنے تلمذ کو مرزا کے نام و نشان گرد حضرت زکی مرحوم سے منسوب کرتے ہیں۔ مجھے عرصہ سے ملاقات ہے۔ مگر پھر بھی اکثر باتوں پر خفا ہو جاتے ہیں۔ اور عموماً کرنے میں بڑی دقتوں کا سامنا ہوتا ہے۔ کلام ظرافت کے لئے میں نے بہت کچھ خواہد کی نگہدہ کسی طرح کلام دیے پر راضی نہ ہوئے۔ آخر کار جناب نواب علی حسین خاں صاحب یرق شاہجہانپور

جو ایک وقت میں ان کے حریف ظریف رہے ہیں تھوڑا سا کلام مل گیا۔ جو درج کرتا ہوں۔  
 نازش کی عمر سوقت تھینا پچاس برس کی ہوگی۔ مگر طبیعت میں جوانی کی شوخی اور دل میں اولیٰ  
 شباب کی انگلیں باقی ہیں۔ تاہل اور خانہ داری کے فتنوں سے بالکل آزاد تھنا گوشہ عافیت  
 میں زندگی بسر کرتے ہیں۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

مٹی ہے سوزِ ناز سے لیلیٰ شبنم  
 از ار صبح کی میانی اُدھر گئی ہوگی  
 رقیب ناپے گا کلر کی بل سر فصل  
 جو ان کے دست مبارک پر گر گئی ہوگی

شہ اس کی بدبو کا خوار ہوا کر گئے  
 نالوں میں مے نکت گور شتر آئے  
 وہ مجھے یہ کہتے ہیں کہ یوں سے کہنے  
 جوتہ یہ خبر لوں گا جو ایک اُدھر آئے  
 بھٹکے ہوئے طبیعت کبھی ہوئی طبیعت  
 لے حضرت، دل آپ کے دشمن کہہ آئے  
 گر گئے جو یاروں نے بتے غور سے کیا  
 نیرنگی عالم کے کرشمے نظر آئے  
 دکانِ دل عاشقِ عراف پہ آئے  
 وہ بگلتے ہیں نارغ کے آئے کی دھنیں  
 بسکت نہ سہی نازِ خطائی ہی دکھلا دے  
 مدت میں ترے عاشقِ خندہ جگر آئے  
 وہ مانگتے ہیں نارغ کے آئے کی دھنیں  
 دھنکا ہوا دھند کا مارا اُدھر آئے

لاش پر سادہ مزا جو انے لاکا کو ہے  
 زارِ بگلا بن گیا سیت پیر میں نہیں  
 پاک نیت سے رنجِ روشنِ نظر کو  
 غیر کو بھیا بنا لو یہ ہمیں منظور ہے

ہم در حسن پہ کیوں ڈالت لگا میں صبا  
 داہ اچھی کمی یہ کام ہے ساروں کا  
 ضبط ہو جاگتی شمشیرِ اداسِ نظر  
 آپ لینس نہ رکھتے جو سنجیدگی کا  
 سن کے یہ بات کہ ہے انکی سواری میں  
 چرخِ چارم پہ دماغ آج ہے سیدھا



میرٹھی ملا۔ یہ پوچھے کوئی کیا زبانِ زاغ نکسالی نہیں

زانی۔ دکن کے ایک مشہور ہنر ال تھے۔ میر غلام حسین اسق برابوری انھیں کے شاگرد تھے۔ گیارہویں صدی ہجری کے شاعر تھے۔ کلام بادِ جو تلاش بھی دستیاب ہو سکا ایک مرتبہ ایک شخص سے کچھ شعر سنے تھے اب وہ شخص بھی نہیں۔ مجبوراً خاموش ہوتا ہوں۔

نرمیٹر۔ سید باقر حسین نام ہے۔ سنہ ۱۸۷۵ء میں گنج لکھنؤ میں قیام ہے۔ نہایت قابل اور فاضل شخص ہیں گو مجھے کبھی ملاقات نہیں ہوئی۔ مگر سنہ ۱۹۰۵ء میں پچاس سال کی عمر پر ایک غزل مطبوعہ نقل کرتا ہوں باقی کلام ایک صاحب سے زبانی سنا تھا اور کلمہ لیا تھا۔  
زیادہ حالات معلوم نہیں۔

ہے جگر بے رحم کے سینہ میں گن لے پاس	سنگ خارا کہ جریا کھی ہوئی سلسلے کے پاس
یائے پائے میں کیوں پئے اگر جاتے ہیں ہم	خیزکتے ہیں اور چلتے ہیں بل بل کے پاس
ناک کے پہلو میں سہ گال پر ہے یا کے	اک بہاڑی طرح رکھی ہے سہ نقش کے پاس
کیا بتائیں حسرتوں کے جگہ میں جاگزین	دل کے نورِ دل کے بچے دل کے اندر کے پاس
یوں چمکتے ہیں دہن پر ناک میں گن کا بلاق	اگیا عینال ہے گویا چہ بابل کے پاس
گر طالع اختلاج قلب مانگا بوسے وہ	یہ سلیسہ میری لٹکائے تو اپنے دل کے پاس
ہے جین پر شکن کے پتھے یہ لمبی سی ناک	یا کھول کار کھدیا نیچے بٹہ سہل کے پاس
پھر تار ہے، سوختِ زہر میں کے رخ کے گرد	گھومتا ہے یا چوہا سدا مد کا مل کے پاس

جب تک اس دست نازک کی ہر لکھائی تھی  
بے سبب کہن اسطے پھسلا مار پائے نظر  
گدہ گاہ شیخ جی ہست کش نائی تھی  
سیرہ خط عارض جانہ پڑھا کائی تھی

کون کتا چو کہ غالب کی اندر ہی قبر میں      داؤد کو تخت چاہتے تھے نہ تھی

میں جو ہیں ہیں اُن کے آہوں میں فتن      یا نھے تھے ہاتھی بھرتے میں کجی بن میں

زیرک - گو ندرام نام تھا ایک کشمیری پلٹ سے جو لکھنؤ میں رہتے تھے۔ شعر و شاعری سے انتہائی ذوق تھا اور فن شعر کے نہایت اچھے جاننے والوں میں تھے۔ ایک مرتبہ محمد علی خاں نے کشمیریوں کی سچو میں ایک قطعہ کہا تھا اتفاق سے وہ قطعہ زیرک کی نظر سے بھی گزرا انھوں نے اس کے جواب میں بہت سے قطعے کے چند شعر حزیں کے قطعہ کے اور کچھ شعر زیرک کے قطعے کے تفریح طبع ناظرین کے لئے نمونہ لکھے جاتے ہیں۔

### اشعار قطعہ حزیں

شرح قومی شنو از من کہ ندر اندسب	ادب شرم و حیا غیرت از ایشاں طلب
ہمہ حامی و دلاک بود اعلالش	مالی دلو و سادو و گرا بار باطرب
در حسب نامہ شاں از ہمہ خلق جدا	در نجابت بعز از ایل رساند نسب
کس ندیدہ بوطن مردن کشمیری	در جہاں چوں صف رند روان اطلب
یک از میں قوم ندید است و نو کشمیر	برنگر دوجوز سوراخ براید عقرب
پے پگ جبہ و اندشتا باں بیوشق	نزد ایشاں دو قدم راہ بود تا جلب
بے سبب نیست اگر دوستی اظہار کنند	بعد اوت چو در آید مجوئید سبب
در محبت چو ذباب و بمر و ت زبور	بسخاوت چو غراب بیجا عذاب
جزو نظے کہ کند خامہ آہنا تحریر	ہنرج و سالم آنرا ہمہ بینی اخرب
گر کنند از تن زارت چو شخوں چو پسا	دیر بنداز گفت یا ماں پیر پیر عجب

کشف و پا جامہ ناندہ یکے از بچے  
لنگ و حمامہ تمامی بروز نہ ہل عرب  
تامنی زاد دنیائے دنی کشمیری  
لاش اس قہر معروں بدی الیس غرب

## جواب زیرک

شیخ شیطان کہ حیرن نام و خطا بہتر آید  
در سخن یافتہ ریں جزو زمان منہصیب  
بیجا آب نہ در چشم و نہ بر رو دارد  
خاک و ساخت ٹھہرنے فحلت رب  
قلبتاں چوں نہ ہذاق عروساں  
میں ہاں بھتہ زمانہ بخوابش شرب  
ہمچو پیکان دلش غیر دل آزاری نیست  
چوں کہاں غم نشو و پیش کسے جز مطلب  
خانہ اش نے بہ فلک ہست برے نہیں  
سر بسہر خانہ بر انداز چو اس اسٹنٹ  
ساکن دیر خند و زائر بتخانہ ہستند  
غور کن بودن اورا بہ بنارس سبب  
کیست در شیطنت اسے شیخ بگو ستادت  
کہ عز ازل بود پیش تو طفل مکتب  
فتنہ بازاد بہ ایراں وجودت شاید  
مولرت ام خیانت شد چوں بہت غتب  
چوں تو مودی نہر و راہ و گرہ بوطن  
رے سوسرا خنہ دید کہت و نور غتب  
حرف بد جز بہ زبان و لب بد کہے آید  
بد اگر در حق نیکیاں تو بگوئی چہ عجیب



# حرف سین

سب رنگ - قاضی عبد المعنی نام تھا بدایوں کے رہنے والے تھے قمر صاحب  
شاگردوں میں تھے - ظرافت گوئی کا شوق تھا اور نہایت اچھے شعرا اس رنگ میں نکال لیتے  
تھے - چند شعرا کے یہ ہیں -

فضول کس لئے تکلیف ہو پکانے کی	لگاؤ تاک کہیں روٹیاں چرانے کی
اسی سے قوتی مے لیس پھیر دی جھاڑو	تیری نظر نہیں کبھی ہے مال خانے کی
اگرچہ گنج تو باقی نہیں ہے اب نیکن	ابھی تک آ پکو عارت ہے سر کھجانے کی
دہ زندگی میں چرائے گئے تھے دل ہیرا	اب اُن کو فکر ہے میرا کفن چرانے کی
سنا یہ میں نے تمہیں مرنے کا کھاتے ہیں	یہی سنا ہے ریشوں کے بھنگانے کی
سنا ہے پیٹ میں آج اُن کے درد اٹھاؤ	سزا ہی نہیں ہے رنگ کے ستارے کی

سجاد حسین - یہی مشہور معروف ذات تھی جنکی ادارت میں ہندوستان کا ہر دماغ نظر آتا  
اخبار اودھ پنج سابق ششہ ۱۳۰۷ء سے ۱۳۱۰ء تک نہایت شان اور اُن بان سے نکلتا رہا  
منشی محمد سجاد حسین مرحوم کے والد منصور علی صاحب ڈپٹی کلکٹر تھے جو پنشن لینے کے بعد اک عصر  
درانک حیدر آباد میں سول جج کے عہدہ پر ممتاز رہے۔ منشی صاحب معروف ششہ ۱۳۵۶ء میں بھام  
کا کو ری ضلع لکھنؤ پیدا ہوئے ادا اکل عمر میں زیر نگارانی ذاب فلاح حسین صاحب لکھنؤ میں  
تعلیم پاتے رہے اور ششہ ۱۳۷۰ء میں انٹرنس کا امتحان پاس کر کے کچھ دنوں تک کیننگ کا لکھنؤ  
میں ایف اے میں تعلیم پائی۔ مگر تعلیم سے دل اچاٹ ہو گیا۔ اسی لئے امتحان میں شریک نہ ہوئے

بتلاش معاش فیض آباد گئے۔ اور وہاں فوج میں اردو پڑھانے پر مقرر ہو گئے۔ لیکن طلبہ کے اس کام سے بھی کوئی خاص لگاؤ اور مناسبت نہ تھی۔ اس لئے چند ہی روز کے بعد اس شغل کو ترک کر کے منشی محفوظ علی صاحب کے مشورہ سے اردو پنج لکھنؤ تشریف کیا۔ اور اس میں اپنی خدا داد ذہانت سے وہ طباعی دکھائی کہ چند ہی روز میں یہ اخبار نہایت مقبول ہوا اور ایسے ایسے نامہ نگار آپ کو مل گئے جنھیں جانِ ظرافت کہنا کسی طرح سے سچا نہیں ہے۔ مرزا محبوب بیگ ستم ظریف۔ ترہون ناتھ پھر۔ نواب سید محمد خاں آزاد۔ سید اکبر حسین۔ کبیر آبادی۔ منشی احمد علی شوق۔ منشی جلال پرشاد برقی۔ پٹنات رتن ناتھ سرشار۔ منشی احمد علی کسمپوری۔ ابوالکلام مولانا امید الہیٹھوی وغیرہ وغیرہ۔ ان مضمون نگاروں نے اور بھی اخبار کو چار چاند لگا دیئے۔ اور انھیں کی بدولت آسمان شہرت آفتاب بن کر چمکا۔ اور پنج نے زبان اور قلم کی ہر گز انتہا قابلِ قدح خدمات انجام دیں کہ آج تک یاد گار ہیں۔

اخبار کے علاوہ منشی صاحب موصوف نے چند نظریات ناول بھی تصنیف کئے جو آج بھی دنیاے ظرافت کے لئے مایہ صندانز ہیں۔ جن میں سے تاجی بقول۔ احمق نیری۔ پیا۔ چینی۔ میٹھی چھری۔ قابل ذکر ہیں۔ رینالڈ کے ایک انگریزی ناول کا ترجمہ نہایت سلیس اور دلکش اردو میں کیا جسکا نام طلسمی خاؤس ہے۔ گو یہ ناول ایک ترجمہ ہے۔ مگر طباعی اور ذہانت نے اس کو طبع زاد بنا دیا ہے۔ ایک کتاب حیات پنج چلی بھی نہایت دلچسپ آپ نے تصنیف فرمائی جسے نظریات تالیف میں ایک درجہ امتیاز حاصل ہے۔

منشی صاحب موصوف کو ایک مستقل شاعر کہنا زیادتی ہے۔ مگر اکثر نگاروں کی ذخائر طبیعت سے نظم کے چراہر بھی نکل گئے ہیں۔ جو قیفاً ظرافت کے تاج کے لئے سزاوارتہ موتیوں سے کم نہیں۔

آپ کی فکر کے فخر۔ پھینیاں بھی شعر سے کم نہیں ہیں۔ مگر ہم یہاں ان کو نظر انداز کرتے ہیں اور صرف چند اشعار جو آپ کی تصانیف سے چنے ہیں درج کرتے ہیں۔

حیاتِ شمع جلی تمام ہوئی تو آپ نے یہ تبلیغ لکھی -  
 چھپے ہیں قہقہے جو شوخیاں ہیں طرط  
 سال تا تاریخِ جنم و زوفا ہاتھ کی گلفت  
 شیخ جلی آگئے دنیا میں باسجدی  
 حاجی بغلول جب کٹے والی پر عاشق ہوے ہیں تو ہجر میں کچھ استیقاۃ شعر  
 بغلول کی زبانی آپ نے لکھے ہیں - ملاحظہ کیجئے -  
 مرسل کے موڈھے پہ بیٹھو صنم تم تن زار گھسکر ٹھٹھیرا ہوا ہے

یاروں کو کیوں ہے واقعہ کھیل ہو گیا کیا امتحانِ عشق میں میں فیصل ہو گیا  
 تن ہو گیا ہے سوکھ کے کا شاہیول کا اپنے لوح میں عشق امریل ہو گیا  
 اسٹیشن عدم کو چلے ہم فراق میں جانی تمھارا ہجر ہمیں ریل ہو گیا  
 دیوانی فوجداری سے بھگڑے میں عشق بغلول کیا ڈرے گا اگر جیل ہو گیا

قسمت کی خوبی دیکھئے ڈوٹی کسان کی دو ایک ہاتھ چاہ میں جب بول دے گی  
 پہنچا جب ان کے کان میں اڑے ہلکے منہ کھولے غم سے ہائے بغلول رو گیا

نالیوں ہم نے بطرزِ دگر ایجاد کیا ساتھ سائیس کونے کا وٹھیرن یلو کیا  
 بغلول کے مختار نامہ عام کا ایک شعر سپردم اٹھیں مایہ خویش را  
 حاجی صاحب جب مقدمہ کی طرط رجوع کرتے ہیں تو فرماتے ہیں -  
 عزیز و حق تعالیٰ کبریا ہے شرف جس نے عدالت کو دیا ہے  
 حاجی صاحب جب گڈھیا میں غرقاب ہو جاتے ہیں تو فرماتے ہیں -

ہوے چکے ہم جو روا ہے کیوں درگزیار  
وہیں پر تے شام بیکر دیر غائیں غائیں کرتے

سخی۔ تخلص سید پرورش علی نام۔ آپ کڑا ضلع الہ آباد کے باشندے اور سید جلال  
بخاری کی اولاد سے تھے۔ زندہ شرب۔ آزاد مزاج۔ یار باش خوش خلق۔ پابند وضع آدمی تھے  
نماز سوزہ کے پابند تھے۔ بچہ بچہ درود و نذر زبانوں کے شاعر تھے۔ بچہ بچہ لکھنؤ اور تخلص تھا  
اردو کے کلام میں نہایت شہرت اور فنی ترقی فرمائی۔ ۱۲۹۹ھ میں پیدا ہوئے اور  
پینسٹھ برس کی عمر یا کر ۱۳۹۲ھ میں وفات پائی۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

بوسہ بند سخی مانگتا ہے	ایک دیکھے گا تو دس پائے گا
اتنا کتنا تھا کہ یوسف نہ کہو	گالیاں دیں سر بازار یہ کیا
کہاں دین کو گھر بے محل جائیگا	اجی جھٹ پٹے میں نکل جائیے گا
مرے دل میں آئیے یہ فائدہ ہے	ذرا اور ساپٹے میں دھل جائیگا
شیخ جی کہتے ہیں غنا کو حرام	انے پوچھو تو ہیں یہ گانے کیا
سہ جگہ مکر اتا ہوں تو کہتے ہیں	میرے دیوار کا حقد حافظ
ایک میں جس کا نامہ اعمال	دو فرشتے سیاہ کرتے ہیں
تو ہے یہ شیخ جی بڑا نہ کہو	دیکھو وہ بت کہیں خدا ہی نہو
دل کھلو۔ نہیں جو کہتے ہو	ہم ہی لیں گے ہم ہی لینگے

سحر مولوی۔ اودہ پنج سبقت کے ایک مشنوں لکھار ہیں جن کا نام اور حال علوم  
نہیں غزال یہ ہے صفت معرا عن المعنی میں لکھی گئی ہے۔

طباغیہ سحر عکس باض سے جاننا ہے	چمک غور شد عالم تابا کی تیر خوار ہے
ابھتی زلف نیلی فام ہے بند ز مجنوں پر	کہ نافر کو خیال لیلی عشر خراماں ہے

نہیں تھی میری پروردہ پر کس کی نذر عساک  
کہ بھوکو خواہش تھی فاضل کیش ہر آن ہے  
زبون کیش ہوا میرے کب تھلے نہانی کا  
مردان بھی گذر گا چلی اسے بے جا زور ہے  
نہر صفت کیش تیغ ادا ہے یار عاشق کو  
کہ ہر اک نیش ل پروردہ آغوش ادا ہے  
تھلے مصیبت آزا کچھ اور کتنی ہے  
کہ وقف سادگی ٹپنے ل پیدا و خواب ہے  
نہیں ہے رابطہ الفت کسی جز و حیناں  
کہ ہر اک ن میں اک نازاں نذر پہنچاں ہے  
میں احسان کیش ہوں کہیز کرتے لطف پہنچاں  
غم آوار گیمائے صبا محب کو فراوان ہے  
دفاے حسرت گیمائے عجب ادا ہے  
تعب کیا سحر گہ فار چشم نکتہ سخن ہے

**شیر** شیخ رمضان علی نام ہے سندیلہ کے رہنے والے ہیں سید منصب علی صاحب ستر  
تلمذ ہے۔ ایفون کے متوالے ہیں اور اکثر اُسی کی وجہ میں شعر فرماتے ہیں۔ اب عمر تقریباً پچاس عین  
برس کی ہوگی تلاش کے بعد مرثیہ دو شعر مل سکے وہ یہ ہیں۔

ایفون بی کے کما بین خمیر کی ریوڑیاں      کیا کعبوں کے چلبے میں مجھ ناواں پر  
ہم سے ساتھ بھی سا بان کیا کیا تیرے تھیں      اور چھیلے ہو کو لوں کا اور شریا ہی انہوں کی

**شیر** یمنی پنڈت رتن ناتھ سرشار مصنف فسانہ آزاد۔ وسیع کسار و مدہم سرشار وغیرہ  
آپ کے والد کا نام پنڈت جینا تھا تھا۔ جو لکھنؤ کے ایک معزز کشمیری خاندان کے رکن تھے۔  
سرشار مرحوم نظریات شاعر تھے صرف شاعر نہیں تھے۔ مگر ادبی طبع میں اپنی نظموں  
میں وہ وہ چلبے اور چٹکے شعر کہہ جاتے ہیں جو دوسروں سے بالارادہ کما بھی شکل ہیں۔  
اصل اول میں اور دھبہ میں نظریات مضامین لکھتے تھے۔ اس اخبار سے بہت کچھ ان کی  
ظرافت نگاری کو قتی ہوئی اور ایک عمدہ شاعرانہ کی قابلیت اس میں پیدا ہو گئی۔ مگر چند روز کے  
بعد اور دھبہ پر خ کے نادر نگاروں سے علحدہ ہو گئے اور اور دھبہ اخبار کی ادبیری کر لی۔ چونکہ



سجاد حسین مرحوم ایڈیٹر اودھ قج اودھ اخبار پر ہمیشہ کچھ نہ کچھ لکھتے رہتے تھے اور سرشار کو جواب دینا چاہتے تھے اس لئے آخر میں دونوں صاحبوں کے تعلقات کچھ اچھے نہیں رہے تھے۔ مگر الصاف اور حقیقت یہ ہے کہ سرشار نے جو کچھ لکھا وہ اودھ قج ہی سے سیکھا اور باوجود اس کے کہ وہ شگفتہ با محاورہ مثر لکھنے میں مشاق تھے۔ ہر طبقہ ہر فرقہ کے حالات اور محادثات سے باخبر تھے۔ ظرافت نگاری ان کا جزو تحریر ہو گئی تھی۔ مگر سجاد حسین مرحوم کی ظرافت سے اس کو ذرہ و آفتاب کی بھی نسبت نہیں ہے۔ رتن ناتھ سرشار جب ظرافت لکھتے ہیں تو کچھ عوام و رواج کے نقشے کھینچ کر کچھ محاکات پیدا کرتے ہیں کچھ اس فرقہ کے حالات لکھتے ہیں اور ان کو محاورہ کو داخل کرتے ہیں۔ کچھ اصطلاحات خاص لاتے ہیں۔ کچھ ضرب الامثال سے زینت کلام میں لیتے ہیں۔ کچھ ہنسنے ہنسانے والے الفاظ استعمال کرتے۔ کچھ کلام کو طول دیتے ہیں۔ کچھ مشاہیر کے ٹرپانے والے اشعار مصحف بموقع لکھتے ہیں تب کہیں جا کر عبارت میں ایک لطف پیدا ہوتا ہے۔ اس میں بھی ایک نقاد کی پہلی نظر نگاہیں کو آدرد کا عیب صاف اور کھلا ہوا نظر آتا ہے۔ اور دوسری نگاہ خوردہ میں طوالت کلام کی وجہ سے ہر داستان کو سعدان بن لندہ کی داستان خیال کر ڈالنے کی رنگین الفاظ کے قالب ظرافت کے نقش و نگار سے مزین اور مزین معلوم ہوتے ہیں۔ مگر وہ لعبت چہین سے زیادہ نہیں ہوتے نہ ان میں کوئی روح ہے نہ جان ہے۔ عام نظروں کو دھوکہ دینے میں البتہ مدد کرتے ہیں۔ اس کے مقابلہ پر سجاد حسین مرحوم کی عبارت کو دیکھئے تو وہ عربی فارسی کے بلیغ اور روزنی الفاظ کی ثقالت کے باوجود بھی اتنی رنگین ظرافت میں ڈوبی ہوئی ہوتی ہے کہ دیکھنے والے کو کوئی حصہ اور کوئی بیرونی اور اندرونی پردہ اس سے غائب نظر نہیں آتا۔ غور کرنے پر اس کے لطف میں برابر اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ ایک ایک سادہ فقرہ بھی ان تمام فرائض کو ادا کرتا ہے جس سرشار ایک ایک کر کے جمع کرتے ہیں۔ ایجاو۔ ایجاز۔ اختصار۔ فصاحت۔ بلاغت۔ ہر جگہ دوش بدوش نظر آتی ہیں۔ ایک ایک چھٹی ظرافت کے ایک ایک فقر کا جواب ہے۔

ہر فقرہ کا تاج ہے کہ جس جگہ میں ہوں اس کے لئے وضع کیا ہوں۔ ہر جملہ جانا ہے کہ اس رنگ خاص کا یہی آغاز ہوتا اور مٹی پر اس رنگ کا اختتام ہے۔ سجاد حسین مرحوم کو ان کے کام دیکھئے۔ الہامیہ ساختہ کہ انھما ہے کہ ع بسیار خواب دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگر کی۔ راقم الحروف جب سجاد حسین کی کسی عبارت کو دیکھتا ہے تو نعمت خان عالی یاد آتا ہے۔ صحت زبان کا فرق رہتا ہے باقی کچھ نہیں۔ اہل اس میں کلام نہیں کہ ان جواہرات کو چہری تیار کر سکتے ہیں۔ ناشناسان ظاہر میں اسکی بلا غفلت کو دیکھ نہیں سکتے۔ اسی لئے کہیں سجاد حسین کے مقابلہ پر سرشار کو ترجیح دیتے ہیں۔ اور کہیں کسی دوسرے کو۔ اس کے سوا کہ وہ اپنی پسند کے مختار ہیں۔ عقل رسا۔ ذہن نقاد۔ ذوق سلیم۔ اُن کو خیبر محض بھی کہہ سکتا ہے۔ ایڈیٹر اودھ پنچ پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ اُن کا تبسم نقشہ کی حد۔ وہیں پہونچ جاتا تھا۔ مگر وہ یہ نہیں دیکھتے ہیں کہ یہ تبسم اگر نقشہ ہے تو اس سے ظرافتوں پر دوسرے خرمون پر کبھی گرجاتی ہے اور اگر تبسم ہے تو مزاج و مذاق کے ہرے بھرے چمن۔ اُن کو بھی ایسی ایک۔ غنچہ شرما دیتا ہے۔

سرشار مرحوم نے پچیس چھپن برس کی عمر یا کر سنہ ۱۹۰۳ء میں بمقام حیدر آباد انتقال کیا شاعری میں منشی مظفر علی اسیر مرحوم کے شاگرد تھے اور نہایت عقیدت رکھتے تھے۔ گو ظرافت کلام نہیں ملتا۔ مگر اُن کے متین کلام سے چند اشعار منتخب کر کے لکھتا ہوں۔

### از مثنوی تحفہ سرشار

لندن کی پلا دو آتشے	اسے پیر مغال کہ ہر چھایا ہے
داتا بلو شراب اچھوتی	خوشبو خوش رنگ تیز چو کھی
کوثر کی گنجی جوئی ہے منظور	لیڈی وائن جسے پئے ہو
بدست ہوں پانی کے ایک چلو	زاہد کو بنائیں خوب الو

فزوی کاشی کا کون مانے  
 اس یخ بچھے ذرا کی سوگند  
 لے سخن سے لگائے جام بادہ  
 کیوں شیخ کو اجنباب ہے یہ  
 کیوں قبلہ اگر کوئی پری چم  
 بحر خونی ز پاسے تا فرق  
 پھر کاتی ہوئی وہ بوٹی بوٹی  
 پازیب کو خوب جھم جھماتی  
 لپٹا کے گلے کے مری جان  
 پی لویہ شراب پر لگالی  
 گورے ہاتھوں سے بنی علی جان  
 اس پان کو لے کے آپ کھاویں  
 ادبم بودہم ہو پن ہو یا پاپ  
 اور میں بھی کیوں اٹھا کے حلین  
 نہط کے شکلام پر درم ہو  
 کھٹکن نہیں ہے درم کو کھٹکا  
 یارو دنیا سے دوں ہے کس کی  
 جٹل مینوں کو دے تو دسکی  
 اکھوں میں پتھر کیلئے نہ مانے  
 رندوں کی گرہ میں باندھے بند  
 اک بوندہ ہی پی پی نہ پی زیادہ  
 کچہ زہر نہیں شراب ہے یہ  
 بانازد کرشمہ و خشم و چم  
 ہنستی کنتی ہوئی دانا ہنستہ  
 اجہرا سہینہ کچوری چوٹی  
 پیاری پیاری کھیں دگاتی  
 جو کچہ کہوں مان لو میں قربان  
 اٹھتی ہیں گٹھائیں کالی کالی  
 میں صدقے لگا دو جھکواک بان  
 بیٹھے بیٹھے مرنے اور اویں  
 جو کچہ کے سب وہ کیجھے آپ  
 تسلیم جناب قبیلہ من  
 شب کو کھٹکن سے وہ کرم ہو  
 سیکھا اچھا ہے تم نے کھٹکا  
 مہڈم کی نہ میم کی نہ میس کی  
 کسکی رہی اور رہے گی کس کی

نیچرل شاعری کا بہترین نمونہ سرشار نے اس انداز سے دکھایا ہے کہ ان عیان  
 بے خبر کو شرمنا نا چاہئے جو خواہ مخواہ ہر بے مکی بڑ کو شاعری بھگوانے نیچر کی  
 طرف منسوب کرتے ہیں۔

اے انجی ریل رہ لڑدی	دے پھیہ چکڑہ دو بردی
اے کاک جہندہ لیونریڈ	دے برقی جہندہ بریگیڈ
اے رشک خرام ریل گاڑی	دے روکش ٹانگن پہاڑی
اے درتگ وپو برنگ لولل	دے گولہ توپ جنگ کابل
اے تیر گمان ملک ایراں	دے برش خنجر صفاہاں
اے جوش ابال گرم ہانڈی	دے قفل بوتل براڈی
اے ریگ روان دشت چخماق	دے چنگاری سنگ چھماق

ایک اور ساقی نامہ ہے جو سرشار نے اپنے سب سے زیادہ دلچسپ ہیرہ  
خوجی کے نام سے فسانہ آزاد کی جلد چہارم میں لکھا ہے۔ خوجی فسانہ آزاد میں وہی  
درجہ رکھتا ہے جو سجاد حسین مرحوم کے ناول حاجی بلول میں خود ببول اور حذر ریڑی  
یا احسن الدین میں بھولے لڑا۔ آپ ایک حماقت کی سرپند پوٹ ہیں۔ جس کے کھولنے  
یا کھلنے پر انواع و اقسام کی غیر ضروری اور ضروری حماقتیں برآمد ہوتی ہیں اور جب خوجی  
کی ذات سے خوجی کی حماقتوں کا تجزیہ کیا جاتا ہے تو وہ ایک حماقت معرکی دل خوشکن  
اور مضحک تصویر بن کر رہ جاتے ہیں۔ ساقی نامہ کی نقل یہ ہے۔

اے ساقی مشک رنگ شب نام	شے بھر کے افیم ناب کا جام
جب تک ہے بدن میں جان بانی	ٹپکا منہ میں افیم ساقی
چنیا بیگم کا عاشق زار	یعنی خواہیہ بدلیج بیمار
برسوں سے ترس رہا ہے ساقی	رہجائے یہ آرزو نہ باقی
ساقی تسدح افیم دیدے	اور اُس میں ملائے نیم دیدے
نشے کے پینگ خوب بڑھچائیں	اور کڑوے کریلے نیم چڑھ جائیں
نشے میں جو کتنے بیٹھوں اشعار	پینگ کا ہو دیو مجھپہ اسوار

گمان نہ کیا کرتا کہ یہ دھرم ہے  
 سطر میں ہوں رشک لطف خباں  
 ہر لحظہ بنے حبشہ کی لٹون  
 ساقی چینی کی پیالیاں لا  
 کر رحم بلا افیم چسپنی  
 ہو نٹوں پر آگئی مری جان  
 تو بے خبر ادھر میں ہوں رنجور  
 ہے میری دعا کہ خالق کُن  
 جمع رہے وہاں انیموں کا  
 بیماری موت بد بلا ہے  
 مر جاؤں گا گردے گا افیون  
 پیاری ہے افیم جان دہلے  
 دوسرا ساقی نامہ بزبان خوچی (خواجہ بدلیا)

کہ ہے شوق گلگشت باغ نعیم  
 پلا ساقیا مالوے کی افیم  
 میں قربان جاؤں ذرا کم ہیر  
 کرم کر حقیروں پہ مائی دیر  
 جھلک آب اسود کی جھلک دکھا  
 پیاسا کئی دن کا ہوں ساقیا  
 نہ چاند نہ افیون کا بجانہ نگ  
 نہ مطرب نہ ساقی نہ مینا نہ چنگ  
 سر ہانے پہ کہہ قم باذن افیم  
 جلائے دم دا پس اے کرم  
 پلا جام انیوں ابھی بیدار نگ  
 نہ تاخیر کر ساقی مشک رنگ  
 چڑھوں یہ کلام فصیح نجم  
 دم پنیک و عیش بے رنج و غم  
 کہ بہتم اسیر کمند افیم  
 کر پا ترحم بہ حال سقیم

جو چٹکے مرے منہ میں انیوں اب  
 تو کم ہو ذرا جو شش اضطراب  
 سچیاں زانیوں پر میخو رند  
 سچیاں نبات و شکر می خورد  
 نگہ دار مارا ز راو خطا  
 خطا در گذارد ا فیم منسا  
 نداریم غیر از تو فریاد رس  
 بدہ جام انیوں باقی ہوس  
 خراب دسیہ مست دزدانم  
 بدیعا بس اب روک بخی زبان  
 دم صبح ہوتا ہے پینک کا دیان  
 ایک جگہ خواجہ بدیع الزماں بدیعا معروف بہ خوچی ایک ڈاکٹر سے خفا میں  
 تو فرماتے ہیں۔

خدا کی قسم شکر کر شکر کر  
 فردی سے خالی ہے میری کمر  
 قرا بیچہ پاسس ہوتا آگہ  
 تو کج کر کے میں ہو کئے تلک  
 جو پینک میں ہوتا میں بے خبر  
 تو بچے کی صورت اڑا دتا سر  
 دو بار جگہ خواجہ بدیعا یعنی خوچی صاحب حلوائیوں کے ایسے بھیجے پڑ  
 میں کہ اپنے تصور میں تمام حلوائی کی دوکان چٹ کر گئے ہیں اور ڈکار بھی نہیں  
 لی۔ اس رنگ کے شعر بھی دیکھئے۔

خواہش نہ قند کی سے نہ خواہش نہیں  
 چسکے پڑے ہوئے تھی چٹکی نہیں  
 کھٹیاں وہ کھلے رات قند سے مل گئے  
 انسوؤں منہ میں کئے دوڑا دیں گئے

رحم اب یار کردگوں گنہ گار نہیں  
 ہم بھی لے غیرت خبر میں ہن فلاد نہیں  
 کیا تری کو کل سچاں کا کیا نظارہ  
 سیکو کس واسطے بل کرتے ہیں نظار نہیں  
 یسے جلاب کو کلفند عجب ہوتا رہا  
 ڈالوں شکر پوتے اتے میں ہار نہیں  
 بوسے پائیں جوئے گل کے شیریں کے  
 قند گھل جابے شکر خورد کوئی مقاد نہیں

کیوں زمانے میں مٹاؤں گے ہر لمحہ نگاہ کی  
 کیوں دشمنان رہیں جو نہیں کر صبر و بردباری  
 عرق آلودہ وہ ابر نہیں مزا ہے اسے دل  
 لیشیز کی تہے بدست مصری کی طرح  
 کیوں باقول یہ عداوت ہیں عداوت ہے پایہ  
 صاف مصری کا مزا ہے تری گفتگوں میں  
 دہوم ہے چاروں طرف سے بکے بازاروں میں  
 بے عوض آجکے شربت نہیں تلواروں میں  
 بدست لونی کے ہے شکر تری دیواروں میں  
 جا بجا ہوتے ہیں مولود جو بازاروں میں

استحسان کو بہ کاری میں رہیں ثابت قدم  
 جوتیاں جس رنگ کے چاہیں چلیں دیکھ لے

فیض کی کمزریاں سے نکلے  
 مزار کی ایچ انیم کا رنگ  
 تو قیر و گناہ دیکھئے گا  
 سب جان انشور دیکھئے گا

جب تک کہ دل کی بے کلمی جاے  
 ادوا ترے والے گت چلی جائے

درہشت آئی نظر جب تیرے عاشق نے کیا  
 کیوں نہ سترک میں ہے گرد ہر آن فیضی  
 کتا ہے خواجہ فرنی کا کہنے کا صبا  
 لوٹ سکتا نہیں افسوس تبا سا مجھے  
 میں یہ سمجھا جھٹی دیکھو کے حلو اسون  
 تیرے افسانہ کا ٹر ہے یہ عمارت میری  
 ڈھیر گنوں کا زمیں پر ہے کہ تیرا میری  
 درق فقرہ سے کہے کوئی ریت میری  
 تیرے گنوں کے مٹھائی پہ نزاکت میری  
 جلوہ دکھاتی ہے شاید صفت میری  
 ڈھیر گنوں کا زمیں پر ہے کہ تیرا میری

مصری کی بغیا چلکے صنم نیچے افیم  
 ہے جائے نطف کھیت کہاں غم کے میں

سرسپٹ - محمد عباس نام ہے بدایوں کے رہنے والے ہیں۔ جناب قمر بدایوںی سے اصلاح لیتے ہیں۔ شتہ ظریفیت (جو قمر صاحب کے ظرافت گو شاگردوں کے کلام کا مجربہ ہے) سے کلام کا انتخاب کیا گیا ہے۔ بجز نام کے دوسرے حالات سے اطلاع نہ ہو سکی۔

میں نے اس خان سے اس شیخ کا کفر دیکھا  
ڈنگلی ہاتھ میں اور ساتھ میں بند دیکھا  
بھونکتے کاٹے اہنک نہیں دیکھا لیکن  
موتے میں نے انھیں ٹانگ اٹھا کر دیکھا  
ہتک میں نے کبھی نیم کی ڈنڈی کے سوا  
ہاتھ میں اُن کے نہ شمشیر نہ خنجر دیکھا  
کس طرف یا رکواٹ جو ڈنڈے جاؤں سرٹ  
یہم پولس میں بھی کئی روز برابر دیکھا

خط لکھ کے کیا کرے کوئی انکی جنابیں  
لا حل بھیتے ہیں وہ خط کے جواب میں  
ہر دن کی باندھ باندھ سے غلط بجات ہو  
بڑا ل آپ کیوں نہ ملائیں نقاب میں  
دو اس طرح تو عارض روشنی کھا چکے  
ماچس بے آگ لگا دوں نقاب میں  
یہ کالے کالے تل منج پر زور نہیں  
کچھ کمیاں بھنکتی ہیں چنی کی قاب میں  
پینے کو دام گانٹھ گروہ میں نہیں ہے  
اب بھیک مانگتے ہیں وہ چشم لیب میں  
آندہ پیل سے بھی بڑھ جائیں کیا غیب  
بھینے سے کم نہیں ہیں وہ عمدہ نقاب میں

سڑ پتا ہے دل و چشمی مرا یوں لکھی فرماں میں  
کہ جیسے بانٹکھا بچنے کوئی نستان میں  
تجھے سچ چم کا یوسف کیوں کر وہ دل شافی  
گرادوں آج لجا کر کسی سے کی کوئی ان میں  
کوئی تیرے بیرون بار بھی لکھتے تو ہم کہتے  
چچا سعدی نے سب کچھ لکھ دیا اپنی تان میں  
مٹ نہیں ایک ہفتہ میں جو سرود مرتبہ اپنا  
اب ان سے کیا کہوں دل بھر رہی افغان میں  
وہ اپنے چوٹے بھیا کو بھی اپنے ساتھ لائے ہیں  
کے تیرے دوں آخر میں لہر اور تیاں میں  
تری بار بار طعنی آتی ہر دل میں لے سجادم  
کہ جیسے اکڑ کر صبح کو آتا ہوں نڈال میں



مردان شہید ہونے کے لئے تیار ہو کر جاتے ہیں۔  
 کئی بڑے بزرگوں نے یہ فریاد کیا ہے۔

بڑھا کر نام لینا ہے تو یہ کہہ دو کہ چتر ہو  
 پڑنے پر ہو رکھتے ہو چوکی کی سرک پر ہو  
 کسی کم عمر سے قدر محبت ہو نہیں سکی  
 اکیسوں کا راجہ ہے شہر کے جانے سے  
 تمھاری گول آنکھیں لال تھیں سول کی جھنڈ  
 یہ کیا بندر کی صورت یہ ہم لائے ہو لایہ سے  
 عدو کے چھپے چھپے کیوں بھر کرتے ہو گڑبڑ  
 ستانے کا مزہ میری جاکھادوں انکا دوسرا  
 وہ ننگے پاؤں بھی رانگوں باپے چھپکر  
 یہ کیا کہتے ہو تم بہ وقت شہر کے ٹپے خر ہو  
 کہیں تو دید اس اٹو کے چٹھے کی میسر ہو  
 اگر ڈر سہل ہو دلبر تو کم سے کم چھند ہو  
 نعل میں بستر اہوا دکھٹیا اس کے سر ہو  
 یہ سب باتیں سنا لی ہیں کہ تم دراصل بند ہو  
 ارے مرد خدا تم آدمی ہو یا قلند ہو  
 خدا تجھے تمھیں مشفق بنایا اس کے نوکر ہو  
 جو میرے ہاتھ میں جو تہ ہوا در انکا گھاس ہو  
 ہلے ساتھ بھاگ آئیں انکے پٹ پٹو چھپ کر

سرکوب۔ دور موجود کے ایک خوش مذاق شاعر ہیں پوری زبان کے گنواروں کی  
 بولی میں شعر کہنے کی مہارت ہے چنانچہ اشعار ذیل اسٹھ ٹاپ کے ہیں۔

ہم کا بتائی بات ہے کا ہرے یا ڈال  
 کیا بتائیں میں  
 سب کا جگے دیکھیں جس چہرے کے  
 موٹھے پر اچھکار کھ کے بڑی دھجھاگ جلا  
 گردن پر اسکو  
 کر یا ہے رنگ ایسے مے بانے یار کا  
 کا لا ایسا  
 مارو تو موت مائے ہرجیٹ سی اجاراں  
 انار  
 لیٹا کر بن آج سے سارے ساراں  
 لگا جو کو تو روح اکیلا بجا راں  
 لگیا جو کیندن  
 ہوئی طے رات دن کا جو بھلے بجا راں  
 دن کو

دن سے پہلے دیکھ کے وہ بڑے رنگ  
 چٹا سے دیکھ کر چھتر دیکھا  
 دوتی دانت گھس گئے کسک لہو بے باک  
 دانت سے ایسے جویاں کاٹس بیاہاں  
 مارے ڈرن کے بھاگ گئے لکچا پی جان  
 دیکھوں لہو بھرا جو میں اُسکی کٹیاں  
 کمر سے جہد کا ڈیل ملا ہوتے مارا  
 بدعتی اندھیری گھڑی ماں بھلائے کے  
 گھٹس سے لاگ ہے سر کین سنگار ماں  
 سرکوب تارا ٹوٹا کرت ہے سکار تک  
 موتی پر دت ہے جو وہ بھٹس کے : ماں  
 صبح کے بال میں

**سعدی** - آپ کا اسم گرامی مصلح الدین تھا۔ مگر تحقیقات جدید کے مطابق معلوم ہوا ہے کہ شمس الدین آپ کا اصل نام تھا۔ ہر صورت آپ نام کے ساتھ نہیں بلکہ اپنے تخلص کے ساتھ استفادہ مشہور ہے کہ آج دنیا کا بچہ بچہ آپ کو جانتا ہے یا کم از کم آپ کے تخلص سے آشنا ہے۔ بہت سے بزرگوں کا قائل ہے کہ جو مقبولیت اور جو شہرت آپ کے کلام کو پہنچی وہ دنیا میں کم کسی کو نصیب ہوئی۔ آپ کی تعریف اور آپ کے احوال کا کھنڈا تحصیل حاصل ہے ہر شخص آپ کے کلامی منہی واقف ہے۔ آپ جس طرح عرصہ فادہ ہر رنگ کلام کے بادشاہ تھے اسی طرح صنف ظرافت کے استاد کامل تھے۔ اگرچہ ہزل و ظرافت سعدی کے نام سے ساتھ اچھی نہیں معلوم ہوتیں مگر میں نے ایک قدیم نسخہ میں یہ عبارت دیکھی۔ کہ حضرت نے خود فرمایا ہے۔ کہ مجھے بعض اہل بلوک نے دیکھی کہ تم ظرافت لکھو۔ مگر میں نے انکار کیا۔ یہاں تک کہ میرے قتل پر مادہ ہو گئے۔ تب میں نے یہ ظرافت اور ہزل لکھی ہے۔ اگر سعدی یہ بھی نہ لکھتے تب بھی قابل الزام نہ تھے۔ کیونکہ بہت سے لوگوں کے نزدیک ان کے کمال کو مکمل اور مسلم کرنے والی یہی وجہیں ہیں۔

### باب ہجتم گلستاں در عشق و جوانی - اور ہزلیات

اُن کی ہزلیات رنگ زمانہ کے موافق سیکڑوں جگہ درجہ فحش تک پہنچ گئی ہیں۔ مگر اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ وہ جس رنگ میں ہیں متنع الحجاب ہیں۔ بہت سی ظرافتیں ہیں جسکی تہ میں ظرافت کے ساتھ نصیحت کے پیش بہا جو ہر نظر آتے ہیں۔ بہت سی جگہ الفاظ میں ہیں مگر ایک ایک لفظ میں تنویر و عفران نثار پوشیدہ ہیں اور ایک ایک سطر دیوارِ تہمتہ کا جواب ہے۔ میں کو شش کروں گا کہ اُن کی ہر رنگ کی ظرافت سے کچھ کچھ انتخاب کر کے لکھ دوں۔ ملاحظہ فرمائیے۔

زمانہ کے رجحان طبیعت کو دیکھتے ہوئے انھوں نے نوکر اور غلام کے لئے یہ قید لگا دی ہے۔  
 غلام آبکش باید و خشت زن بود بندہ ناز میں مشت زن  
 لطیفہ۔ ایک مرتبہ رات کے وقت آپ کا معشوق آیا۔ کہہ کرے ہوئے اٹھے چراغ آئین سے بجھ گیا۔ وہ بگڑ گیا۔ اور چراغ بجھا سخت برا معلوم ہوا۔ کہا کہ سعدی تم نے یہ کیا حرکت کی کہ میرے آتے ہی چراغ بجھا دیا۔ آپ نے فی البدیہہ یہ قطعہ پڑھ کر سنایا۔  
 چوں گز نے بر پیش شمع آید خیزش اند میان جمع بمش  
 و شکر خندہ ایست شیریں لب آتشیش بگردد شمع بمش  
 یعنی جب کوئی ایسا شخص شمع کے سامنے آئے کہ اسکا دیکھنا دلبر ایک گرائی کرے تو ممکن ہو تو اٹھ کر اس کو مار ڈال اور اگر کوئی معشوق ہے تو اسکی آئین پکڑ اور شمع کو مار ڈال۔  
 یعنی بجھا دے۔

لطیفہ۔ ایک مرتبہ آپ کا ایک محبوب معشوق سے کچھ جھگڑا ہو گیا۔ اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ وہ ان کو چھوڑ کر چل دیا جدائی کے مصائب نے انھیں بہت پریشان کیا۔ مگر کیا کرتے مجھ ہو گئے مدت کے بعد ایک مرتبہ معلوم ہوا کہ وہ واپس آگیا۔ مگر اب وہ زمانہ من و شباب کا باقی نہ رہا تھا ڈارٹھی میچیں نکل آئی تھیں اور وہ بہار کا زمانہ نازاں سے مبتدل ہو گیا تھا اب وہ غم سے

اور کشتے ناز و انداز رخصت ہو گئے تھے۔ وہ جب دستور ان کے پاس بھی لٹنے کے لئے آیا۔ پاؤں  
اخراجتہ یہ بنگلگیر ہوئے۔ اور ہنسکر یہ قطعہ پڑھا۔

آنروز کہ خط شاہد ت بود صاحب نظر از نظر براندی  
امروز بیامدی بہ صلحش کش فحشہ و فہمہ بر نشاندی

تازہ بہار تو کنڈل زرد شد دیگ منہ کا تش ماسرود شد  
چند حسرامی و تکبر کنی دولت پارمینہ قہور کنی  
پیش کے رد کہ خریدار است ناز بر ان کن کہ طلبگار است  
مشوق کے سبزہ لہ خیز پر آواز کہتے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔

سبزہ دربار غفٹہ انخوش است داند آنکس کہ میں سخن گوید  
یعنی از روئے نیکو ان خط سبز دل عشاق بیشتر جوید  
بوستان تو گند نازار است بسکہ برسیکنی دیرد یید  
پھر کہتے ہیں۔

گردست بجان دانتی مجھ تو بریش بگذاشتی تا بہ قیامت کہ برآید  
یہ کہہ بھی جی سیر نہیں ہوتا تو ایک پھٹی بھی کہہ ڈالتے ہیں جو اردو میں یوں کہی جائیگی  
چاند کو چوٹے چھتے ہیں۔

سوال کردم و گفتم جمال رفعت ترا چہ شد کہ مورچہ برگرداہ جو خید است  
ایک جگہ تجویہ کی بنا پر لکھتے ہیں۔

امرو آنگہ کہ خوب د شیرین است تلخ گفتار و تند خوے بود  
چوں بریش آمد و بلاغت فد مردم آمیز و مہر جوے بود  
ایک جگہ بدھوں کی مذمت میں لکھتے ہیں۔ کہ اُن سے تو جوان بیویاں خوش

نہیں رہ سکتیں۔

پیرے کہ زجاءے خویش نتواند خاست  
الایہ عصا کی شش عصا بر فیضد  
لطیفہ۔ ایک بڈھے نے ایک نوجوان عورت کو ہر نامی سے شادی کی۔ مگر  
بوجہ ضعف کے یہ اپنی بیوی کو خوش نہیں رکھ سکتے تھے۔ آخر کار دونوں میں جنگ ہوئی۔  
اور دوں رات لڑائی جھگڑا رہنے لگا۔ عورت نے علیحدگی اور طلاق کی عرفی قاضی کے یہاں  
دی۔ بڈھے نے سر عدالت عورت کی بڑی خدمت کی۔ اتفاق سے سرری بھی وہاں موجود  
تھے آپ نے ایک بات اکر فیصلہ کر دیا۔ پوری حکایت ہے۔

خیال بست پہ سیرانہ سرگر حفت	شنیدہ ام کہ درین روز با کن پیر
چو درج گوہر شاد چشمہ دریاں بہ	بخواست دختر کے خوبروے گوہر نام
دلے بکلمہ اول عصلے شیخ بخت	چنانچہ رسم عروسی بوعتس کو
مگر بہ سوزین فولاد جامہ تنگفت	کمان کشید و زور بہت کنواں خست
کہ خان و خان من بر شیخ دید باکت	بہ دوستاں گل آغاز کرد و جت ساخت
کہ سر بہ شجہ و قاضی کشید و جدی بخت	میان شوہر و زن جنگ نقشہ خاست چا
ترا کہ دست بلرزد گر چہ دانی گفت	بس از ملامت و شفت گناہ و خیریت

یہ نظرافتیں ہیں جو ان کے کلام نظم و شعر میں زیادہ سے زیادہ پائی جاتی ہیں۔ مگر  
ہر لیاقت جو از سر پایا شوخی اور تمسخر سے بھر می ہوئی ہیں ان میں حد سے گزر کر اکثر جگہ ہنسنے  
کی حدود میں پہنچ گئے ہیں۔ اس لئے انتخاب بھی نہایت دشوار ہو گیا ہے پھر بھی چند  
شعر انتخاب کر کے پیش کرتا ہوں۔

آن گنبد سیم رنگ در دوا بیلو	آن شیفہ راجہ باد و برق افتلو
ہم سایہ بد خدے کس را نہ ہاد	از بہر منارہ زاویہ وقت نکرد
کز عاشق بیچارہ نمی کردی یاد	آں عمد بیاد داری و دولت داد

آن روز گویم کس چو نتواند بود  
دامروز بیامدی که کس چو نتواند بود

ایں ریش تو سخت ویر برمی آید  
موس ز نخت بزیر برمی آید  
! اینهمه چوں ... ن قوی آرم یاد  
آبم به دهاں ..... برمی آید

مرد کے غرقہ بود در بیچوں  
از سمرقند بود پسندارم  
بانگ میگردوزارینا لید  
کاس درینا کلاه و دستارم  
ایک مرتبہ ایک کریہ الصوفی حافظ کو قرآن پڑھتے دیکھا تو فوراً یہ شعر پڑھے  
گر تو مشران بدین منطوفانی  
بہ بری رونق مسلمان

غذا این حافظان ناخوش آواز  
بیا مرد و اگر سالے بخوانند

قلم بیاد تو در مشت کس نمی گنجد  
کہ در شد کہ ندید است این و الحید  
ترا دوا سیہ کرد روزگار و ہنوز  
مرا چشم قلم میرود مداد سفید

حریت عمر بسر بردہ در فسوق و فجور  
بوقت عمر پشماں ہمی خور و سو گند  
کہ توبہ بکردم و دیگر گنہ خواہم کرد  
تو خود در گرفتوانی ریش خویش نهند

دیو گر صومعداری کند اندر ملکوت  
ہمچو ابلیس ہاں طینت ماضی دارد  
ناکس است آنکہ بد اعد و شاہ کس است  
ہزد و دواست اگر جامہ تقاضی دارد

امرے کا زبلاست در براست خوش بود از دختر در چاہے

بس قامت خوش کہ زیر چادر باشد چوں باز کنی مادر مادر باشد

ز بارم کے دہد بہ گزان کہ نداند شریعت ز روش

دو منظور موافق روے دہم ہر آنچہ آنرا بود این را ہسیا  
 ہر آنچہ این را بود آنرا مسلم بصحا باہم و در خانہ دہم  
 مقدم در موخر برده تانات گر این حرفہ نگہداری ہمہ عمر  
 من این پاکیزہ رویاں دوستارم عروسان متفع بے شمارند  
 کہ گم بیرون کنی شلوارش از پل حجاب نام و نگاہ پیش بردار  
 اگر محکم بہ بندی عقد شلوار وصال دوستان بچ است دیار  
 ہر آن کہ پشت آدم زاد ناچار طریقت خواہی از سعدی بیاموز  
 چہ خوش باشند ہم زانو دہم ہر آنچہ این را بود آنرا مسلم  
 بصحا باہم و در خانہ دہم دگر بار این موخر آن مقدم  
 نہ دینارت زیاں باشند دہم اگر دشمن شوند م خلق عالم  
 عروے را بدست آور معمم تو پنداری کہ خروارے ست شلغم  
 کہ محرم ن نہ پوشاند ز محرم ہنوزت عقد صحبت نیست محکم  
 حدیث دشمنان با دوست و چرم رود پر پشت فرزند ان آدم  
 رہ این ماست لے برادر تا جہنم

مدیم امرے سی سالہ چوتھو در اہلام کہ فتنائے چنین آخر از ایاں باشد

اگر دوست تو یک ہفتہ چھانبد ہفتہ دگر تیش تا میان باہر

اے خواجہ اگر بخرو دھکینی جز جلق زون کار و گزگیزی  
چہ خوشتر ازاں بود کہ ہنگام جماع تاخایہ فرو بری سرشس راہی

مرکب از بہر راحتہ باشد بندہ از اسب خویش درج نیست  
گوشت قطعاً بر استخوانش نیست راست مانند اسب شطرنج نیست

سگ۔ ایک شخص قزوینی کا تخلص ہے جو شاہ عباس صفوی کے دربار میں ظریفوں کے زمرہ میں ملازم تھا نہایت بے ادب گستاخ اور شوخ مزاج واقع ہوا تھا۔ ایک مرتبہ عیسیٰ خان قوری ہاشمی اس کے دروازہ سے گزر رہا تھا۔ اس کے بٹھانے سے تھوڑی دیر کے لئے بیٹھ گیا۔ اتفاق سے میاں سگ کے دروازہ پر ایک کتا سوتا تھا۔ عیسیٰ خاں نے پوچھا کہ یہ آپ کے یہاں کس عہدہ پر ملازم ہے۔ جواب دیا کہ قوری ہاشمی پر۔ کبھی کبھی شعر بھی کہتا تھا۔ انوس کہ ظریفانہ رنگ کے استعارہ مل سکے مرنے ایک شعر سادہ ملا

سحر آدم بہ کیت بیکار رفتہ بوی تو کہ سگ بنوہ بودی بیکار رفتہ بوی  
سگ کے متعلق بہت سے لطائف و ظرائف درج کئے گئے ہیں مگر اکثر ان میں سے غیر مذہب ہیں اور بعض ہمارے تذکرہ کے متافی ہیں لہذا ظلم انداز کر دیئے گئے

سو خیمہ آپ کا نام میر حسین کشمیری الاصل ہیں اور دور موجودہ کے ایک خوش مذاق خوش فکر ظرافت گو ہیں۔ علاوہ شاعری کے آپ ایک معزز اور موقر اہل علم ہیں



چنانچہ نسیان نہ ہو کہ اس کی چٹری میں نکلتا با آپ نے اپنی نانیہ لکھ دی  
 کا ایک دائرہ قرار کر لیا ہے اشتہار کی طرح کبھی کبھو داشر بولے باہر قدم نہیں رکھتے۔ ایک ایک شعر  
 اشتہار انگیز اور آتش معد و کو تیز کر کے دلا کرتا ہے۔ نوبہ کام یہ ہے

بحر قلام جب سے چلے کا دریا ہو کر	عکس غور شد نظر تے کیلچا ہو کر
اترے متاب زمیں پر جو پراٹھا ہو کر	انجم چرخ بریں آے پکڑا ہو کر
شور با قلاب میں بہتا ہو جو دریا ہو کر	طلق لبیک کہے کہو نہ رکشا ہو کر
لطف کھانے کا جو آیا بھی تو بیکار ہو کر	سوکھی رتی بھگتی خلیں یہ ستر ہو کر
اسے طبع کوئی ندیر بنا دیا اسی	چلے نسخہ میں لکھی جاے نقشا ہو کر
کونے خراب ہیں بھی جو تو برہنہ کھلے	تور دیں تپ کر تری آو بخار ہو کر
عقد برانی کا جھوٹا مٹھن سے ہوا	گٹا گئے مفت و ہاں شیخ چھوہا ہو کر
فرقت قلاب میں کی سپرے اتنی نازی	کھلگئی ریش بچارے کی ہتاشا ہو کر
نوع اجناس کو حاصل ہوا پہلے بخت	پہلوے دیک میں جل جل کے ہر با ہو کر
اپنی ہستی سے گڑجاے جو دیاس خوش	قدر شلغم کی ہوئی دیکیں کستا ہو کر
ہوئے معذور و سرور اپہ چڑھ کر منصور	چڑھ گئے سیکڑوں میں شیخ قبا ہو کر
خشک سانی میں نہ کہ سوختہ امید پلاؤ	بس گئے سیکڑوں اس میں دیا ہو کر

سغلی - عنایت خاں نام کالے خاں عرف تھا۔ نہایت بذلہ رخ اور لطیف گو تھے  
 اگر کے کے رہنے والے تھے۔ ہزل گوئی کا شوق تھا۔ اور اسی میں کافی مشغور ہو چکے تھے۔  
 عرائض نویسی سے اوقات بسر کرتے تھے نہایت حاضر جواب۔ خندہ پیشانی۔ زندہ دل گو  
 میں تھے۔ باتیں کرتے تو معلوم ہوتا کہ منہ سے بھول جھڑتے ہیں اسی ظرافت کی بدولت  
 راجہ بلوان سنگھ کاشمی کے دربار تک پہنچے۔ مولوی نیاز علی پریشان نے جو اگر ہیں تسلط

میں مشاعرے کئے انہیں شرکت کرتے تھے: دور اس وقت آؤ گی عمر چالیس برس کا تھی تھیں گزشتہ تھے مگر زندہ ملی اور ان باتیں میں کبھی فرق نہ آنے دیتے تھے۔ مرزا مہر اکبر آبادی کے شرف تلمذ سے بہرہ یاب تھے ظرافت میں وہ وہ باتیں نکالتے تھے کہ بے اختیار زاد و دنیا پڑتی تھی مختلف اخباروں میں کلام شائع ہوتا رہتا تھا آخر کار شرف شاعر میں دنیا سے خالی کو خیر باد کہلوایا مرتب ہو چکا تھا۔ مگر وہ شاید طبع نہیں ہوا اس لئے کلام کیا اب بلکہ نایاب ہو گیا۔ جو شعر مل سکے وہ درج کئے جاتے ہیں۔

راہ دار سے ملک الموت تری یاری کی	گھس گیا تاک میں مرزد کی چھپر ہو کر
معشوق بچہ زاد سے سغلی خدا بچائے	کیا انتشار ہوتا ہے کل مل کو دیکھ کر
میں اپنی ناقہ زانی پر روتا ہوں اس لئے	اب لوگ دیکھتے مجھے سنگ لگا کے ہیں
بادہ بیوں کہاں سے میں فصل بہار میں	نقدی تھی جس قدر وہ گئی سب آٹھار میں
انگوڑی میں ہے نہ وہ لذت انار میں	منعم مرزا ہے جو مری مٹی جوار میں
اس گل ترے فراق میں کانتا سا ہو گیا	مجھے زیادہ بوجھ ہے بھولوں کا رین
عروضی خردہ گیر شاعران باصفا تھے	دہائی جسطرح سے عیب جمے دلیا تھے
کہا کرتے ہیں فاسق سیکھو نیکو حضرت و غلط	بڑی داڑھی بڑا کریمہ ٹٹے اکثر سا تھے
نکالو گھر سے ایسی جو بی ماما کا لانا تھے	کہ چکلے پرنسلیں اور نہ جو لچے پوتا تھے
کریں انشراح کیا فرمائے اس قحط سانی میں	نہیں تباہ دن پر اور پابند قبا تھے
چڑھا دگل مے مرقد ہے گل اندلو	یہ اپنے گلگلے لیجاؤ زین خاں کے لئے
بتاؤ مجھ کو بھنگیڑو کہ ہر گئے میکش	بھنگتا پھر تاہوں میں اپنے کاوان کے لئے
کیا صاحب کے میم کے مس کے	دل اٹھاؤں میں ناز کس کس کے

سودا - یعنی مرزا محمد رفیع سودا جنکی شیدہ ایسی تھی کہ چار دانگ عالم میں دیوہم ہے

جن کی ہجو نگاری نے اپنے معاصرین کو کسبِ کمال دیا تھا۔ ان کے والد کا نام مرزا محمد رفیع تھا جو کابل سے دہلی میں آسکے۔ اور پیشہ تجارت سے بسر اوقات کرتے تھے۔ حضرت اللہ میں سوداگی و تجارت پر توجہ۔ اور زمانہ کے دستور کے موافق تعلیم حاصل کرنے کی بے شمار شعاعی کا شوق ہوا۔ شاہ جاتم کے سامنے زانے تلذذ کیا۔ اپنے وقت کے مشاہیر اور اکابر شعرا سے معرکہ آرائیاں ہوتی رہیں۔ اور دلی کے کوچہ کوچہ میں ان کی ہجوین مشہور ہو گئیں۔ مگر چونکہ خاندانِ تموریہ کا پسراں اقبال برائے نام چل رہا تھا۔ اس میں روشنی بالکل باقی نہ رہی تھی۔ عروج کے درخت کی جڑ میں دیک لگ گئی تھی۔ اس لئے قدر دان ناپسند تھے۔

اہل کمال پریشان اور خستہ حال تھے۔ ادھر یہ عالم اور دھرم اور وزیر اکا یہ زور شور یہ رنگ تھا کہ سلطنت کے مالک بن بیٹھے تھے۔ چنانچہ لکھنؤ میں وزیر الملک نواب آصف الدولہ بہادر کا دور دورہ تھا ہندوستان کے گوشہ گوشہ سے بالکل ادھر ہی کچے چلے آ رہے تھے میرزا سودا کو بھی عبوراً ادھر کا رخ کرنا پڑا۔ فرخ آباد چوتے ہوئے یہاں آئے قدر دانوں اور اہل کمال نے انھیں ہاتھوں ہاتھ لیا اور خوبی قسمت نے چند روز کے بعد نواب کے دربار تک پہنچا دیا خطاب ملک الشعرائی جس کے صحیح طور پر وہ مستحق تھے شاہ عالم کے دربار سے پاچکے تھے۔ یہاں اسی کے مطابق عزت افزائی ہوتی رہی۔ انھوں نے بھی ایسے ایسے قصیدے نواب بہادر کی تعریف میں لکھے جو آج تک گلِ سرسبز معلوم ہوتے ہیں۔ ان کی معلومات شاعرانہ کا دائرہ نہایت وسیع تھا ایک ایک شعر ان کے سونو جوا بات دیتے تھے۔ جو آج تک اُن کے دیوان میں موجود ہیں اور انھیں سے اُن کی ظریف المزاجی اور بذلہ سخی کا پتہ چلتا ہے۔ جو آگے چلکر ہم درج کریں گے۔ سودا عالم شباب سے پیری تک لکھنؤ میں رہے۔ اور ۹۹ھ میں یہیں پیوندِ خاک ہو گئے۔

میرضا حاک جو میرانہی کے پردادا تھے ان کے زبردست حریف تھے۔ خدا معلوم کس بات پر چل گئی تھی کہ ادھر اور ادھر دونوں طرف سے ہجووں کی بھرمار ہوتی تھی۔ مگر

زمانہ نے میرضا حک کی محنت کو خاک میں ملا دیا سو ان کی کچھ ہوئی چچیں اب تک موجود  
ہیں۔ چنانچہ یہ ترجیح بند میرضا حک کی چچیں ہے۔

جاسبا ضاحک سے کہ بعد از سلام کیوں کیا کرتے ہو جو خاص دعا  
آپ کو کہتا ہے تو سید ہوں میں جد مراد چھو تو ہے خیر الانام  
پس دکھا تو اب کیسی کیسی چچیں ہو اگر ختم رسالت کا کلام  
کون ہے تیری سیادت کا مقرر جانتے ہیں خاص کے ماعوام  
تیرے والد کو ہوئی تباہی کمال تب حکیموں نے یہ تشخیص تمام  
دق سمجھ کر یہ دوا تجویز کی شیر حسد باقرص کا فورالیکڈم  
مولے ایک مادہ خرینے لگا ہر سحر اس شیر خر کا بھر کے جام  
آخر کار اس مرض کے بھی لئے وہ جو مادہ حسد تھی اسکی آئی کام

ریم سوزاک پدر ہے تو شیر

رحم مادر سے آلت نکلا ہو میر

سن تو ملک لے نصف انسان نصف خنہ کیا سید نہیں دیکھے مگر  
بیش دم تجھ میں نہ دیکھا غفل و حق نطفہ کی ترکیب کا ہے یہ اثر  
گھر سے اپنے کھا کے جان جسکے ہاں جاتے ہی مانگے ہے اسے حاضر  
عقل کہتی ہے کہ کھلے پر نہ کھا حق کہتا ہے کہ حیض سے نہ ڈر  
سیدل میر شلت آپ کو کہنا آتا ہو کے بے خوف و خطر

ریم سوزاک پدر ہے تو شیر

رحم مادر سے آلت نکلا ہو میر

ایک دوسری چچ میرضا حک کے متعلق لکھی ہے دیکھئے۔ متانت پناہ مانگتی  
ہے قرانت انگشت بدندان ہے۔

تب خنچ سدا سپر غصہ کو کھانے آیا  
 بٹھک میں بٹھک بٹھک بٹھک بٹھک بٹھک  
 بولا کہ کیوں بٹھک بٹھک بٹھک بٹھک بٹھک  
 ضاحکے تب کیا میں نے زبان نکالی  
 بے آج کو کما ہو کل دیکھے جھک کر گالی  
 بکری کی شکل یا نتو نے گوری ہو نہ کلی  
 بولی کو اور تم کو کھر دیا ہے خالی  
 بکرادہ دے گی ٹھو جن نے کہ سر چٹنایا  
 میرا یہ سن کے بولے پھر کیوں کیا کاجی  
 میں اس سوانیس کچھ اور حرف جانتا ہی  
 بکرا اگر نہ آیا چوڑوں گا کر چا جی  
 گالی تو اک طرف ہو رہی کچھ بی جی  
 آگے ہے دھول دھپا میں تم کو کہ سنایا  
 ضاحکے تب کیا میں نے جھپٹا کر کبھی  
 گڑھے تو گھٹکے ہیں اور تیل کی پکوڑی  
 بیٹھا کرو جو منہ کو دھیلے کی ہیں گنڈڑی  
 تب خنچ سدا بولا استہارے لگوڑی  
 بھینسا ہی ایکے چوڑوں غلط میں کیا تو لایا  
 دھڑی میں منہ کو بیٹھا جھک کر کبھی  
 دو تیل کے پکوڑے آگے ہانے نہ ہرنا  
 گاسے اپنی پرند کچھ بھسکا ہلے بھرتا  
 بکرانوں نہ بھینسا پر جی میں لوں تو آرا  
 تب جانے گا تو بھڑے پردوں کو میں نمایا  
 بڑھاپے کی شادی پر ایک شخص لکھا ہے جس سے ان کی انتہائی طرانت کا پتہ چلتا  
 ہے دیکھئے۔

نائن کے ہر قسم سے دولہا ہر سرنوں  
 اب کیونکہ تیل رو سے مقدس میں ملیں  
 شانہ کر دل میں ریش کو یا دہرے رنگوں  
 جی کی اماں پاؤں تو اکبا میں کیوں  
 منہ کو کلنگ اپنے لگاتے ہیں شیخ جی  
 القصہ شیخ جی کی جو حرمت خدا گنوں  
 بارہ برس کی چوکر کی باجا جاتے لے

اے دو لہجوں کے گھر سے جھنچ میں پھپھا جیسا ہاتھ کشا کو خاطر میں نہ لاس

اپنے کئے کو تیسرا ہی پاتے ہیں شیخ جی

تھے بسکہ شیخ بات سے نیا کی پاکر مٹا سواک لیکے جو رو سے کرنے لگے زینا

اُن نے ترپا پنی چوٹی سے یہ کھو کھر مٹا مشکیں انھوں کی جڑ کے کہا کیے معاف

مجھکو تو کچھ ولی نظر آتے ہیں شیخ جی

لایا غضب میں شیخ کو گھر کا یہ بندوبست مشکیں ٹرا پلچ گئے جو رو سے کیے محبت

اِسا کہے اُن کے ہاتھ پر یہ لٹ لٹا کی سکست عہد لیے بڑے آسے تھے از بس ضعیف و پست

پا پوشیں تب سے جو رو کی کھاتے ہیں شیخ جی

جو رو سے شیخ جی کو صحیح ہے اب دلام بھڑا و مسخرا و مجھند رہے ان کا نام

خلوت میں جب بلاتے ہیں کو تو تیشام دیتی ہے تب دیکھ کے لوگوں سے یہ پیام

بیٹی کو اپنی کیوں یہ بلاتے ہیں شیخ جی

یہ تو ہیں بور سے خرس ہے شیخ چلی ماری کھو تو دھول کھڑی اُڑی لہجہ ملی

ان کو تو جانتی ہے کہ میں شیخوں میں ملی کھلتی ہے ان کی جو رو کی تباہ سطح ملی

چو لے نہیں بدن میں مانتے ہیں شیخ جی

جب دیکھتی جو وہ کہ ہے برات کی ہوا دس بیس دن جھڑی کہہ مے منہ بند کھلا

آتمہ اُن کے پاس لے تیل اور توا کہتی ہے یہ نہ مانے گا آپ اب بُرا

ہم محکوم شیخ دو ند بناتے ہیں شیخ جی

جب گھونگروں کے طے ہی لگتی چال آتا ہے شیخ جی کے تیشاں اس سدا چال

علامہ سر سے پھینکے ہو جاتے ہیں بال تباہ راگنی سے یہ کہتی ہے وہ چنناں

اب ہکو اپنی چاہ چلتے ہیں شیخ جی

اک وز شیخ چوے کو جو رو سے جاٹے کھنے لگی کہ تم ہو بڑوں کے مے بٹے

سب سے پہلے پتہ چلا کر لیتے ہیں۔

کمدوں اور سسے سے تھلے میں شیخ جی

ایسی ہے اپنی خدائے بھی ڈنکے  
اگر کے شیخ جی کہہ دے پاپ۔ جب  
خدا کو اُنکے ڈنکے کیلے بالوں پر کسے  
یار ب کہ نہ چہرہ اشتیاق سے ہے

در نہ ہمارے ہاتھ سے جلتے ہیں شیخ جی

جو روکے ہیں شمسے لے شیخ تم منو  
کچھ نہ کو تم نے در سے نہ کہہ سکو ہو  
میں جانتی ہوں نیکو کہ تم فیلسوف ہو  
سودا زاد کیا کہ ہے بات کو گمو

جیسے ہیں تیسے جوتیاں کھاتے ہیں شیخ جی

کسی بولوی نے فتویٰ دیدیا کہ کوا حلال ہے۔ سودا کو ظرافت کے لئے ایک سالہ ہاتھ  
آیا فوراً ایک ہجڑ لکھ ڈالی۔ اور وہ وہ ادکھیاں سنائیں کہ آج تک نہ کھنے والوں کے روٹے  
کھڑے ہوتے ہیں۔

لشکر کے بیچ آج تخیل کا قال ہے  
کھانے کی چیز کھانے کا سبک خیال ہے  
یون دخل امر و غنی ہیں کرنا محال ہے  
جو فقہ داں ہیں کبیراں کا خیال ہے

اک مسخرایہ کہتا ہے کوا حلال ہے

حامی الخوں کے قول کا بڑی ہے جان  
اور دوسرے میں کہہ لیں کہ پنے مہربان  
کچھ شک ہے کہ کسی کے دیاں  
ہے جو کوئی بچھے تو ہم بھی کس دیاں

اک مسخرایہ کہتا ہے کوا حلال ہے

یار دلبہو ہونم اسی دیر خراب ہیں  
بیٹھا اٹھا کر وہ سودا شیخ و شاہ ہیں  
حلت رکھے ہے زاغ کس بھی کتابیں  
جتی کتب ہیں فقہ کی اُن کے جواہر ہیں

اک مسخرایہ کہتا ہے کوا حلال ہے

گبر اے آج جہنم میں بیچ کیا نیل  
ملا لطیف بولے کہ کھانا بولے چیل

کہتا ہے چاند خاں کیا کرنے حرام فعل  
حلت پر میٹل کی میانجی کی سوسل  
اک مسخر ایہ کہتا ہے کوا حلال ہے

فدوی اک پنجابی شاعر تھے رسمی معلومات شاعرانہ بھی اچھی خاصی تھیں۔ انکاوت سے  
اُن سے اور سودا سے کچھ کھٹ ہو گئی۔ سودا نے اس غریب کی اتنی بچو کی کہ عاجز آ گیا اُسے  
بھی مجبوراً ایک کند تلوار یا تھو میں لی یعنی سودا کی بچو میں اشعار کہے مگر نہ وہ اس زمانہ میں  
مشہور ہوئے اور نہ کہیں آج اُن کا پتہ ہے۔ سودا کے دیوانہ میں وہ عجیب بھی موجود اور  
محفوظ ہے۔

جہاں میں کون بنا تا ہوا اُوٹے کا کسی سے بڑ کوئی آتا ہے اُوٹے کا  
بت ہی جان کھپاتا ہوا اُوٹے کا بنا مچھی کو یہ آتا ہے اُوٹے کا  
کہ فدوی جب میں کہتا ہے اُوٹے کا  
کیا ہے خرچ بنانے میں اکیس پیر نہیں ہے اصلی و نقل میں فرق ذرہ بھر  
جو اور بوم ہو سودا یہ لگے ہے نہ جو راہ باطن میں آتا ہو صبح و شام نظر  
کے سے خلق وہ جاتا ہے اُوٹے کا  
میں کا رنگہ میں اٹا دیا کتا ہے غلام جو کچھ کہے کوئی کرتا ہوں بیٹ کی خاطر  
وہ بوم بننے میں گر نقہ سے ہو کچھ ہر تو اُسکی شکل کر دل اور جانور کی پھر  
عجیب شور مچاتا ہے اُوٹے کا

غرض کہ اسی طرح ایک مولوی صاحب کشمیری کی ہجو میر تقی کی خدمت حرزا  
فاخر مکیں کا خاکہ مولوی ندرت کشمیری کی لڑائی کی تذلیل اور تضحیک اُن کے یہاں موجود  
ہے جو بوجہ طوالت کے نہیں لکھی جائیں۔

اگرچہ یہ کہنا زیادتی ہے کہ جو بھی داخل ظرافت ہے۔ مگر میں کوئی شک نہیں  
کہ جو نگار بھی تمام مسخرین اور ٹھٹھولی طعن و طنز و تشیع کے ذرائع کام میں لاتا ہے اور



اور اسی سے ایک صورت ظرافت کی پیدا ہو جاتی ہے یہی سبب ہے کہ ہم نے سودا یا دوسرے  
ہجوگوئیوں کو بھی شریک تذکرہ کیا۔ ورنہ ظرافت اور ہجو کا ظاہری فرق کون نہیں جانتا

سوزمی - بابا سوزی قزین کے رہنے والے تھے۔ اگرچہ ایک زبردست شاعر  
تھے۔ مگر ظرافت ہجو کی طریت طبعیت سے جدا کمال تھے۔ چنانچہ ایک قطعہ ایک شخص کی ہجو  
میں کہا تھا یہ ہے۔

ملے خیر و سبے تمیز برندق بوند و ملک      بے رزق و کاغذ خوار لکیر و کتب تک  
گہ خوار و چوینا کمانیغ و برقعہ و جزع و عذاب      غریبہ گر چہ صعدہ و چوڑا ماکبالت کرک

ہر صبح باد گزیر طبع و قشور قشور      ہر شام باد..... پلک پلک

سوزی تخلص سید محمد میز نام تھا۔ میر درد۔ سودا۔ و میر کے معاصر تھے۔ دلی میں  
ایک محلہ قرا دل پور میں مکان تھا۔ ان کے بزرگوں کا اصلی وطن بخارا تھا۔ اور ان کے  
والد نہایت بزرگ تھے۔ اور تیر اندازی کی مشق کمال کو پہنچائی تھی۔ میر سوز اپنے نام کے  
آخری حصہ کی رعایت سے میر تخلص کرتے تھے۔ مگر میر تقی میر کی خاطر ان کو وہ تخلص چھوڑ  
کر سوز اختیار کرنا پڑا۔ اسی بات کی طرف اس شعر میں اشارہ کیا ہے۔

کہتے تھے پہلے میر تبت موسیٰ ہزار جہنم      اب جو کبیر ہیں سوز سوز یعنی سدا جہنم  
دلی کی تباہی اور بربادی کے بعد لکھنؤ چلے گئے تھے۔ مگر یہاں مدتوں قدر نہیں ہوئی  
یہ مرشد آباد چلے گئے جب وہاں بھی پھر سے تو ذاب آصف الدولہ ان کے شاگرد ہوئے  
مگر موت نے زیادہ مہلت نہ دی سالہا میں بیوند خاک ہوئے۔

دردیش مزاج۔ عالی طبع۔ بلند حوصلہ۔ نیک طبیعت۔ خوش گفتار آدمی تھے

کچھ کم نہ ہو۔ وہ گہرا غور سے دیکھتا ہے۔ اور دیکھتا ہے کہ کتنے بے پرواہی سے وہ چلتے ہیں۔  
چسپہ زیادہ اُن کے یہاں پائی جاتی ہے۔

وہ ظرافت المزاج تھے۔ طبیعت میں مذاق۔ اور دل میں خرافات کا جوہر۔ دماغ  
میں بذلہ سخی کی ہوا موجود تھی یہی وجہ تھی کہ وہ کبھی کبھی ظریفانہ شعر لکھ جاتے ہیں۔ لوگوں  
نے یہ سمجھا ہے کہ اُن کی سادگی اتنی بڑھ جاتی ہے متانت کی حد میں نہیں رہتی۔ اور میں  
یہ کہتا ہوں کہ وہ بقول صاحب طبقات الشعراء ایک ظریف الطبع شخص تھے طبیعت کا  
رجحان ان اوجھرتھا۔ وقت بیوقت مختار نہ۔ یا بے اختیار نہ اُن کے قلم سے ایسے اشعار  
نکل جاتے تھے جنہیں اکثر یہ سمجھتے ہیں کہ وہ درجہ تہذیب یا متانت سے گریے ہوئے  
ہیں۔ اُن کی ظرافت دستور زمانہ کے موافق ہزلیات۔ اور فواحش کی حد تک کبھی نہیں  
پہنچتی۔ زبان کی سادگی۔ اور انداز بیان کی شگفتگی ایک ایک حرف سے ظاہر ہوتی ہے  
اور اس بات کی یہاں تک اُن کے یہاں پابندی ہے کہ میں جس کو ظریفانہ کہتا ہوں اگر  
کوئی سیرا حریف ہو تو وہ اُسی کلام کو عاشقانہ اور متین ثابت کر سکتا ہے۔

گئے گھر سے جو ہم اپنے سویرے	سلام اندر خاں صاحب کے ڈیرے
دباں دیکھے کبھی طفل پریر	ایسے سے لے لے لے لے لے لے
سنے ہی سوز کی ضرر مرگ خوش ہوا	کہنے لگا کہ پنڈت چھوٹا بھلا ہوا
بہلہ بے عشق تیری شوکتے نشان	بھائی میرے تو بڑے گئے اوسان
گیا ایک دن اُسکے کوچہ میں ناگا	لگا کہنے چل بھاگ رے پھر ناٹا
دعا دی تو لگا کہنے کہ دُر ہو	سنی میں نے دعا تیری دعا کی

کہا میں نے کہ کچھ خاطر میں ہو گا	تمہارے ساتھ جو میں نے وفا کی
گریباں میں ذرا منہ ڈال دیکھو	کہ تم نے اس وفا پر جسے کیا کی

کہ تیرا سپہ سالار ہے ہر پہرچہ ہر پہرچہ  
نہایت بہتیرا ہے ہر پہرچہ ہر پہرچہ

کچھ کہہ تو قاصد آتا ہے وہ ماہ  
الحمد للہ الحمد للہ  
جھوٹے کے منہ میں آگے کہوں کیا  
استغفر اللہ استغفر اللہ

یار آتا ہے ترے یار کی ایسی ہی  
آزاد ہے ترے پیار کی ایسی ہی

پھر اتنی بات سننے ہی سے دل گھبرا گیا  
طوطا ہمارا مگیا کچھ بولتا ہوا  
یار اگر صاحب و فنا ہوتا  
کیوں میاں جان کیا مزا ہوتا  
چلے حسن نیا عین رکاوٹ  
زبردستی مراد لے لیا ہے  
چھپا مٹھی میں کتاب ہے کہ اوٹیاں  
ہمارے ہاتھ میں بوجھ تو کیا ہے  
حقدار اشعار لکھے گئے یہ انتخاب ہیں ان انتخابوں کے جواہل تذکرہ نے کئے ہیں  
مجھے افسوس ہے کہ میرے پیش نظر ان کا زبان نہیں ہے۔

سوزِ زلال - منشی حبیب الدین نام تھا۔ خواجہ حسین الدین سہارنپوری کے فرزند  
تھے۔ ابتدا سے شباب کے ساتھ ہی دل میں اچھا پرستی کا مادہ پیدا ہوا اور سوز و گداز کا شوق  
طبیعت میں جوش زن ہو گیا۔ وطن کو چھوڑا دلی میں آئے اور مرزا غالب کے شاگرد ہوئے  
اور مرزا مروجہ کی حیات تک دلی ہی میں رہے۔ مگر ان کے انتقال کے بعد یہاں جی  
نے لگا اور پھر وطن مالون چلے گئے۔ اگرچہ مفلوک الحال رہے۔ مگر انڈیا میں بچپن دلی  
نہ گئی۔ وہی ان بان آخر وقت تک رہی جو اوّل میں تھی تاہم شاعری میں شمع حیات  
صر صراجل کے جھونکوں سے خاموش ہو گئی۔

آپ صاحبِ قصیدہ: **میر تقی میر**۔ اپنا پختہ تاریخِ عجیب حالات حکماء یونان تالیقِ مکر  
 ماثیرِ انقلاب۔ اور گنجِ شائگانِ مختلفِ علوم و فنون میں آپ کی قدیمیت سے ہیں بعض  
 کتبِ راقمِ تذکرہ نے بھی دیکھی ہیں خوب لکھی ہیں۔

ایک مختصر و روانِ شائع ہوا تھا۔ دوسرا تیار ہے وہ شائع نہیں ہوا۔ کلام اگرچہ  
 معین زیادہ ہے۔ مگر اسی متانت میں ظرافت بھی شامل کر دیتے تھے۔ چند شعر مل سکے جو  
 یہ ایریابِ نظر کئے جاتے ہیں۔

دھوکے تو اپنے دل کا داغ دھو	شیخِ مغل کو ہر گھڑی دھو تا ہے کیا
توبہ کا ارادہ تو ہمارا بھی ہے لے شیخ	لیکن ذرا آجاسے بڑھ پایا بھی کچھ اور
آنکھیں چھوٹیں ہاتھ تو میں جینے نہیں	چشمِ عشوہ زاد کئی ساقِ نائین کپڑی
شکے یہ باری سوزاں کی خزاں دود	گلے کہتے کہ بڑا پاس ہے ناخبر کسے
سرو سامان نہیں جسے مہیا ہوتے	ورنہ فرعون تو کیا اسکے بھی یاد آہوتے

سید۔ مولوی محمد بخش نام تھا۔ تدریس سے ہیں مولفِ تذکرہ غخانہ جاوید نے  
 ایک بیاض سے چند شعر لکھے ہیں۔ یہ پتہ نہیں چلا کہ کہاں کے رہنے والے تھے۔ اور کیا تھے  
 میں بھی صرف اشعارِ نقل کرتا ہوں۔

شاہ صاحب تم دعا باز دے تم سے یونسی	دیکھ کر چاں جیہ اور جھولی آپ کی
ہم فرم فرمے رہا ایسے بستی بگڑا	کیا ہونا ظاہر ہے صورت بھولی بھالی آپ کی
کام کر نیکنے نہ تھے جو کچھ ہمارے کئے	بھنگ چھانی راندن اینوں گولی آپ کی
خاصہ زاد دل کے حلقے میں داخل ہیں	سیکھ لی ہیں ساری باتیں اور بولی آپ کی
پھر کرم فرمایا ہاں لے شیخ جی مت ہرجو	کل قصیدہ منت اس محفل میں ہی آپ کی

## شہابی گیلان کی رہنے والی ایک فاحشہ عورت تھی۔ شاعری کا شوق بہت زیادہ

تھا۔ مگرافسوس کہ اپنے افعال کی طرح اپنے اقوال کو بھی فواحش سے غلغلہ نہ رکھتی تھی جتنی کہ جس قدر کلام اُس کا میری نظر سے گزرا اُس میں سے ایک شعر بھی ایسا نہیں جو فحش نہ ہو اور انتخاب میں اُسکے۔ لہذا صرف اسی نام پر اکتفا کرتا ہوں۔

شوخی۔ تخلص ہے منشی حسن جعفر صاحب لکھنوی کا۔ جب میں نے صمیم کی بیوی لکھی تھی اُس وقت آپ جو کہ تخلص کرتے تھے لہذا منشی آپ کا نام نہ لکھا گیا۔ اب چونکہ آپ شوخی تخلص کرتے ہیں اس لئے تذکرہ کیاں نام لکھ دیا گیا ہے۔

**شرف۔** افسوس کہ مجھے آپ کے نام سے اطلاع نہیں شاید اسے بریلی۔ یا بارہنکی کے ضلع کے رہنے والے ہیں۔ پہلے کسی ریاست میں میجر تھے اب ہو میو پیچیک علاج کرتے ہیں اکثر لکھنؤ آتے رہتے ہیں۔ راقم الحروف نے کئے جانے والوں میں ہیں۔ اکثر مشاعروں میں شریک ہوتے ہیں۔ کلام دونوں طرح کا بہت ہے۔ طراوت بھی اور عاشقانہ مبین بھی۔ نظر آتی ہے۔ شک کہ ہوتا ہے۔ مگر پھر بھی بعض شعر بھی آتے ہیں۔ آپ کی اس وقت عمر تخمیناً ۵۵ برس کی ہوگی میں نے دو چار مرتبہ آپ سے آپ کے کلام کے لئے استدعا کی۔ اور آپ نے شد و مد کے ساتھ وعدہ بھی کیا۔ مگرافسوس کہ دو وعدہ شاعرانہ وعدہ بن کر رہ گیا۔ دو چار شعر جو اوصہر ادھر سے مل سکے وہ درج کرتا ہوں۔

ساغر لئے ہوئے کبھی مینا لئے ہوئے  
تماہ ہے روز ایک تماشا لئے ہوئے

تسہ پیناچ غیر کو تھک دے دھیر سے سفر  
سدا سفر نہایت سدا سدا سدا سدا

شاکئی سید اکبر حسین نام ہے۔ ضلع الہ آباد کے رہنے والے ہیں۔ مدتوں سے پہلے  
لازمت لکھنؤ میں قیام ہے پہلے اودھ اخبار میں مترجم تھے۔ اب حقیقت اخبار میں کام کرتے  
ہیں۔ آپ شیعہ المذہب ہیں مگر بنیاد پرست نہ تھے اور نیک آدمی ہیں۔ فارسی قابلیت بھی  
کافی ہے۔ اور شگلو کی شق اپنے درجہ کمال کو پہنچ چکی ہے ظرافت اور عاشقانہ دونوں  
 رنگوں میں طبع آزمائی فرماتے ہیں اور دونوں میں خوب خوب شعر کہتے ہیں۔ ظرافت میں اکبر  
الہ آبادی مرحوم کا اتباع کرتے ہیں۔ راقم المحروف کے شناسا ہیں۔ کلام عنایت فرمانے کا  
 وعدہ فرمایا تھا۔ مگر شاید عدم الفرصتی کی وجہ سے ایفانہ فرما سکے۔ چونکہ اخبارات میں  
بہت کاظم ایفانہ کلام اکثر شائع ہوتا رہتا ہے۔ اس لئے دو ایک شعر نمونہ اخبار حقیقت  
سے نقل کرتا ہوں۔ شاکئی صاحب ایک پرگو شاعر ہیں۔ اس وقت عمر تخمیناً پچاس برس کی ہے۔

ہے تو اچھا قوم کی خدمت گوار کیجئے  
اپنے قومی درد کا دنیا میں چرچا کیجئے  
قوم کے جلسوں میں جا کر کیجئے تقریر خوب  
پر اثر مضامین اخباروں میں چھاپا کیجئے  
اس سے خوب صحت ملے گی قومی ہوا  
یا کوئی اسکیم چندہ کی مہیا کیجئے  
ہاں مگر ہرزہ نہیں ہے آپ شرط لڑائی  
توم کا بڑھتا ہوا افلاس کھائیجئے  
ہمنے مانا ہو گئے ہیں اب بھی ہمارے قوم  
اس بیماری عقلی کا تو مداوا کیجئے  
یہ نہیں مکن تو شاکئی جی سب بیکار غم  
اس سے تو بہتر یہ گھر میں بیٹھے رو کیا کیجئے

لالہ انگریزی میں جب خالق ہو، مغربی تہذیب کے شائق ہوئے  
باپ کو کہنے لگے مائی ڈیر واہ کیا لائق یہ نالائق ہوئے

چھ مہینے بھی نہ گزرتے تھے کہ یزید بنی  
 ان کا یکہ بک گر اور رولہ والا سر زور

شمشاد۔ شاید غلام بختین نام ہے اٹاؤ کے رہنے والے ہیں۔ ظرافت گوئی کا شوق ہے  
 مگر ظرافت نہ ل اور فواحش کے درچر پہونچ جاتی ہے جی کہ مجھے جہد رکلام آپ کا ملا اس میں ایک  
 شعر بھی ایسا نہیں تھا جو غیر مذہب سے نہ لے لیا۔ یہ مجھ کو نام پر رکھنا تھا۔

شوق حافظ غلام۔ یہاں نام تھا۔ دلی کے رہنے والے تھے۔ ویسے ہی شعر کہتے تھے جیسے  
 پہلے لوگ کہا کرتے تھے یعنی غزل میں آدھے شعر عاشقانہ اور آدھے ایسے کہ جنہیں دیکھ کر آج سامان  
 تفریح میا ہوتا ہے۔ بہت ممکن ہے کہ ظرافت کا فن ان کی ہو قلم سے کچھ تنخواہ مقرر تھی محلے  
 کے شوقین جوان لڑکے اس طرح بھی لیتے تھے۔ اور کچھ لے دے کر غزلیں کہلوایا کرتے تھے۔  
 ذوق مرحوم کو انھیں کے یہاں سے شعر سن کر بچپن میں شاعری کا شوق پیدا ہو گیا تھا۔ شاہ  
 نصیر وغیرہ کے معاصر تھے۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

مرا انگور کا ہے رنگ ترے میں      غسل زہور کا ہے رنگ ترے میں  
 ہیں اشعار ہلالی اس کی چھانکیں      یہ مضمون دور کا ہے رنگ ترے میں  
 نہیں ہے اسکی چھانکوں میں یہ زیرا      یہ لشکر مور کا ہے رنگ ترے میں  
 ہے گلگون محرم یا بھر انوں      کسی مجور کا ہے رنگ ترے میں  
 مزاج اب جبکہ صفاوی ہے افشوق      دل اس رنجور کا ہے رنگ ترے میں

کر لک شرف کا چشم تنگ کے مجاہدیں کھوپ لگی      آہ کہ ہدم ساتھ ادھر سے جنگ  
 وعدہ کیا تھا شام کا مجھے شوق جنوں نکل دیں کہ      آج وہ آسے پاس ہے

دانی ہر کی آئی چھوڑا

دودھ ملیا

نہ توست نہ برباد نہ برباد نہ برباد

شیخ بگمارے اپنی شیخی صفت کے لئے کھاتے

**شوکت۔** مجدد السنہ مشرقیہ مولانا احمد حسن میرٹھی مرحوم کا تخلص ہے آپ کی قابلیت اور معلومات مسلم تھی۔ اور ملک کے نہایت موقر شعراء اہل قلم میں آپ کا شمار ہوتا تھا۔ عربی و فارسی میں باضابطہ بہ نثر اور عالم ہے شل تھے۔ مدوں تک ایک عظیمہ اخبار طوطی ہند میرٹھ کے ایڈیٹر رہے۔ جس میں سیکڑوں مضمون ظریفانہ آپ کے قلم سے نکلے اور کہیں مشہور ہوئے۔ غالب۔ مومن۔ خاقانی وغیرہ کے مشکل کلام کی شرح کی طرف پہلے آپ ہی نے توجہ منوطف فرمائی تھی۔ آپ کا عاشقانہ مستوفانہ مہر رنگ کا کلام موجود ہے اسی کے ساتھ خرافات میں بھی آپ کو یہ طوطی حاصل تھا۔ اور اس میں بھی آپ نے چمکایا کی ہیں جو قابل دید ہیں۔ بھاشا کی معلومات بھی نہایت کافی تھی۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

یادری تثلیث پر تاحی پریش  
تین میں سے دو نہیں ہیں کام کے

**مشہور۔** دلی کارہنے والا تھا۔ احسان کا شاگرد تھا زیادہ حال معلوم نہیں

ہوا چند شعر مل گئے۔ وہی درج کرتا ہوں۔

کیا ہی عاشق ہے بہت طناز پہ سناٹ	دوڑتا صاف چلا آتا ہے آواز پہ سناٹ
والوں کی ترے سامنے کچھ قدر نہیں	کیا کوئی چاہئے عاشق تھے انہیں سناٹ
سے گیا دل کو نفل میں داب کر	ہے وفا ڈاکو نہیں ہے چور ہے
تنگا ہی کرو دفن مجھے اپنی گلی میں	ایسا نہ ہو لجاے کفن کوئی کفن چور
میں غم سے گھلا جب تو دغہ خیز نہ ہوا	کیا دیکھتے ہو اسکو کہ ہوا سکا بدن چور
اپنے دل محزون کو کہیں کس سے بچاؤ	ظالم کی نظر چور کمر چور دہن چور



میاں جھکوستا پر ذرا یہ بھی سچ لیا جو تو عیار ہے میر حرم تو بس بھی شہد الی

**شہباز۔** اسم گرامی مولوی عبدالغفور تھا۔ اور نگ آباد کے کسی کالج میں پروفیسر تھے۔ اردو کے بڑے زبردست شار اور زبان دان تھے۔ آپ نے نظیر اکبر آبادی کے کلام پر نظر ثانی کر کے اس کو ترتیب دیا۔ وہ مجموعہ نو لکشتہ پرپس میں نہایت بہتر حالت میں چھپا تھا۔ اس کے ساتھ میں نظیر اکبر آبادی کے دایخ عمری مفسرہ میں ترتیب دی۔ آپ نے ایک جگہ لکھا ہے کہ کچھ قطیع کے کلام سے عشق تھا اس کا ثبوت اس سوانح عمری سے ملتا ہے۔ میں نے جتنی مرتبہ یہ کتاب دیکھی عبارت میں ایک۔ یہ لفظ آیا عقیدت مند لوگوں کا قول ہے کہ آبجیات، ہاں میر محمد حسین آزاد کی عبارت بے مثل ہے۔ اس میں شک نہیں مگر شہباز کی عبارت سے اس کو کوئی نسبت نہیں اس میں ان کی زبان لانی اور شہدایانی نے حرف حرف میں موٹی چڑھائی ہیں۔ و لکھن عنوان الاکھا طرز بیان اور علی کوڑے ہے۔ سبحان اللہ سبحان اللہ۔ اگرچہ ان کو نظیر کے حالات کا حقد مل نہیں سکے ہیں پھر بھی انھوں نے ان کے کلام سے مدد لیکر سوانح عمری کو مکمل کر دیا ہے اور اس قدر صحیح استدلال کیا ہے کہ بلا تشبیہ وہ مولوی محمد حسین آزاد کی غلط بیانیوں سے بڑ گیا ہے۔ ہر حال کا ایک منظر دکھا دیا ہے۔ اور کتاب کو آئینہ حالات نظر بنادینا ہے۔ زبان ناز کا یہ کمال ہے کہ ایک ایک حرف کے متعدد مراد قات۔ ایک ایک جزئی کی مختلف الازع اور نام۔ اگر دیکھا جائے اور انصاف سے کام لیا جائے۔ تو جن مدعیان بے خبر کے لئے جو زبان کے بارہ میں شب و روز اتنا دلغیری کا وظیفہ رٹا کرتے ہیں یہ ایک نازیبا نہ عبرت ہے۔

مولانا شہباز ظرافت کے مرد میدان تھے۔ اکبر کے رنگ میں اور پھر پنج سالہ میں انکی وہ نظمیں چھپی ہیں جن میں بہت کچھ اکبر کا رنگ موجود ہے۔ میں کچھ اشعار نقل کرتا ہوں۔ مولانا شہباز آخر عمر میں کلکتہ میں رہتے تھے۔ اور نواب سید محمد خاں آزاد کے ساتھ و مددگی گزارتے تھے۔ عرصہ ہوا کہ انتقال ہو گیا۔

### نوحہ پر مبنی

لیلیٰ کے کہنے سننے سے آخر کو نہیں تے  
 لے بی کے بعد پڑھنے لگا اسی ریدریا  
 پٹامٹر میں دیکھتا تھا انسا ط کو  
 از بر تھے یو کلٹ کے تیورم پر اہلم  
 تھا تکیہ کلام کی صورت زبان پر  
 القصہ انظر نس ہوا پھر بوا العنا اسے  
 ہت برہی کر کچھے بیر شری بھی پاس  
 لذت گیا تو اوک میں پانی لگا مزا  
 آن نظر حراوک کی کرسی پہ ایک مس  
 بال اسکے سر پہ صاف ٹھانی تھیں مہر کی  
 گردن شکستے تھی تھی طبی الفلاک کو  
 پھل مینے لگائے تھے تات کے شاخ میں  
 دیکھا جو یہ بجا فر ہے قیس کے جو اس  
 مجنوں کو دھن کہ جلد پیوں دہ کی صال  
 میری کے کوٹ شب کا بڑا نازہ دوق شوق  
 شہباز ہے کلام کا اکبر کے یہ جواب  
 لکھو ایا نام نجد کے انگلش سکول میں  
 تعلیم خوش معاشی ہے جن کے ہول میں  
 پاتا تھا القباض فو لہ فو لہ میں  
 اقلیم حافظہ تھی گرامر کے رول میں  
 کیا جانے کیا مزا تھا بھڑم فو لہ میں  
 بی۔ لے۔ ایم اسے کے پاس بھی لکھوں میں  
 رکہ عرب میں وحشیوں کے ہون شول میں  
 حاصل تھا وہ جو نجد کے بن کی ہول میں  
 کھٹل کی طرح عشق گھاسل کی چول میں  
 ریشم کو جو شمار کریں جنس اول میں  
 قیامت و با کے سرور کو ابھرا تھا طول میں  
 رنگت بھری تھی روزن مراض کے پھول میں  
 لگتی نہیں ہے دیر بلا کے نزول میں  
 میری پڑی تہذیب زد و قبول میں  
 لیلیٰ کا عشق کمنہ ملا خاک قبول میں  
 لیکن بڑا ہے فرق فردع و امبول میں

### قانون قسمت

پہنچے پوچھا یہ اپنی قسمت سے  
 کالی رنگت سے گز ہیں شب میں  
 دور کیوں ہم سے گنج نطلب میں  
 کالی رنگت سے گز ہیں شب میں

شب ہی کو چہ سہ اچکتا پاند  
 کالی رنگت کا تل ہی نقطہ زیب  
 کالی رنگت سے گیسو جاناں  
 کالی رنگت سے ابروے خمدار  
 کالی رنگت سے پتلیاں دونو  
 رنگ کے زیب مسی کا جل  
 کس طرح دیں جگہ نہ آنکھوں میں  
 زیب دیتا ہے تن پہ کالہ روٹ  
 ہجر اسود کے مذہبی بوسے  
 پاک کبھے کے گلے گلے غلاف  
 گوری رنگت ہے گرسب اسکا  
 رنگت بعض سر راہیں مطبوع  
 ڈرتے ہیں داغ برص سے پالوگ  
 شکل سے سکھایا شکر کی ایک  
 فرق کر نہیں سفید کی گزرتی  
 پتلیاں گر سپید ہوجاں نہیں  
 رشتہ مند در پر خزاں کی سفید  
 رنگ نقرہ بڑا ہے گھوڑ نہیں  
 اجسے سے ہے ہما گئیں بیزار  
 سچ جتا نہ کیوں تو ریختی ہے  
 بولی سمیت فضول سب تقرر

شب ہی کو گنگائے کوکب ہیں  
 جن سے روئے جتاں فریب ہیں  
 لیلۃ القدر سے مخاطب ہیں  
 تیغ و خنجر ہر جنت عقر ہیں  
 چشم کے آسمان پہ کوکب ہیں  
 راحت چشم و زینت لب ہیں  
 فائدے کل کے مجرب ہیں  
 متفق اس پہ کل مذہب ہیں  
 بوسہ لعل سے بھی اعذب ہیں  
 سرمہ چشم دین و مذہب ہیں  
 ہم میں بھی کالے کم نہیں سب ہیں  
 ورنہ کیوں وارڈ ہیا زخفہ ہیں  
 جیسے مبروص کے معذب ہیں  
 جتنے بیضر ہر یک پہ سیاہ زیب ہیں  
 دن بھی تالی کسوف سے کب ہیں  
 ہر قدم پر قدم زیب ہیں  
 لاکھ اقرب ہوں کچھ ہی عقر ہیں  
 اسے شاہد صفات کرب ہیں  
 کیونکہ رنگیں سہا گئیں سب ہیں  
 چست غریب ترے یکوز ہیں  
 ایسی باتیں نظر میں نہ کب ہیں

کالے گورے پہ کچھ نہیں موقوف دل کے آنے کے اور ہی ڈھب ہیں

## معذرت انگریزی

ایک مرغ نے یہ مرغی سے کہا	لوٹتی ہے خاک پر کیوں بے تمیز
ہنسکے مرغی نے دیا اس کو جواب	جسم پر ملتی ہوں پوڈر اسے عزیز
بولا مرغی سے یہ پوڈر کیا بلا	بولی مرغی ہے یہ اک فیشن کی چیز
پوچھا مرغی نے کہ فیشن یہ کیا	بولی مرغی بچے کفرٹ وایز
ڈانٹا مرغی نے کہ انگریزی نہ بول	بولی مرغی مرغی تیرے سر میں ڈیز
مرغا جھنجھٹا کہ پھر پھر پھر وہی	مرغی بولی چپ بھی رہ لے بد تمیز
وہ زباں جو ہر زبانوں کی کوئن	بولی وہ سب جسکی ہر بولی کینز
چھوٹ سکتی ہے چٹرائے سے کہیں	جب تک ہے کوٹ پتلون اور کینز
جسداش شہباز کا حسن کلام	مرحبا باغ فصاحت کی بریز

پادری ولیم نے احمد سے کہا	لو پڑھو انجیل سے سیکھو تمیز
بولا احمد اس کی اب حاجت نہیں	پڑھ چکا ہوں میں تو صاحب پٹیز



# حرف صا

صاحبقران تخلص انام علی نام تھا۔ باپ کا نام سید غلام حسین رضوی تھا۔  
 بگرام ضلع ہردوئی کے رہنے والے تھے۔ جرأت اور انشا کے معاصر تھے۔ ریختی۔ ہزل  
 طرافت۔ ان کے کلام میں سب موجود ہیں۔ مگر افسوس کہ اعتدال کو مد نظر نہیں رکھتے تھے  
 بلکہ اکثر جگہ کلام غش کے درجہ تک پہنچ گیا ہے۔ ذاب مصطفیٰ خاں شیفہ مولف تذکرہ گلشن  
 بے خانے ان کا ذکر لکھتے ہیں: لکھا ہے۔ شرم و حجاب از دلش بر احوال دور۔ و  
 طبعش از آداب و اخلاق مجبور۔ جسند داب جامع این اوراق نیست کہ غیا ذابا شد  
 کسے را بہ بدی نام برد۔ مادہ خصوصاً یہ کہ اس نظر غش و ہزلش خلاف عنوان انوار است  
 حرفے چند از نوک خانہ بر صغیر نامہ ثبت گردید: صاحبقران کے یہاں مضامین دلکش  
 کی کمی نہیں۔ مگر ذرا احتیاط نے اس طرح ان کے کلام کے حصوں کو گھیر رکھا ہے جس طرح  
 کہ گلاب کے پھول کو کانٹے گھیر لیتے ہیں۔ گلچیں کی دسترس نہیں ہوتی کہ بے باکانہ انکی  
 طرف ہاتھ بڑھائے۔ ویوان ان کا غیر مطبوعہ نہایت تلاش سے کہیں کہیں ملتا ہے  
 چنانچہ میں نے سخت محنت اور تلاش کے بعد ان کا دیوان تلاش کر کے نہایت محنت  
 سے چند اشعار منتخب کئے۔ جو درج کرتا ہوں۔

کلمہ پہ لگی کہنے مری دیکھ کے حالت	شہوت سے نہ کر چاگے بیان ادھر آ
دیکر خرق مکہ کا باد ابدل لیا	صندل کا ریت دیکے بڑا دبدل لیا
یہ روز چال سیکھی ہے کلموں نازوں	بڑی چوڑی کبھی مات سپاہ ابدل لیا

صاحبزادوں اور لڑکوں کے ہونے سے  
 سنا جو چھکے میں کتنی تھی ہر جانے پیر  
 رات روشن سے اندھیر ہو گئی کچھ کر گیا  
 دمدم لڑتی ہے کتنی محبت سے جو چھکے کو  
 چھکے جو کرتی تھی اسکو بلانے لگی  
 میں تو چھکے میں ڈر گیا جا کر  
 آج صاحبزادوں کی آمد ہے  
 جہاں آیا کوئی مفلس کہ گھر میں ملتی ہو کر  
 وہ ہونسا لدا جو بھینس پہ بھوری رکبیا ہیں  
 جو بن کو نور تیز کے یار و شتاب لوٹو  
 سنتے ہیں میکے سے نورن چلی جرج کو  
 چتون غصے سے ہنسی کی ہے بے مثال آنکھ  
 کھلو مجلس سے کوئی ملتی ہے  
 زلزلے کرتے نیلا رنگ یا بست میں  
 ایک میں کڑھکا ہوا اپنے یار جا کی گئے  
 پدوروں میں واقعات کتنی ہے اپنی  
 جو پچھان صاحبزادوں کے ہے واقعہ  
 سکاڑوں کی اپنے بانی اور میری بھولی بھالی  
 باریک سادو پٹہ لازم ہے گرمیوں میں  
 منہ سے بڑا نوالہ کلمہ کو بھاڑتا ہے  
 جس میں کہ چاہے تو کھاتی ہواں خشکا

کھلو نے جان کر مجھے سادا بدل لیا  
 زمانہ جا ہا کیا جب ملک جمال رہا  
 ارجی گئی کوں کہیں ہنسی سے مر گیا  
 ریکھ والا کیا کوئی تعلیم چھکو کر گیا  
 خوش ہوئے متاجب اس کی سے شوہر گیا  
 کوئی ماکھو بنی کوئی جیہا  
 چو کیوں پر بچھاؤ غالیہا  
 ہزاروں بار کھو لیا ہے پانی پانچلے میں  
 غیرت سے میل ڈوبے تھے تیرے چاہ میں  
 آتی ہے رنج یہ کر کے دھڑو ڈوب لوٹو  
 اب نو سوچو ہے کھا کے بنی چلی ہے جرج کو  
 چھوٹے سے سن میں اسکی بڑی ہے چھناں آنکھ  
 میری چھاتی بہ مرنگ دلتی ہے  
 جو روسیہ میں کیا انھیں فرات میں  
 درندہ سب سے ہیں خالہ اور نانی کے لئے  
 کبھی قوپ اور قوپ خانانہ جانا  
 تو بولی کہ ایسے کو جانا نہ جانا  
 ہاتھوں سے کیوں چھالی او میری بھولی بھالی  
 اوڑھانہ کر نہالی او میری بھولی بھالی  
 باتیں نہ کر رزالی او میری بھولی بھالی  
 غوری ہے یا سفالی او میری بھولی بھالی

جو دیکھتا ہے سر کو پتھر سے مارتا ہی  
 بھونٹوں کی تیرے لائی ویر بھی بھائی  
 صاحبقران کے خاطر ابراہیم چھینے مانا  
 راون کی ہر تو سالی ویر بھی بھائی

نہیں لگتی جو مفلسوں کے ہاتھ  
 سخت وہ قحبہ مالزادی ہے  
 وہ نہ کیونکر چلے غرور کی چال  
 بھڑوا شیدائیں جسکے ہادی ہے  
 اس کو پالا ہے اک زمانے نے  
 نہ کوئی دادا ہے نہ دادی ہے

گر اسی کا نام گرمی ہے تو ہم ٹھنڈے میں  
 وہ ہاتھ میسے کے احسان آپکا کیا  
 چکلا جسے کہتے ہیں نذر کوئی ڈاگر  
 پر یوں نہ عاشق ہو جائے گا دیوانہ  
 میں نے صاحبقران پوچھا کہ تے بوسہ پر  
 کس کے بوسہ کو نشان ہے ترکہا جھگو کیا  
 بے خزان حسن کا گلزار نہیں رہنے گا  
 یہ سدا تجھے اور پیار نہیں رہنے کا  
 رات کہتی تھی گنا بخشی سے  
 دل ہے صاحبقران میں میرا  
 وہ سا دگی تری زہی اب نکل غور  
 چینی کی تشتری مین ہی بال اگیا  
 مجھے بھاتا ہے جنگلو کا نشہ میں  
 ہکناڑ کھڑانا اور مشک  
 وہ سا دگی تری زہی اب نکل غور  
 ہکناڑ کھڑانا اور مشک  
 دیکھ نورن کا کمر اور حیلہ  
 جسکی بھٹی کو بکڑ میں نہ ٹلا بیٹھ گیا  
 جھنجی اس طرح وہ چرخ کہ گلا بیٹھ گیا  
 کھل ہنستے ہنستے آسکے دامن پر لگا گیا  
 مطلب نکالتے ہیں ہم باتوں بات اپنا  
 قدر کر چاہنے والوں کی اری سنتی ہو  
 جب گیا حسن دو بارہ نہیں بھڑک گیا  
 چھاتی ہے اسکی جب ہاتھ اپنا جاڑا ہو  
 دل میرا دوسرا سدا خدا  
 مجھے برنی سوا بھاتا نہیں کچھ  
 مطلب نکالتے ہیں ہم باتوں بات اپنا  
 دل میرا دوسرا سدا خدا  
 پڑا ہے جب ان میٹھوں سے پالا

جفت رہنے کا اپنے طاق رہا  
 بونکوں کی طرح لوہا پیا کرتی چوڑلت  
 کہا جو میں نے کہ سنتو کہیں گھر میں ہو  
 اگر ہاتھ آئے بھی منہ سی چوہیا  
 مٹکا دوں چھو نہ راستے چھپنے کو  
 اچھل کر رکابی سے لیجاے بوٹی  
 نقد دل اپنا لگے مانگنے عاشق سائے  
 رستم کی اگرچہ ہو نوا سی  
 کبھی کہنے ایک سے ہیں ہم تم  
 شیخ جی بھول کے جو بیٹھ گئے غایت کو  
 تراشمن کوڑاں مرغی کی مانند  
 ہاتھ میں نے نہ لگا یا کھانا اسے خطرہ  
 مت مجھ کو بہکانا آج  
 تجھ کو میری مستدر نہیں  
 گدے کے اپنے دھو بن مانگتی جاتی ہر ٹخ ٹخ  
 نہ دھڑھٹا ہر نہ پڑے ہر کمر واپس نہ ٹھہری ہے  
 اب تو صاحبقران لڑا یا کر  
 گوز ہے یا کہ ہر صاحبقران نہ جی آئی  
 عیاں الفت نہ ہو شیریں لبوں کی  
 کہیں صاحبقران تو عقد کرے

نفس شوم اپنا طاق رہا  
 منہ لال تراکیوں نہوایاں غچا کا  
 وہ ہنسنے بولی چھٹنہ ہوا ہوا ہوا  
 میرا کیلا کب کھائے منہ سی چوہیا  
 الہیا اگر گائے منہ سی چوہیا  
 جو کھانے کی بو پائے منہ سی چوہیا  
 قدر جاتی رہی جس وقت ڈال نکلا  
 جب وقت پڑے تو دغدا کیا  
 کیا غروہاں اور آسٹنا کیا  
 جب فراغت ہوئی کہنے لگے ہاں ہاں ٹا  
 رہے ٹاپے میں غم کے تا قیامت  
 دھڑ دیا آنے زبردستی پکڑا تو ہوا ہوا  
 صدقے جاؤں آنا آج  
 اتنا میں نے جانا آج  
 دہاں سے لا کر کپڑوں کو پھر آتی ہر ٹخ ٹخ  
 کہیں جو مست ہوتی ہر تو پھر گاتی ہر ٹخ ٹخ  
 گھوڑے سے گھوڑا ساٹھ سے ساٹھ  
 ایک پھسکی میں اڑاتے ہیں وٹے پھر  
 میاں بہتر ہے کھانا گڑ چھیا کر  
 نہیں رہنے کی بے شو ہر جاگر



بیوفاؤں کے نام پر پاپوشش  
 اتنا رسوا کیا محبت نے  
 کہا مکلیو نے کچ پھڑکا کے اپنی  
 خرگوش تیرا ہوش میں بندے کم نہیں  
 گوسیکھ سا کھ ظالم اچور ہو گئی ہے  
 دیکھو بھوری پہ موبہ عاشق ہے  
 مردکب چھوڑتے ہیں زبڈی کو  
 روز لاتا ہے ماش کی پوری  
 رات سنگی دیکھ کر میری طرف کئے لگاؤ  
 تھیں ہی کو نرہ کا جسے ستا یا تھا مجھے  
 میکے کے رہنے والوں سے بدلا کیجئے  
 بند ہو جریاں کب اساک سے  
 گھوڑا عینک سے ہے صہ اجقراں  
 صاحبقران سے منکلاستی تھی نہ خفا ہو  
 میں جانتی تو بوسہ جھکوندیتی ہرگز  
 کہا صاحبقران نورن سے میں نے  
 خفا ہو کر لگی کہنے کہ چپ رہ  
 صاحبقران کل گئے تھے چکلے ناگاہ  
 پر جب ہوا اختلام پوسے حضرت  
 لا حول ولا قوۃ الا باللہ

صاحبقران اپنی اوسط عمر میں لکھنؤ آگئے تھے اور یہاں نواب آصف الدولہ  
 مرزا سلیمان شکوہ وغیرہ کی سرکاروں میں ملازم رہے اور تاجین حیات زندگی بفرغت

گزاری۔ جس کا بیچا اُن کے کلام سے پتہ چلتا ہے۔ وہ ایک مرغِ نالِ مرغِ ہنسٹ  
رنگیلے مزاج کے آدمی تھے اُن کے قال سے اُن کے حال کو کوئی نسبت قریبی نہیں تھی۔

صفدر۔ آپ نے اپنے نام کے جزو اول کو تخلص قرار دیا ہے۔ مرزا پور آپ کا  
مولد ہو سکتا تھا۔ مگر بہت عرصہ سے لکھنؤ میں قیام ہے۔ اوہیں شادی بھی کر لی ہے  
آپ ایک نیک مزاج بھولے مگر نہایت کمند مشق اور زود گو شاعر ہیں۔ بہت سے  
معرکوں میں آپ نے نہایت عمدہ عمدہ شعر کہے ہیں۔ اور حرفیوں کو تا سب مقابلہ سے عاجز  
کر دیا ہے۔ متین مہذب نیک دل ہیں معلومات شاعرانہ بقدر ضرورت کافی ہے۔  
تین چار کتابیں مشاطہ سخن۔ مرقع ادب وغیرہ آپ کی تالیفات سے ہیں جو نہایت مقبول ہیں  
ہر صنف سخن میں کلام موجود ہے۔ آپ کے معاصر آپ کی طبیعت خدا داد سے ہمیشہ آپ سے  
چلتے رہتے ہیں۔ مگر اس سے کچھ بد نہیں سکتا آپ کی مشق سخن گوئی کو تقویت پہنچتی ہے۔  
اگرچہ آپ کا کلام قدیم رنگ میں بہت زیادہ ہوتا ہے۔ مگر کچھ بھی وہ بجا خدا ایک  
چیز ہے۔ اور اگرچہ یہ دعویٰ دراز کا رہے کہ ہمیشہ ہر مشاعرہ میں آپ ہی کی غزل چھی  
ہوتی ہے یہ غلط اور بیکار ہے۔ مگر تاہم اکثر شعرا چھے ہوتے ہیں۔ منشی امیر احمد مرحوم  
کے شاگرد تھے اُن کے انتقال کے بعد جلیل صاحب اور ریاض صاحب خیر آبادی  
سے اصلاح لی۔ اور اب بھی اکثر اپنی غزلیں ریاض صاحب کو دکھاتے ہیں راقم تذکرہ کے  
عنایت فرما ہیں کبھی کبھی مکان پر تشرف لے لاتے ہیں۔ نظافت مستغلا آپ کے کلام میں نہیں  
ہوتی مگر کبھی کبھی تغن طبع کے طور پر کچھ نہ کچھ فرماتے ہیں۔ منو تاجند شعر حاضر ہیں جواہلوں  
نے میرے اصرار پر خود عنایت فرمائے تھے۔

کوئی عاشق نہیں ملتا پریشان دلے ہیں جناب عشق بھی اب بوریاد ہنسنا سنا ہے  
خدا کی بھرے خرب زال دینے کے نزلے ہیں یہ وہ بڑیا ہے جس پر سے لاکھوں منے والے ہیں

اپنے اپنے گرد دل غیر کے ارماں نکالے ہیں  
 جو کھڑکی سے تنھاری دن سہی گردوں نکالے ہیں  
 بندہ بھکی دکھائینگے رقیب و سہیہم کو  
 تماشہ ہے کہ میں چوٹے پہ بھی ہے چاٹ بوٹکی  
 خم ابرو کسی کا دیکھ کر بد موہیاں بولے  
 سمجھ کر مٹی کا ہوا مرادوں توڑ ڈالا ہے  
 خدا رکھے طویل المرتبہ قارون کے بھی بیٹیا  
 کوئی دھنیا جو ملجا تا تو گل تکیہ میں بنو تا  
 کہاں بے موسم گل چھیاں ڈرتی تھیں امن کی  
 تنھاری ناکہ بے طرح اچتی لگا تا ہے  
 نقاشت یہ مگر وعدہ کوئی سچا نہیں کرتے  
 گل عارض لئے بیٹھے ہیں بازار محبت میں  
 بھلا دو چار خم میں حضرت صفدر کا کیا ہوگا  
 شب فرقت عدوے جان سر بسر نکلتے ہیں  
 خدا محفوظ رکھے زلال دنیا کی محبت سے  
 کیا ہے بندار ماؤں کو اپنے دل کی کھڑکی میں  
 ملے جسد بن مجھے وہ چاند گنجی کہ چھوڑوں گا  
 دیار عشق میں لے رشک لیلیٰ ہوں وہ دیوانہ  
 زمانہ دیکھتا ہے ہم گریٹ جاتے ہیں غیرت سے  
 نچاتے ہیں حسین عشاق کو زلفوں میں بل دیکر  
 بچائیں اپنے اپنے چھو پڑے کہ در قہول سے  
 ہمیں چکر میں رکھتا ہے میرے پیارے  
 یہی لہلا کے ہوا میں میرے چکر میں کہ سہیہم میں  
 سنا ہے آج کل قننے نئے بند رہ پائے ہیں  
 سیاں مجنوں دباں صبی نکالے تھے نکالے ہیں  
 ہجاڑوں موٹاں ہنسی سے تینے ٹپٹپے  
 ٹپے ہی نننے نننے ہیں ٹپے ہی کھجول بھالے ہیں  
 جو تہہ باندھتے ہیں لوہی دار طحی والے ہیں  
 تنھارے کال کیا ہیں جانم کوئی کے گائے ہیں  
 کہاں اب بی بہار آتی ہیں ورنہ سنا رہے ہیں  
 بلا سے پت رہے ہیں ہاتھ تو گردوں میں لے ہیں  
 جناب شیخ بھی شاید گیا کے رہنے والے ہیں  
 کروں کس کس کا میں سودا ہزار توڑوں والے ہیں  
 پلائے جا انھیں ساتی اگر دہشت پینے والے ہیں  
 سو پینے کو کھٹل کاٹنے پھیر نکلتے ہیں  
 اسی بڑھیا کے ارے نوجوان اکثر نکلتے ہیں  
 تمھیں آکر نکالو دیکھوں تو کیونکر نکلتے ہیں  
 گلی سے کچی اغیار کیوں ہو کر نکلتے ہیں  
 میاں مجنوں بھی لیکر ہاتھ میں پھیر نکلتے ہیں  
 جو تھے پر نشیں وہ دھنکتے موڑ نکلتے ہیں  
 اخیر کے گھر سے انسان بڑے گھر چکر نکلتے ہیں  
 مے پر سوزنا ہے پھونکتے پھیر نکلتے ہیں

بھنڈا فیشن کو ہر دور میں دنیا کا رہا ہے  
 سر بازار سینہ کلوگر تنگہ نکلتے ہیں  
 یہ چٹ سائے کی تسبیح ہے اک کفن کی بادلی  
 پری بننے کو ہیں نام خدا اب پر نکلتے ہیں  
 رپٹ تھانے میں لکھی ہے تلاشی ہے قیہر کی  
 گلی میں منہ چھڑا کے آپ کے زیور نکلتے ہیں  
 جناب شیخ اس پیرانہ سالی پر بھی لے بھند  
 بتوں کے گھوڑے کو دیر سے اکثر نکلتے ہیں

۱۲ شاہ چھڑا کی گلی لکھنؤ میں ایک محلہ ہے





اس زمانہ کی زوجہ رہے جب لارڈ کرزن سٹوہم سٹوہم سٹوہم سٹوہم سٹوہم سٹوہم سٹوہم سٹوہم  
کے لئے اکبر مرحوم الہ آبادی نے یہ رباعی کہی تھی۔

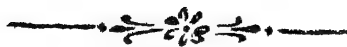
جھوٹے ہیں ہم تو آپ بھی ہم میں میراں جھوٹے ہیں ہم تو آپ بھی ہم میں میراں  
قطعہ مذکورہ ضاحک یہ ہے۔

ہمارے لارڈ صاحب خواہ ہندیشک غلط کل مصلحاں سفدت انگیزتے ہیں  
برابری ہماری پالسی اور لارڈ صاحب کی کہ دونوں ہی دروغ مصلحت انگیزتے ہیں  
اس کے ساتھ ہی ایک دوسرا قطعہ اسی بحث پر مصلحت انگیز کے نام سے لکھا ہوا ہے غائب  
وہ بھی انھیں ضاحک کا ہے۔

کل چلتے چلتے سچ کو ملا جھوٹ۔ اہ میں قلعی شدہ ہو جیسے کوئی لبست مسی  
پرچھا کہ ایشیا ہی میں کیا ہو تراویح میری طرف سے کیا ہو میری نصیبی  
کنے لگا کہ یاں تو ہے سچا معاملہ یورپ میں جا کے دیکھے کوئی میری پکی

ضیغہم۔ دو نمہ پنج سالین کے ایک نامعلوم الاسم نامہ نگار کا تخلص ہے جن کے  
یہ دو شعر مل سکے۔ غالباً شیر خاں نام تھا۔

آہ شیریشہ اسد اللہیاں منم رو باہ را حریعت غصنف نئی کفم  
کو مرغ سد رہ کو ز غرن قهر نستی طوبے بہ شاخ سر برابری کفم



## حرف طاء مملہ

**طریف** - منشی حسین الدین نام تھا۔ ضلع مظفرنگر کے رہنے والے تھے۔ حرف ظرافت کے شعر کہتے تھے جن میں پکا ترین بہت زیادہ شامل ہوتا تھا۔ ایک بیاض سے چند شعر مل گئے۔ لیکن اسکے علاوہ نہ حال معلوم ہوا۔ نہ مقام و مسکن کا صحیح پتہ لگا

آج ہی گھر کا قیوں کے ٹاڈوں کی	اُن کی دیوار پر چڑھیں جو آؤ ہو کر
ہمدن جوش بنا حسن سے تم سے معنی	رنگیاں راجہ راجہ راجہ راجہ ہو کر
نیکیاں بھی کبھی ہرجاتی ہیں سرزمین مجھے	کہ مٹے ہوئے کربتیاں کدو ہو کر
پیٹ زندان حبس ہے زانہ پرانی	جو غذا اس میں گئی ننھی دہی گو ہو کر
نوح کردہ رہن دل بوٹی بٹی لگیا	پہلے ڈپٹی لگیا تھا اب لنگوٹی لگیا
کرو یا قلاش قصہ تجھے عشق نے	انتہا یہ ہے کہ بند آگے۔ دن لگیا
دل کی خارش کو بھی اپنے خمر جلائے ہیں	جب دھاتے میں نمک مچا جاتے ہیں
مرزا سزا ہے مرزا بگدر ہے	نہ چھر کا غم ہے نہ کھٹل کا ڈر ہے
مرسے طائر دل کو کیا کیجئے گا	نقطہ چرخ ہے ایسے پر ہے نور ہے

**طرزی** - ان کی نظریات شاعری کا بہترین جوہر ظرافت یہ ہے کہ انھوں نے دعویٰ کیا تھا کہ زبان فارسی بھی اس قابل ہے کہ عربی زبان کا مقابلہ کر سکے۔ اس کے اس کو بھی مصادر قرار دیا جاسکتا ہے اور اس سے مختلف صیغوں کا اشتقاق بوجہ احسن ہو سکتا ہے۔ اسی خیال کی بنا پر انھوں نے اپنی زبان اور شاعری کو خالص





**ظرافت**۔ بہ مقبول حسین نام ہے مولوی گنج لکھنؤ میں رہتے ہیں جناب صفی لکھنؤ  
 کے چھوٹے بھائی اور محمد جعفر صاحب بہار سکریٹری معین الدار سب کے راہبھو ہیں۔  
 بقدر ضرورت فارسی اور ترکی سے آشنا ہیں۔ نہایت خلیق نیک مزاج ہیں اس سے  
 پہلے شیخہ یتیم خانہ کے سکریٹری تھے۔ مگر دو تین سال سے اب کوئی تعلق اس سے  
 نہیں ہے۔ جناب ظرافت کی عمر اب تخمیناً ۵۵ یا ۶۰ برس کی ہوگی۔ حقیقت یہ ہے کہ  
 آپ کی ظرافت وہ ظرافت ہے جس کا نشان بڑے بڑے پختہ کاروں کے کلام میں بھی  
 نہیں ملتا۔ اس میں شک نہیں کہ نسبت سب کے اثر کے سبب میں آدھ دست زیادہ  
 ہے۔ اور لفظ اختصار سے بناوٹ اور تصنع ظاہر ہوتا ہے۔ قدیم تشبیہیں اور استعارات  
 جا بجا موجود ہیں۔ اور کہیں کہیں وہ ظرافت سے تیار ہو کر کلام ہزل سے  
 بھی مشابہ ہو جاتا ہے۔ گویا ایندھ ان کی پختہ کاری۔ مثنوی۔ زبان دانی۔ اور خلیق ظرافت  
 کلام کو مجموعی حیثیت سے استفادہ بہتر بناتی ہے۔ تعریف نہیں ہو سکتی۔ ان کے یہاں کے  
 ادنیٰ اور بیش یا افتادہ مضامین ایسے ہیں جن پر مقابلاً بڑے بڑے ظرافت نہیں کر سکتے  
 اور بلا خلک ظرافت گوئی میں وہ ہندوستان کے تمام شعراء میں ایک بڑا اور خاص  
 امتیازی درجہ رکھتے ہیں۔ ظرافت کے رنگ میں ہر صنف میں ان کا کلام موجود ہے۔ اور  
 ان کی بعض بعض بلکہ اکثر نظمیں ایسی ہیں جن کا جواب نہیں ہو سکتا۔ نہایت خلیق  
 اعلیٰ درجہ کے سخن فہم ہیں۔ زبان اردو کے کچے ہی خواہیں۔ چنانچہ زمانہ حالی میں بعض  
 بعض جریدہ نگاروں نے جو ایک جدید روش اختیار کر کے اردو کو خراب کرنے پر کمر باندھ  
 لی ہے آپ ان کے خلاف ہمیشہ اخبارات میں نظمیں لکھ کر صراحتاً جواب دے کر بلند کرتے  
 رہتے ہیں۔ میں چاہتا تھا کہ جناب موصوف کا نیا کلام بھی درج کروں۔ مگر اب  
 اتفاق ہی نہ ہوا کہ اسے حاصل کر سکتا۔ مجبوراً رنگ قدیم ہی سے کچھ اشعار  
 درج کرتا ہوں۔

جنوں میں کبیرؒ کی طرح ہرگز نہ ہو  
 شمیم زلف مشک سے نہ لگوں نہ کسی کی طرح  
 دوزخ و شوق میں محبوق کا دیہہ نہ ہو  
 ضعیف و ناتوانوں میں محب کو انصاف نہ ہو  
 یہ دونوں جانور ملکاں سے کچھ بکھڑا ہے  
 میان انفراد و مجتہدین میں چلنے سے جو کچھ ہے  
 اوستہ و انا سے بھڑانہ بھڑانہ کا رہی تمہارا

حماقت کی نشانی بن گیا نقش قدم میرا  
 تیسے بار انکو یوست ناک میں کیا ٹھوم میرا  
 کر کے غارت سر لہذاں میں دیکھے اوجھ میرا  
 منے بہر پئے پن کا زور یہ ہے تہہ ہنیرا  
 شکر گریہ کے دھڑے آ نہیں سکتا ہم میرا  
 وہ کہتے ہیں عرب میرا وہ کہتے ہیں عجم میرا  
 مگر کشکول سائل سے مشابہ ہے شکم میرا

نکلتا ہے بلند ہی میرا بلبل کا  
 سنار سے ہے چہ ان کے معاملہ اول کا  
 علم کسم اچھی دار سے در و دلچاب ہے  
 علم میں جھینگر سے بر کر کاہل کوئی نہیں  
 اتنے ہمیں میں کہ جڑ والی فکر کتنا چاہئے  
 حضرت حوا سے کہ کچھ حضرت عیسیٰ نے تھے  
 لکھنؤ و بٹیا خیر شہر و پنہا موقوف ہے

جواب شمش محل ہے دوزخ لادل کا  
 پڑا ہوا ہے کٹان میں فیصلہ دل کا  
 کہیں تو حال لالین سے کچھ ملادل کا  
 چاٹ جاتا ہے کتہہ بیجاں کوئی نہیں  
 پیر چریاں توں فلک انہر جمع ان کوئی نہیں  
 باپ نکا بھی نہیں گران کی مل کوئی نہیں  
 ہر حکم اہل زبان میں بے زباں کوئی نہیں

مستقیوں کے پیٹ سے آگ ہے یہ صدا  
 شیطان کی جو آنت سے ہو مقابلہ  
 کچھ ایسی غم و رنج کی ہو کندہ رضائی  
 اغیار کی شرکت اٹھا بھی تو گراں ہے  
 تاحشر کھڑے میں تو یہی بند ہے کا

میں اک قراءہ بمل عرق خانہ ساز کا  
 کھل جاتا عال آپ کی زلف و راز کا  
 ابرا اگر اٹھ آتا تو استر نہ اٹھے گا  
 جسے ترے احساں کا چھینر اٹھے گا  
 مردے سے اگر قبر کا چھوڑا اٹھے گا

مئی ادا سے جلاست باز مستی  
ترا جوا بنیسل و سہرا کی بھٹیاری  
ظریف شاہد بت شوخ کہ قدر آزاد  
کہ خود کھڑا ہے لیٹا ہم ہمارا دوس ہے  
کہ وال چوٹے پہر اور بگھارا دوس ہے  
جو سرگھٹا ہے لے پست خارا دوس ہے

خیالی چرم فریضہ لطف غم کا جلا  
دولتی سے سمندر کا کھینچ کر کا جلا  
سرخ سازد کہ جبر جمن کو کا جلا  
مری امیر کی تپا کا جلا  
مذہب چاہن یہی عشوق خیالی کا  
مریض چاہن یہی کڑا کڑا کڑا کڑا  
بگھٹا کڑا کڑا کڑا کڑا کڑا  
جوانا کڑا کڑا کڑا کڑا کڑا  
پہٹ کڑا کڑا کڑا کڑا کڑا  
گھر بگھٹا کڑا کڑا کڑا کڑا  
خوب نقد دل عشاق کو لوٹا دے  
یا کڑا کڑا کڑا کڑا کڑا  
ما یقمان وہ دریا پر بہرا پڑنا  
صاف نظروں میں ہے ملو کڑا کڑا کڑا  
رود و دریا کیوں کا نہ ہے تھر تھر  
دہ کفن بہر شیدان و فادینے لگے

یہ سب کیا ہو سلاٹ جھجک ہے اوجا  
یہی تو ہی طویل کی بلانہ کے سر جانا  
قیاس ہے کہ میری تپا کڑا کڑا کڑا  
وہ کڑا کڑا کڑا کڑا کڑا کڑا  
کہ دزدہ کڑا کڑا کڑا کڑا کڑا  
وہ آخر تپا کڑا کڑا کڑا کڑا  
میاں جنوں کا پناہ کڑا کڑا کڑا  
ظریف چاہا جوار و نسا کڑا کڑا  
اور دونا کڑا کڑا کڑا کڑا  
غیر کے ساتھ مرے کڑا کڑا کڑا  
شہدین یہ ہر اسے کڑا کڑا کڑا  
یا تو یا نہ صاف کڑا کڑا کڑا  
اُن کے چہرے کا دھڑکے کڑا کڑا  
وہن یار کا دسج و غلطان ہونا  
کیا ہے کڑا کڑا کڑا کڑا کڑا  
ناپ کریراک کو دگر کڑا کڑا

مخرج پیدا کرتے نہ کا، ان محبت کو حضور  
 جیسے عاشق ہو گیا، یہ ہے کہ ہر ایک  
 جو ٹھٹھ عاشق اس سے ہو گیا اور کیا تیرے  
 پیٹ ضبط آہ سے عشاق کا دل لہا  
 سکیاں لیں مگر بسور عاشق کے سامنے  
 آن کے بیمار کا گنگنہ نہ ہو، جب لیا  
 جب سیرا سے زاپھے ہوئے بیمار غم  
 ترے کپڑے کی رائی اج پڑا کرتے ہیں  
 ستم ایچہ دیکھتے ہیں یہ کیوں شوق کو  
 بولہ پس کوئی سستون آندی ہی نہیں جھک کر  
 یہ ستوں کی شاہی تخت زکیسا ٹھٹھ  
 یہ وارٹس کوئی شہنشاہ اس لگا ہی  
 حسد کیا تھا، باپ کے ہیں غلام آخر  
 دل کی گنتی نہ ہو، بڑے ہو گیا ہو گی  
 صفت آدیکھے جڑی ہوتے دوزخ ہو  
 پسینہ خال ترے پر سے نکل دیم آگے  
 زان آیت ہے مرغوں کے آگے کھینک دیتے ہیں  
 ریت کے اس سے چوٹ لڑنے کا ارادہ  
 سچا دیکھ جا بیٹا، یہ بیمار محبت کا  
 کوئی دل تیار کو ڈانٹے کہ ٹھٹھ بھی  
 جھار لڑ لگے کوئی تو اقرار ہے منڈا

شربت دیدار کا پورا گھڑا دینے لگے  
 سونے والو جاگئے رہنا صد اپنے لگے  
 ہو گئے گندہ ہر بار سے، ڈار دینے لگے  
 دہنو کنی کی طرح سے فتنے ہوا دینے لگے  
 وہ کھجا کر داؤ کو داؤ و فادے لگے  
 جلدی مگر نہ ہو، تیرے لڑنے لگے  
 ہو گئے کھیا نے سچو، نا کھیا دینے لگے  
 ڈاکٹر نے دھوئی کے گدھے لڑا کرتے ہیں  
 ستم بھی کیا کوئی کا یہ جیسا اپنے دے ہیں  
 کہ چاہے یا نہ ہو، خاک کے بر بار کرتے ہیں  
 مبارک حضرت بیجاں لڑا کرتے ہیں  
 کہ ہر کچھ کیا ان کی ہر جیسا لڑا کرتے ہیں  
 جو کہتے ہیں طعناں ہم نہیں لڑا کرتے ہیں  
 کہ جوڑا ہو نہیں اس شوق کے پکارا کرتے ہیں  
 زلمہ یہ ہنکر حارہ مردانہ آسمان ہے  
 گلاب سند میں چھینکا، زلمہ ہر لڑا کرتے ہیں  
 تبول کے ماتھ میں جب سچہ صد لڑا کرتے ہیں  
 پٹا آئی ہر بات کی، زلمہ کو با لڑا کرتے ہیں  
 اسے پیش آتا ہے، زلمہ با لڑا کرتے ہیں  
 ادا تھالی کے سنگین، زلمہ کو با لڑا کرتے ہیں  
 وعدہ ہر دہی میں لڑا کرتے ہیں، ہو کر بھی

سے چکر کھانے لگا، ہزار ترس و انمول کا چکر  
 گدھ ترسہ پڑا، ایک کے پیچھے ایک تین تلواریں  
 سن لیجے بغیر اس کے ہر تشبیہ بھی نازک  
 تحریر کا عنوان نئی تہذیب نے بدلا  
 چین نرالا ہے کہ وہ غضب ندار  
 کہتی ہے سدا صاحب مقدمہ در کی دلا  
 بلبل کو تم شوق سے ایسے شعر ادا کو

گو نذرانی وقت پر طبعی نہیں ہم سر کھلا  
 آپ نے اگلی سچ دشمن سے جالی کی تھا  
 اس قدر ہے مختصر جاوید حیات کی طرغ

نامہ لاتا ہے وطن سے نامہ برا کٹر کھلا  
 میں یہ سمجھا حسن کی دکان کا ٹکڑہ کھلا  
 پاؤں پھیلا ہے فراغت کیلئے جب کھلا

دال دہوئی مارش کر کے آگے اور پیچھے دست  
 کی جو کر یا غیر کی ہیں صاف چار اہم دست  
 عاشقانِ زرد و سبز کے طائرِ زل میں مقیم  
 ڈھونڈتے پھرتے ہیں عاشق پریشان بکاس  
 حسن کے دلکش طیارہ میں سے ہر دے رخسار دست  
 کم حقیقت نشینانِ اغیار میں بیٹھے ہوتے

بانس و بستر سے جھک کر آ رہی جو بے دست  
 چوہ ہر رنگ چاند بیشک ہو گیا اپنے دست  
 رو بہ کے جھونچ ہیں الجھے ہوئے دست  
 آگے چڑھی ہر ٹکڑے میں تین کے دست  
 ہر سمنہ ناز یا اڑیل کی ہر ٹٹے دست  
 دیکھ لو دیکھتے نہ نہیں تھے اگر سے دست

دوزخ کا آؤ قیہوں کو بھگا آتی ہے  
 بھڑاڑ جاتے ہیں جہنم جہنم آتی ہے

بھڑاڑ جاتی ہوئی بھڑاڑ کی کشت آتی ہے  
 بھڑاڑ سے ناواقف کسی کی صدا آتی ہے



مجازی ائید و رطوبت هم کما - حال و قال رفتار مری کما - و موبهنا -

کوشش اصلاح را در هیچ کتاب انگنده ایم	مادری در گردن و خرد در خطاب انگنده ایم
کار دنیا هر چه کرد از نماز پنج وقت	ما امید از طاعت چشم از موی انگنده ایم
از زکوة در حج صلیه و صوم فای انگنده ایم	شاید اندر تصور افیون در شراب انگنده ایم
لکھنو زرمید به آباد باشد تا ابد	سایه سیم رخ همت بر خراب انگنده ایم
مد و جزر بحر سودا را بماند حسب قوم	دل به دریا و سپر بر لب انگنده ایم
تأقیامت با و نفرین نقص قرآن مومنان	بازی پوشند و ما بر آفتاب انگنده ایم
پهلوان علم مغرب در علیگڑه آمده	گر بر و غالب شویم از سایه انگنده ایم
آفرین بر حضرت سعدی چه خوش فرموده است	مادری در گردن و خرد در خطاب انگنده ایم



# حرفِ عین

عالی۔ یعنی نعمت خان عالی شیرازی۔ ان کا نام اصل میں میرزا محمد تھا۔ اور نعمت خان خطاب تھا۔ مگر یہ اپنے خطاب کے ساتھ ایسے مشہور و معروف ہوئے کہ اصل نام سے خبر ہو گئے۔ ان کے والد کا نام فتح الدین تھا۔ جو اپنے زمانہ کے ایک بہت حکیم تھے۔ میرزا محمد ہندوستان ہی میں پیدا ہوئے اور یہیں نشوونما پائی۔ مگر کئی کے زمانہ میں اپنے باپ کے ساتھ شیراز چلے گئے۔ مروجہ اور ضروری علوم سنی وہیں حاصل کئے۔ شاعری بھی وہیں شروع کی جس میں ملا فیضائے بزدی کے شاگرد ہوئے۔ جب شیراز سے واپس ہوئے تو عالمگیر بادشاہ ہندوستان کے زمرہ ملازمان میں داخل ہوئے حیدرآباد کی فتح پر ان کو زمرہ مصاحبین میں جگہ دیدی گئی۔ اور کئی سالوں میں بکاؤل یعنی داروغہ باورچیخانہ کی خدمت پر مامور ہوئے اور نعمت خان خطِ اعظم ہوا۔

عالی کا مرتبہ شاعری میں بہت بلند ہے۔ اگر کسی طرح تقدیر میں سے کم درجہ پر نہیں ہیں۔ مگر سب سے زیادہ کمال ان کو سبھوگوئی اور ظرافت نگاری میں ہے۔ انکی سبھوگوئی کی ایک خاص وجہ ہے۔ عالمگیر ایک راسخ العقیدہ سنی المذہب بادشاہ تھا اور نعمت خان عالی شیعہ مذہب رکھتے تھے۔ اور اسی کے ساتھ اپنے مذہب کے نہایت پکے تھے۔ اس واسطے یہ ہمیشہ دہرہ دہرہ سبھو کیا کرتے تھے۔ عالمگیر کچھ نا سمجھ نہ تھا وہ سب کچھ جانتا تھا۔ مگر نعمت خان کی لیاقت کا سمجھنا اتنا آسان کے دل پر بیٹھا ہوا تھا کہ وہ ہمیشہ طائل جانتا تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ بادشاہ کی تعریف میں یہ قطعہ کہہ کر گزرانا۔



روزمحشر کہ بخود رمانی پسر بوسفیاں یار تو باد  
بادشاہ اس قطعہ کو شکر سمجھ گئے۔ مگر یہ کہا اگرچہ این کہنہ قرم ساق بدانت  
خود جو کردہ است۔ لیکن سعادت ماست بنویسند در بیاض خاص )  
ایک مرتبہ بادشاہ نے ایک خضی بکرے کو جسکی وارہی بہت بڑھی ہوئی تھی  
اور عمر بھی زیادہ تھی دیکھ کر کہا کہ اس کا کوئی نام رکھنا چاہیے۔ نعمت خان غانی نے  
کہا کہ حضور ابو بکر نام رکھ دیجئے۔ اگرچہ بادشاہ کو یہ بات نہایت ناگوار گزری مگر ہنس کر  
طامی دیا۔

غرض کہ اسی طرح بادشاہ۔ اور امراء دولت پر برابر طعن و تشنیع کی بھرمار کرتے  
رہتے تھے۔ اور سب لوگ ان کی باتوں کو سخرگی سے زیادہ وقعت نہ دیتے تھے۔ مگر حقیقت  
یہ ہے کہ انکی ہجویں بقول مولانا غلام علی آزاد مرحوم کے تیغ تیرے کم نہیں ہیں۔ ان کی  
طرافت نہایت عمیق ہوتی ہے۔ جس میں جو ذوقی پہلوں کو بچا رہتے ہوئے مشر فیضیادشاہ  
اور آیات سے صریح گلکاری کرتے ہیں کہ قابل دید ہوتی ہے۔

ان کی تصانیف میں سے دیوان فارسی۔ وقائع۔ جنگ نامہ حسن و عشق اور مضحکات  
بہت مشہور ہیں کچھ طرفانہ رقعات بھی ہیں جو کہیں نہیں ملتے۔  
عالی پہلے اپنے پیشہ کی مناسبت سے حکیم تخلص کرتے تھے مگر کسی شخص نے ایک دن  
کہا کہ حکیم۔ او۔ حکیم ایک ہی طرح لکھا جاتا ہے اسی لئے انھوں نے اس تخلص کو  
چھوڑ کر عالی تخلص اختیار کیا۔

ایک مرتبہ نعمت خان غالی نے اپنا ایک جیفہ مرصع گرور کھنے کیلئے نواب  
زیب النساء بیگم دختر عالمگیر بادشاہ کے پاس بھیجا مگر وہ جیفہ واپس آیا  
اور نہ روپیہ آیا۔ تو نعمت خان غالی نے یہ رباعی لکھ کر بھیجی۔ بیگم نے پڑھی اور

پانچ ہزار روپیہ جو جینو کے وزیر کے پاس تھے۔ یہ سب ہے۔

اے بندگیت سعادتِ اختر من در خدمت تو عیاں شد جو ہر من  
گر جینو خریدنی است پس کو زر من در نیست خریدنی بزن بر سر من  
عالی کی ججوں کا پایہ اس قدر بلند ہے کہ اُن کا جواب اُن کے معاصرین یا  
یا متقدمین کے یہاں نہیں ملتا۔ اسیں شک نہیں کہ ایران میں سیکرٹوں ہجو گو اور  
ہزال گزرے مگر نعمتِ خان عالی نے جو طرزِ خاص ایجاد کیا اسکا کسی دوسرے  
شاعر کے یہاں نشان بھی نہیں ہے۔ لطف یہ ہے کہ اگر اُن ہجو دوں کو متانت کے  
محاذ سے دیکھئے تو بھی اُن کا پایہ اتنا ہی بلند ہے اور اگر سحرگی اور ہزل کی نوعیت  
سے ان پر نگاہ ڈالئے تو معلوم ہوتا ہے کہ کوئی بڑے سے بڑا مسخرہ بھانڈ بھی ان کا  
مقابل نہیں ہے۔ وہ ظرافت یا ہجو میں صرف ہزل اور مسخرگی اور الفاظ کے کام  
نہیں لیتے بلکہ ہمیشہ اس میں انتہائی معنی آفرینی کا خیال رکھتے ہیں۔ چنانچہ انھوں  
نے ایک قطعہ جو کامکار خاں پسر جعفر خاں وزیر کی کتختائی کے موقع پر کہا ہے  
دیوان میں موجود ہے جس نے بڑے ہجو یہ قصیدوں کو شرمادیا بلکہ انہر پانی پھیر دیا  
ہے یہ جو ظرافت ہزل کی نظر انداز کرتے ہوئے جب اسکی بلاغت پر نظر ڈالتے ہیں  
تو علوم کا ایک ذخار دریا موجزن نظر آتا ہے۔ ایک ایک لفظ کو فصاحت و  
بلاغت کا خزانہ کہا جاسکتا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

بار و گیر کہ خدا شد خان عالی منزلت	با کمال عز و تمکین باوقار و زینت
مہر و شمس بدستِ گر کشاوی رود	میند بر تختہ از ترسِ حریفان کشتین
زورِ پے و سر بر دستِ از ساقِ عروسی	نازد آنہم چہاں برگِ روشِ مانند و
نفقہ و کسوت بسر افتاد و نگرفتہ جہاز	قد بر جمن جانِ بالبلدہ غنیمتِ آئین
ان سدا جبر آورد و این سدا زافیا	ایں سخن ہم دریاں ماند از لعلِ بین

نہ رہے ستن نہ رہے تیرے چہرے  
 گفت بہرمن جانا اور وہ کا یہ کار  
 گفت خان البصر فتح الفرج اساکن است  
 گفت نہ شد جز بمشیم نیست شد و مد جز  
 گفت دخی میکنم بشنود قسم آمد حلول  
 گفت تو شکل مرد دل آہندہ گر خواندہ  
 گفت من در انتظار ساعتم معذور دار  
 از طیبے ہم دوائے خواہم نہ لایہ گفت  
 ساخت زرعہ ناری از خون جان جو زنجیریل  
 گفت اینہا نمی آید بکار از من شنو  
 جہلہ ام را در سر کردی تے خانہ خرواہ  
 دظہا در شوشگانی بکار مارا دہ بہت  
 یہ پورا قطعہ نہیں ہے۔ بعض اشعار اس سے نظر انداز کر دئے گئے ہیں۔ اسکی  
 شرح بھی ایک مرتبہ میری نظر سے گزری تھی۔

شیخ در خواب دید شیطان را  
 از صفا بکہ دل چہ آئینہ ساخت  
 بلاست عتاب پیش گرفت  
 کہ چہا میکنی تو اسے مردود  
 ہم دیگر چہ شیخ برد بکار  
 چوں تریش از خواب شمریں جست  
 قلعه کو لگندہ کے محاصرہ کے وقت عالمگیر کو جب قلعے پڑیں اور طرح طرح

رہزن دین و دزدایاں را  
 آں لعین را ہمیں کہ دیدن ساخت  
 بر سرش زد بجے دریش گرفت  
 شدہ از در کہ خدا سطرود  
 شد از آل ضربت خود بیدار  
 دید ریش خودش بدست خود است

کے نقصان اٹھائے یہاں تک کہ لشکر بے سرو سامان ہو گیا۔ تو نغمہ - اس کے لئے ایک سامان تفریح باقی آگیا اور اس نے طرح طرح کے قصیدے لکھے جن سے بعض اشعار منتخب کر کے لکھے جاتے ہیں۔

مگر ادا کند رحم بر فوج شاہ	الہ است المدد و رحال خدے
ندانم چہ شد حصّہ ایں سپاہ	رجیم است غفار آمرزگار
جدا گشتہ از یکدگر سال ماہ	رجل مرد و مراۃ رن و زوج حبیب
براں فصاحت و خندہ بر قہر قہاد	ملک بادشاہ جند لشکر بود

کیا یاد کر شدن یک ہفتہ پیش پوچھن	چیت عفتار و پیہ کبریت احمر اشرفی
انچہ باشند ذکر ایں بادشہ را در دکن	فقد و فاقہ عنایہ و عسرت صبری انتظار
دانہ کاوہ دو اسب و نفقہ فرزند و زن	ممتنع مدد و دیں ہر دو بطر زلف و نشر
الاجل حکم طبیب ایں المرض احوال تن	الثقیل و الغایہ کہے کہ درین شکرات
سہو سیدہ لہوزینہ لغو توپ انداختن	لم یبق چہ فتح قلعہ لم یکن یعنی یورش
کذب گفتارے کہ سازد مایہ دار و موتمن	صدق آں حدیث کہ ہر کس گفت باشند غنی
در خزانہ گر رود ہرگز نگوید ایں سخن	فلفسی آنکس کہ سیکرید خلا باشند محال
میکند اینہا عمل در دفتر بخشی تن	ما و لا و ان دلن چوں لم حروت نانی اند
لیک ایک الوقتے کہ کار افتد بدیوان دکن	من و عن با و الی احقی و فی ہر میکند
ہمچو تدبیرات و تدبیرات در ملک دکن	کان صابر صبح و اسی افغان ناقص اند

چو گنج افتادہ اند اہل ہنر در کج ویران	دریں ملک خراب اہل روز کس را نیست سامانے
کہ معنی ہم ہزار و ایں زبان حرف نغزلانے	بسرحدے رسیدہ خلق را افراط ناواری

سپاہی ہم بیدان قناعت میکند جہاں  
 طیب از نظم طلب دریا و میدار ہیں مہنی  
 بنجم را نشد غیر از خاکت از فلک حاصل  
 در بس عطار شاق است قوت لایقوتی را  
 نباشد آفتدہ سرمایہ ہم جراح سکس  
 چو طفل نے سوار از بہر روزی میدود کتاب  
 محاسب سال را بنوشت ماہ روزہ در دفتر  
 ز جبریت گفت تا ہی من کلویخو اندہ ام یار  
 وریں لشکر با ہم یار و م با خویش می بخند  
 ز گزینیالی یکے پرسید از دوزخ چہ ماند آیا  
 منداے ماتے از خانہ بر خاست پر سیم  
 ز جاے غفلتہ شاوی شنیدم گفت ہمایہ  
 اسی طرح قصائد اور نظروں میں جا بجا شاہ عالمگیر کی ہر سہریں اور اُس کے لشکر و غیرہ  
 پر پھیتیاں کہی گئی ہیں نثر میں بھی، اُن کے نظریات و اُپنی دوستی و محبت خاندان و ممالک و غیرہ  
 میں حیدر آباد میں انتقال کیا۔

عارف محمد عارف نام تھا۔ ولی کے رہنے والے کشمیری الاصل میرزا سیرز کے  
 محاصرہ شاہ مبارک آبرو کے شاگرد تھے۔ رنگ زمانہ کے موافق کبھی کبھی نظریات میں  
 بھی شعر کہتے تھے ایک شعر مل سکا۔

درخت ز سے کہو کہ آن سے  
 ورنہ عارف انہم کھاتا ہے

نہ چرے۔ کترینہ کے شاگرد تھے۔ میر تقی میر کے مؤسسہ۔ اسی زمانہ میں ایک شخص حافظ عبد الحلیم نامے تھے جنکی شاعری بواحق اطمعہ کی طرح صرف کھاؤں کی تعریف میں ہوتی تھی اور اس میں ظرافت کا تنگ مرچ لگا دیا کرتے تھے کبھی ظرافت کو یوں کو بلا کر مشاعرہ بھی کرتے تھے۔ ان کے یہاں عاجز بھی شریک ہوتے تھے۔ چونکہ عاجز خود ایک ادب باش مزاج رند لا اُبابی تھے۔ اس لئے حافظ حلیم سے خوب بنتی تھی میر تقی میر نے نکات الشعرا میں لکھا ہے کہ کبھی کبھی کوئی مصرع اچھا بھی کہہ لیتا ہے۔ ایک شعر نمونہ ظرافت مل سکا۔

دل بفل مارے لئے جاتے ہیں سب بکنیک طفل  
شیخ سعدی تم بھی اب بیکر گلستاں دوڑیو

**عبید زاکانی۔** قزوین کے نواح زاکان کا رہنے والا آٹھویں صدی ہجری کا نہایت مشہور و معروف خوش مذاق نقاد۔ ظریف۔ شاعر۔ ادیب بلکہ مورخ۔ نظام الدین عبید اللہ نام تھا۔ عبید زاکانی کے نام مشہور تھے۔ شاہ ابو اسحق انجو کے زمانہ میں شیراز میں تعلیم پائی۔ اور ضروریات زمانہ کے موافق تمام درسیات سے فراغت حاصل کی۔ ان کا بعد زاکان میں آئے اور عہد قضا پر مامور ہوئے۔ چونکہ اس زمانہ میں ترکوں کا پڑا عروج تھا۔ اور تمام ایران انھیں کی حکومت سے متاثر تھا دل کی خواہش کے مطابق کسی فرد بشر کو آزادی نصیب نہ تھی۔ اسی حالت میں عبید زاکانی کے دل میں درد پیدا کیا۔ اور ایک کتاب موسوم بہ اخلاق الاشراف لکھی۔ جو ایک نعت کے طریقہ پر تھی۔ اور اس کے الفاظ لغات سے اُس پر آشوب عہد کے تمام حالات ناظرین کے سامنے پیش کر دیئے ہیں۔ چنانچہ نمونہ کے طریق پر چند لغات درج کئے جاتے ہیں۔

العالم۔ بیدولت + الجاہل۔ دولت یار + الجواد۔ درویش + انجمن اللہ  
الامراد۔ طالب علم + المنتخب۔ دوزخی + الشاعر۔ طامع خود پسند + العطار

جوسب کو بیمار دیکھنا چاہیے + المحروم - وہ ہوشیار جو مستوں کی مجلس میں بیٹھے +  
 انقلابان - سسر + البکارت - اسم یا سنی + الجلق - دستگیر مفلساں + المشرق -  
 چور + الکلب الاکبر - وہ مولوی جو کسی امیر کبیر کا ملازم ہو + العسر - چیزات کوڑا گناہی  
 اور ون کو لوگوں سے پہرہ داری کی اجرت مانگے + القاضی + جوسب پر لعنت بھیجے + الوکیل -  
 حق کو باطل کر دینے والا + الرشوت - بچارہ لوگوں کی کار ساز + الخطیب - تقریر کرنے والا  
 گدھا + الواعظ - اوروں کو نصیحت آپ کو نصیحت کی مصداق + النیکم - خوشامدی +  
 الطیب - جلاوڈ الخج - کذاب + الملك الموت - ساقی ریش دار + المدام اللذات  
 ماہ رمضان + الذوالقرنین - دو جو روں کا شوہر + بدبخت - بدبختی عورت کا جوان  
 شیر + الدیوث - جوان عورت کا بڑھا شوہر - اللذات الخجب - ہمسایہ + الرش -  
 غریبوں کی دستاویز + الشخ - ایس + صوفی - دوسروں کی کمائی کھانے والی +  
 الحاجی - کعبہ کی جھوٹی قسم کھانے والا + ایساکی و شیخی + شریفوں کی تجارت کا سرمایہ +  
 ایسج + پورج - شریفوں کا وجود + البیغفر - شرف کے آداب و تہذیب - الغرور و  
 الحماقت - شریفوں کی گفتگو + الذکان دار + خراس سے نہ ڈرنے والا آدمی + اللالہ  
 بازار کا سستہ چیز + الشراب - بے چینی اور اضطراب کا چشمہ + بھنگ - صوفیوں کو  
 حال میں لانے والی دوا + الزندہ دل - شراب اور بھنگ دونوں کا استعمال کرنے والا  
 الخیرانی - بڑھوں کی ڈاڑھی پر ہنسے والا + اللایعنی - صاحب شان کی زندگی + البیغیہ  
 آوارہ ٹرکی کا باپ + الخرنیہ - صاحب غارتگی بھائی + الخرنی بعد النعم - طلاق ثلاثہ  
 الخانم - بہت سے عاشقوں کی معشوقہ + البیگم - معدوم سے چند عاشقوں کی چستی +  
 الپاک باز - ایک ناشقی پر اکتفا کرنے والی عورت -

غرض کہ یہ تمام لغت اسی قسم کے لغات پر مشتمل ہے - مذاق کے پیرایہ اور ظرافت  
 کے پردہ میں - قوم کی بگڑی ہوئی حالت - مظلومی اور بدچلنیوں بد قماشوں کی

کے لیے کہیں چھپتی اور اس کو تار سچ کر سورج میں سے آگ سے نیر - اندر بہت سے سورجوں نے اس کو پسند کیا ہے - یہ طرز غالباً عبید زاکانی ہی کی ایجاد ہے - جس کا اتباع ملاوہ پیازہ - اور جعفر زلمی نے بھی کیا - لغت خان عالی اس کو نظم کے سانچے میں ہلا راقم الحروف نے بھی ایک کتاب لغات الظرفا نامی اسی انداز میں لکھی ہے - مگر اس سے ذرا بچی ہوئی ہے - کیونکہ اب سے پہلے عبید زاکانی کی اس کتاب کو میں نے نہ دیکھا تھا - اس وجہ سے لغات الظرفا میں اس سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا گیا - انشاء اللہ اس پر اضافہ کر دیں گا -

عبید زاکانی نے اس قسم کی کتابیں لکھیں - جو اب اکثر نہیں ملتی ہیں - ان کے نظریوں کے زمرہ میں شامل ہونے کے وجوہات مورخوں نے جو کچھ بیان کئے ہیں - ان میں سے ایک یہ ہے - کہ عبید نے ایک رسالہ علم معانی و بیان میں لکھا تھا - خواہش تھی کہ بادشاہ وقت کی نظر سے گزرے - مگر عیش پرست بادشاہوں کے یہاں سولہ سخنوں کے علم و دانش کی باتوں کا کیا کام ہے - اسی لئے وزیر اور امرا نے عبید کی سب سے اور کوشش کو بادشاہ تک نہ پہنچنے دیا - یا پونجی تو بیکار رہی اور کوئی نتیجہ نہیں نکلا - عبید نے زمانہ کی جو کال رخ دیکھ لیا اور نہایت اندوس کے ساتھ یہ قطعہ کہا -

اے خواجہ کن تا بوقتانی طلب علم      کا ندر طلب راتبہ ہر روزہ بانی  
رو سخنر بدینہ کن و مطربی آموز      تا داد خود از مہتر و اکثر پرستانی  
اس کے بعد ظرافت اور ہزل کی طرہ جھک پڑے اور ایسے چھلکے کہ اسی میں عمر گزار دی - اب ان کا کلام شائع ہو گیا ہے چند شعر عروتاً درج کرتے ہوں -  
بر علم و ہنر چرم مشو صاحب فن      تا مہر و عزیز نیل انوشی خواہ چین  
خواہی کہ خوی قبول ارباب زنی      کنک اور و کنک ہی کن کہ لکھ زن  
شاہ ابواسحق بخج کے معزز وزیر امین الامین نے ایک عورت جہاں ذاتوں نے



سہ شاہ کے تہا بیہوشی میں یہ تھوکتی ۔

وزیر اجال تھیہ ہواست      ترا از چنیں قحیہ ننگیت  
فسراخی و گر را بخواہ      خدے جہاں را جہاں نگیت

لطیفہ ۔ ایک مرتبہ خواجه سلمان کو عبید زاکانی کی شہرت اور خوش طبعی پر  
ریشک ہوا تو ایک قطعہ نظم کیا ۔

جہنمی و ہجا گو عبید زاکانی      مقرر است بہ بیداری و بیدنی  
اگرچہ نیست ز فروغ رستاواست      و لیک میشودان رحمت قزوینی

شاہ شدہ پیچہ عبید کو بھی پہنچ گئی زمانہ مساعدہ تھا۔ مجبوراً خاموش رہا۔ ایک مرتبہ  
اتفاق ہوا کہ عبید کہیں رہ رہتا ایکہ بریا پر پہونچا۔ جہاں خیمے پڑے ہوئے تھے۔ نوکر  
چاکر اور دھڑا دھڑاپے اپنے کاموں میں مشغول تھے۔ کینزان ماہر و اپنی اپنی خدمات میں  
سرگرم و ادوش تھیں۔ غریب عبید نے یہ تزک و اقسام دیکھ کر دریافت کیا کہ کون یہاں  
تہا ہوا ہے معلوم ہوا کہ خواجه سلمان ہیں۔ یہ تو سچی چکے تھے کہ خواجه صاحب کے  
خیالات میری طرف سے اچھے نہیں ہیں۔ مگر بھر بھی ہمت کی اور خواجه صاحب کی  
برجہ سرور میں پہونچ گئے۔ خواجه نے پوچھا کہ کیوں بھی کون ہو کہاں سے آئے ہو انھوں  
نے کہا کہ قزوین سے آتا ہوں۔ کہا کہ خواجه سلمان کا نام تم سے سنایا ہے۔ جواب دیا کہ  
جی ہاں۔ کہا کہ کچھ اس کے اقسام یاد ہے۔ کہنے لگے ہاں کہا کہ مستانہ۔ عبید نے  
یہ دو شعر پڑھے ۔

من خرابا تسم و بادہ پرست      و خرابات مغاں عاشق دست  
می کشندم چو سہودش بدوش      می برندم چو قدرج و دست پرست

یہ شعر پڑھ کر کہا کہ میں نے سنایا ہے خواجه سلمان ایک ہذا شعر ہے ۔ وہاں سے

شعر کہیں کہے ہوں گے۔ میرا خیال ہے کہ یہ شعر اسکی بیوی نے کہے ہیں۔ خواجہ سلمان  
نے یہ سنتے ہی سوچا کہ کیا ہے۔ کہ ہونہ ہو یہ عبید زاکانی ہے۔ پہلے تو یہ تو ہی پوچھا کہ کیا تم  
عبید ہو پھر قسم دلائی۔ جب بہت مصر ہوا تو عبید نے اقرار کیا۔ اور نہایت غم سے کہہ کر  
کہا کہ بغیر دیکھنے کسی کی چوکرنا علما کا شیوہ نہیں ہے۔ واللہ صرف آپ ہی کے ہٹے  
اور آپ کے کینفر کردار کی سزا دینے کے لئے میں بغداد جا رہا تھا۔ اچھا ہوا کہ آپ یہاں  
مل گئے۔ خواجہ سلمان نے بہت معذرت کی۔ اور بات گچی گزری ہو گئی۔ اس کے  
بعد دونوں ہمیشہ دوست بن کر رہے۔

مردم ہمیشہ خوشدل ہیں تیلے قرض	کھر پھر پھر شیشے بزن در بلاے قرض
قرض خدا و قرض خلاق بگردنم	آیا اے قرض کتم یا اے قرض
در کہ چہ قرض دارم و اندم مجملہ قرض	دشمن قرض دارم و اندم میرے قرض
عزم چو آریے گدایاں ببا فرست	از بسکہ خواستم ز درہر گدایے قرض
گر خواجہ تربیت نہ کند مر عبید را	مسکین چگونه یاز رہا رہے قرض

افسوس کہ زیادہ۔ اشعار زیادہ تر خواجہ سلمان تک پہنچتے ہیں لہذا قلم انداز  
کرنا ہوں۔

فشتی۔ نام فتح اندر تھا۔ ہرات کے رہنے والے تھے۔ ہزل اور چو کی طرف  
طبیعت کا میلان بہت زیادہ تھا۔ ملا شفق کی چو میں یہ رباعی کہی تھی۔

اے مشفق کب چوں تیر پراختہ ایم	با اختر خود ترا قمر میں ساختہ ایم
او گونہ ہمیز نہ تو سیکوئی شعر	اورا بنو در بدیہ انداختہ ایم

عروش۔ گیا کے رہنے والے ضمیر الدین نام فشتی امیر الدین تسلیم مرحوم کے نہایت

مشہور و معروف اور ممتاز شاگردوں میں ہیں۔ عربی فارسی کی لیاقت بقدر ضرورت شعر کافی ہے۔ اکثر غزلیں رسالوں وغیرہ میں چھپتی رہتی ہیں۔ عرش صاحب کی عمر اب پچاس تک پہنچن برس کی ہوگی۔ گو جھکویہ نہ معلوم کھاکر آپ ظرافت کی طرف بھی توجہ کرتے ہیں۔ مگر ایک غزل مطبوعہ اسی رنگ میں اور دھبہ بخ سابق سے دستیاب ہوئی جن کے ساتھ کچھ طرفانہ عبارت بھی ہے۔ بجنسہ نقل کرتا ہوں: وہو ہذا۔

مرزا اودھ پنچنا۔ روایت صحیح ہے کہ ایک روز پچھران صبحیہ۔ ہر فرغت نماز بخری بیٹھا خود دنا سے اصلاح قوم تھا کہ کچھ کی جانب سے ایک بسکھڑا پڑا۔ پڑا نا چنتہ ڈھیلا۔ قوال ہاتھ میں سنہری سہانی چوڑیاں پہنے لباس زنانے میں ستارے سے معاک بہ ظاہر مرد طحدا کے جو فی نفسہ زن مکارہ و عیارہ تھی آدم کا اک عبرت سی ہوگی تسبیح شریف پھینک کر قریب تھا کہ پا جامہ سے باہر ہو جاتا۔ کہ یا شیخ المدد کمر ٹری زور سے مٹھی میں دل کو جکڑ کر لیا وحشت دور ہو گئی اب اس قوال وزن چھبیلہ نے یوں لایا ہے اور ستارے ٹٹٹاتے ٹٹٹاتے توڑی ڈالا۔ غزلچہ

شرافت تو ہے گھٹے بہ کار بیوی	بجلا کھائے شوہر کی کیوں با بیوی
نہیں اب جہاں میں غفار بیوی	کہاں سے کوئی لائے غوار بیوی
کرے خاک تاکید پرے کی شوہر	نکلنے کو ہر دم ہے تیار بیوی
اگر اس زمانے میں غیاث بھی ہو	نہیں پیش خالق گنگا بیوی
نہ کو نہ کو نہ موت کی! نگے شوہر	بہت آجکل ہر بہ ہے بار بیوی
اگر کہانے کپڑے کی انگلی نہ کچھ دو	لگاے وہیں جو تیاں چار بیوی
نیا گل کھلا ہے یہ باغ جہاں میں	کہ شوہر جو گل ہے تو ہے خار بیوی
اگر دیکھے بل ابرو و پیریاں کے	تو دوڑے وہیں لیکے تلوار بیوی
مہذب گھروں کی یہ تعلیم سینے	نہ پابند شوہر ہو نہ سار بیوی

کہا ایکٹ ہیا سے یکم نے ہنسر  
 لقمہ کسکے لقمہ نشہ سکی عصمت  
 طرندار غیر و نکی تعریف جب ہے  
 مبارک مبارک بلا مانی سر سے  
 اگر بیٹے ٹھیلے میں جانے دو بیدل  
 کمانے کی حاجت نہیں جو بیار کو  
 خجالت کا دیرا رواں بیچ میں ہے  
 کرے گا اگر تیل پانی کی خاطر  
 نہیں نوکری ملتی جب سر دھوون کہ  
 ادھر تھک کے کاموں کو کیوں کرتے ہیں  
 خصم کی اجماعت نہیں فرض ہرگز  
 میں عاشق ہوں دو چاکت پیری  
 نہ اب دانت کا ٹونڈا اب رولیں  
 تری پیٹھ پر سیکڑوں بوٹ جوتے  
 شریفوں کے گھر کی ہیں عیار بیوی  
 گلے کی ہو شوہر کے جو بار بیوی  
 دوسے ساتھ شوہر کا نہ ہا بیوی  
 جواری جوے میں گئے بار بیوی  
 تو سو بار تھکو کرے پیار بیوی  
 باا سے جواں میں ہو بیکار بیوی  
 میں اس پار شوہر تو اس پار بیوی  
 رسیگی تیرے گھر نہ زہنسا بیوی  
 نہ ہو کیوں کمانے کو تیار بیوی  
 ادھر جام پی کر ہو سرشار بیوی  
 خبر دار بیوی خبر دار بیوی  
 ملی ہے مجھے اک طر حدار بیوی  
 ہے دکھتا بہت ہی تن زار بیوی  
 تیرے منہ پر لاکھوں پی پھلکار بیوی

عرشی - یعقوب خاں نام تھا۔ قصبہ بند کی ضلع فتحپور میں ۱۸۴۲ء میں پیدا  
 ہوئے۔ آبائی وطن دہلی میں تھا۔ ان کے والد محمد زماں خاں اور ان کے دادا  
 دارالسلطنت دہلی میں شاہ عالم بادشاہ کے توپخانہ کے گولہ انداز تھے۔ جب  
 بادشاہ موصوف کی آنکھیں نکال گئیں۔ تو ان کے والد ترک سکونت کر کے اس  
 قصبہ میں آئے۔ عرشی مرحوم کی ابتدائی تعلیم و تربیت بند کی میں ہوئی۔ مگر جب ان کے  
 سر سے باپ کا سایہ اٹھ گیا۔ تو یہ ضلع بانڈا چلے گئے۔ اور وہیں علوم و سنی کی تکمیل کی۔

بہ نسبت پیر بہ نسبت پس آئے۔ اور سن خری کا شوق ہوا۔ سنی تیس الدین تھا۔  
 وکیل فقیہ کے شاگرد ہوئے۔ چونکہ نہایت نازک خیال اور خوش گو تھے۔ تمام  
 معزز لوگ ان کی تعظیم کرتے اور ان کو مانتے تھے۔ عاشقانہ شاعری بھی کرتے تھے  
 مگر زیادہ تر نصرت گوئی کا شوق تھا۔ مولانا فضل الرحمن شاہ گنج مراد آباد کے  
 مریدوں میں تھے۔ اور نہایت عسرت و تنگ حانی سے بسر کرتے تھے تقن طبع کے  
 طور پر کبھی ظرافت کے شعر بھی کہہ لیا کرتے تھے۔ ہجو گوئی میں بھی کمال حاصل تھا  
 کلام میں استادانہ بندشیں۔ نازک خیالیاں۔ خوبی اسلوب بیان بدرجہ اتم  
 ملحوظ رکھتے تھے۔ آخر وقت تک شعر گوئی کا سلسلہ جاری رہا۔ اور شاہد عین بقا  
 بند کی انتقال کیا نمونہ کلام ظرافت و ہجویہ ہے۔

میں بند قبا کو کمر بند سمجھا عجب بے تکا ہوں نہ اپنا تیرا  
 دورنگی زمانہ سے ہم کو تباہ ہیں موحشیں سفید ہوئیں.... سیاہ ہیں  
 ایک مرتبہ کھٹکے۔ شب فقیہ کو ایک طریقہ عرضداشت اپنی غرت و بکسی  
 کے اظہار کے واسطے لکھی ہے جس کے چند شعر یہ ہیں۔

اس ضلع کے حضور حاکم ہیں	عرض کیونکر کروں نہ اپنا حال
چھ مہینے گزر گئے کھاتے	خشک روٹی نہ بنے گھونڈ بڑا حال
نہیں ہوتی نصیب ترکاری	دھڑکی کی مولیاں تنگ ہیں محال
نیند کیا خاک لگ راتوں کو	چار پائی کا ہے شکستہ حال
شور اب میری تشنہ کامی کا	پانی پت سے گیا ہے نیننی تال
بان کی یاد جبکہ آتی ہے	مار کر اینٹ کرتا ہوں منہ لال
جوتیاں تاک نہیں مقدر میں	دونوں تودوں کی اڑ گئی ہر کھال
پیسے جڑتے نہیں حجامت کو	بال بھی سر کے ہو گئے ہیں بال

پھر سے یہ خط بتا ہے کہ دفتر  
 سہ بختی سے پھٹ گیا وہ بھی  
 دد آہ جگہ نکلتا ہے  
 دل کو آتا ہے حقہ کا جو خیال  
 گھر جو بند کی میں ہے سکونت کا  
 اُس کی بگڑی ہوئی ہے صورت حال  
 ٹوٹی پھوٹی گھڑی ہیں دیواریں  
 بیٹھ جائیگی غالباً اس سال  
 دن کو چھنتی ہے دہوپ انکو اوس  
 ہیں چھتیں گھر کی صورت غربال  
 آندھیاں زرد شور سے آئیں  
 اڑکے چھپر ہو چنگیا نیپال  
 مانگتا ہے گھڑی گھڑی کی غیر  
 ہر گھڑی ہے مرے لئے گھڑیاں  
 عرشی مرحوم کو اتفاقاً کسی وکسٹیر سے کچھ صدمہ ہو چکا۔ پھر ان کو تاب کہاں  
 تھی وہ وہ بھجیں لکھیں کہ تو یہ ہی تیرے۔

وکسٹیر ہے قوم کا حجام  
 نائیوں سے کرتا ہے .....  
 مارے جوتوں کے ہو گیا گنج  
 جھڑ گئے سر کے موے عنبر خام  
 باندھتا ہے عمامہ کا بل  
 فرقہ بد معاش کا ہے امام  
 آکے بند کی میں بیٹ گیا ہے شریف  
 باپ دادا تھے نائیوں کے نرلام  
 اسے میاں جاتے ہو جو تم گھر کو  
 اپنی ماں سے ہمارا گناہ سلام  
 نانی تیری ہے آنکھ کی کافی  
 جپہ عاشق ہوئے ہیں تو نے رام  
 کہ والوں کی رہ گئے صحبت میں  
 تو بھی چلنے لگا قدم شہ گام  
 اپنی رنڈی کو کہتا ہے مادر  
 کرتا ہے اس سے روز و شب بکام

اگر دعویٰ ہے کسی نیٹری کا  
 ہمارے آگے آئے ..... کا  
 پڑے ہیں جوتے سر پہ چھڑ گئے بال  
 یہی ہے مرد گنہی کھو پڑی کا

عشری کی جوین اور بھی موجود ہیں مگر وہ فحش سے قریب اور غلط فہمی سے دور ہیں اس لئے اور کیا انتخاب کریں مجبور ہیں۔

رب - میرزا عرب مشہدی نام ہزل و تمسخر میں جواب نہ رکھتے تھے۔  
شعراے ایران کے دور متوسط کے شاعر ہیں۔  
حیدر اسپرستی جان من - من اسپرستی فرستیم پیشت ہمارم غزلتہ نصیبہ فرستیم

عزیز - سید قلندر کاشی کا تخلص ہے۔ شاہ طہا سپہ صوفی کے زمانہ کے ایک تہذیب دوست ہزل اور طحراف تھے۔ اتفاق سے بیوی بھی شاعرہ تھی ایک مرتبہ  
عزیز نے یہ شعر کہا  
ز سر راقیہ می گفتند دین باور نمیکردم بحمد اللہ مردم تا یکشم خویشتم دیدم  
عورت نے فوراً جواب دیا  
زنت راقیہ می گفتند دیدی برد بابا شتر دیدی ندیدی

عکس - بدر الدین نام تھا۔ شیا محل دلی میں رہتے تھے۔ نہایت بیوقوف اور مسخرے آدمی تھے اس پر آپ کی بہت کڑائی اور بھی ترہت ناظرین تھی غلیظ نظروں سے گزرا۔ کینت خلقت کی بنی بنائی تصویر تھے۔ بد قسمتی سے شعر و شاعری کا بھی ذوق و شوق تھا۔ اس میں بھی ایک نئی بات لگائی تھی جب غزل کہتے تھے تو اس کو تین حصوں پر تقسیم فرماتے تھے۔ تہ مادہ۔ ستادہ۔ تذکرہ گلستان سخن کی ترتیب سے پہلے روپوش فدا ہو چکے تھے۔ ایک شعر ملتا ہے

مگر شے نمونہ از خود ارے سمجھ کر اسی پر تمام و کمال کلام کو قیاس کر لیجئے۔  
کیوں بے ادب لگتے چلا تھا کیا یہ سمجھ کر لگاؤ کس لئے آیا تھا تیرے گھر وہ مگر رات کو

**عشاق** - ایک قدیم ہندو شاعر کا تخلص ہے زیادہ حال معلوم  
نہیں صرف ایک شعر مل سکا۔

سر سبز خط سے اور ہوا حسن یاد کا آخر خنراں نے کچھ نہ اکھاڑا بار کا

**عشرت** کسی ریختی گو کا تخلص ہے جن کے دو ایک شعر تو ملے مگر تذکرہ  
میں نہ نام ملا اور نہ حالات کا پتہ چلا۔

خدا نے دی ہے کیا طاقت بوا بے جزا نہیں ترے سر کی قسم ہوتی ہے کل سے ٹیس رانہ نہیں  
تجھے اپنی پڑی ہے میں مری جاتی ہوں جس پر تجھے موے سنتا نہیں کیا تیل ڈال آیا ہو کا تو نہیں  
حسین بھی میں کٹے بھی میں مگر کچھ جوش نہیں یہاں تک عیب ہے عشرت یہ کابل کے پٹھان نہیں

**عصمت** تخلص ہے امجد علی خاں کا جو ریختی نہایت عمدہ کہتے تھے اور  
حسین علی خاں لکھنؤی شاگرد محمد علی خاں میاں کے قرزند تھے چند شعر ملے جو  
درج کرتا ہوں۔

جو کم سنی میں دیکھ چکی منہ ہزار کے بیٹھے گی کب بھر سے پوہ ایک بار کے  
بی تم نے کیوں کوا رہنے میں چاہے پانا موتی سے دانت بین گئے دالے اتار کے  
ترکس کی چھو کر دیہ ہوائی ہے کنڈن کو سارا دیدیا گنا اتار کے

یتیم بے بوا اچھا نہیں دو ذی صحبت کا کھیلے گا تو عینے بدگل عیش و عشرت کا



نہایتی اندیشہ ہو کر کہہ رہی تھی کہ  
مگر بسے بچہ نہ بچہ آئے۔ فریاد کی گئی ہے  
نری خاطر میں کھسے دن ڈاٹے آئی ہوں نہ  
کسی آج تک آنچل نہیں دیکھا ہجرت کا

**عطا** - عطا واللہ نام تھا عطا تخلص تھا۔ عالمگیر کے زمانے میں خوش و خرم  
دلی میں زندگی بسر کرتے تھے۔ دلی ہی زاد بوم تھی اور دلی ہی میں بیوند خاک ہوئے۔ اپنے  
زمانہ کے بانکوں میں تھے۔ اور تمام وضع و عہد تھے۔ ٹیڑھی ٹوپی لپکا ٹمکا ہوا نیچی نیچی  
ٹھیلی ٹھیلی آستینیں۔ کرتے کا دامن بہت بچا اور سپر میل لگی ہوئی۔ ڈاڑھی چڑھواں  
موچھیں بل دی ہوئی کندھے پر ایک رومال۔ انگلیوں میں کئی کئی انگوٹھیاں اور چھلے  
ہاتھ میں ایک سونٹا۔ میر جعفر ٹل سے ہمیشہ ٹوک جھونک رہتی تھی۔ نہایت بیباک اور  
شور و ہشت تھے۔ ایک مرتبہ بادشاہ نے ناراض ہو کر قید کر دیا اور مدتوں تک  
تو زانہ مصیبت میں اسیر رہا۔ اتفاقاً ایک روز بادشاہ نے ایک مصرع کہا۔  
**ع بستم خاک و خشت بالین است**

اسپر دہ سرا مصرع حسب دلخواہ نہ لگتا تھا۔ بہت سے لوگوں نے مصرع لگائے  
مگر ناکام رہے۔ شدہ شدہ یہ خبر عطا کو بھی پونچ گئی۔ کہا کہ اگر بادشاہ مجھے آزاد  
کریں اور اس بلا سے رہائی دیں تو ایسا ہی مصرع کہہ دوں گا۔ بادشاہ نے یہ شرط  
منظور کر لی عطا نے مصرع کا ع کیے از مرگزشت من یہ است۔ بادشاہ نے  
بھی وعدہ وفا کیا۔ ان کا کلام بالکل جعفر ٹل کے رنگ میں ہے۔ میر تقی میر اور  
میر حسن نے ان کو ادب و باش وضع لکھا ہے نمونہ کلام یہ ہے۔

اے درخبر حسن تو کشتہ بہ چار چشم  
زیر دروہ نفقہ جہ آہوہ چار چشم  
بر خاک شب نمی طلبد انجم  
دل رستم و سہم می دہر کہ

دست و پامیزند عدد و دران  
بچو پڑی کہ در قفس پھر کد

عقاب جناب قمر بہ ایونی کے ایک شاگرد ہیں۔ عمدہ شکرستے ہیں ظرافت بھی  
نہایت شستہ ہوتی ہے۔

کہتا تھا میں کہ پرے کی ٹی ہوئی خواہا  
بے غیری نے بر سحر کے دبا جبکہ یہ جواب  
شرم و حیا کے ساتھ وہ ان کے جناب  
اتنی سی بات پر کہ ہوئی شمع حجاب  
پردانہ جان دینے کو تیار ہو گیا

وہ عورتیں کہ جنگی ہیرا کا نہ تھا جواب  
کوشاں نہیں اب کہ پرے کی ٹی ہوئی خواہا  
اتنا خیال ان کو نہیں ملے انقلاب  
اتنی سی بات پر کہ ہوئی شمع بے حجاب  
پردانہ جان دینے کو تیار ہو گیا

اس پر سے میں نے جتن چھا کہ لے کر نہیں  
غیر سے بے پردہ نہ آیا بھی کوئی راز ہے  
ہنکے بولی لے میاں اس بات کا فہم نہیں کیا  
تم ہی سمجھو کہ وہ اک آئہ پر داز ہے

اب دیکھ گیا ہے آئے تو بچیں منڈائیے  
دار طہی کی گھاس بچھڑس لو کا نکائیے  
ڈبے کی بھیلی کھائے دھسکی اڑائیے  
القصرہ طرح بھی بد فیشن بنائیے

جواب اس مٹی میں ہے اس جون میں نہ ہو

اک پانچ بھی آگے کو پتلون میں نہ ہو

چھوڑی ہے اپنی وضع تو سربا تھوڑیے  
مونچھو تکی طرح ایک سے بھی سنہ کو مڑیے  
جوڑے ہیں پہلے ہاتھ تو تانچوں جوڑیے  
ہونٹوں کی بلے کھائے دانٹو کو توڑیے

پلیس فضول چیز ہیں انکو بھی مونڈ لے

جو چیز اس سے قبل تھی راج دہ چھوڑیے

جبر کا جس میں دخل نہ ہو چھوڑیے دکام گھوٹے کے منہ میں بھی ہودم میں ہے کام  
ہاتھوں سے قطع راہ برٹھو ہے ہر سلام اس منہ سے اب بولے ہے یہ طریق عام

جو چیز اس سے قبل تھی راج دہ چھوڑیے

عینک سے کام لیجئے آنکھیں کو پھوڑیے

عمر - دکن کے رہنے والے تھے معتبر خاں نام تھا۔ منصب راج شاہی میں کس عہد  
پر سر فراز تھے۔ شعر و شاعری کا ذوق تھا اور زیادہ تر عرفانہ رنگ کے شعر لکھتے تھے۔ دلی  
کے زمانہ میں تھے اور انھیں کہنا کلام دکھاتے تھے۔ آج تذکروں میں صرف دو شعر  
ان کے نام سے ملتے ہیں جن میں ظرافت کا ہلکا ہلکا رنگ ہے۔

بس کرد زلف کو لپیٹ رکھو کیا اسیروں کو مار ڈالو گے  
ایک رسوا بہت ہے شہرت کو جمع کر کیا اجار ڈالو گے

علی - قلی اراق :-! بش اصفہان کا سربراہ اور وہ شخص تھا۔ اسی مذاق  
کے شعر کہتا تھا۔ ایک شعر یہ ہے۔

تعلیم کچھ پر دیت گر ہر بسا یو بر خیزد سر بیاسے علی قلی اراق :-

عماد لڑ - ایران کا ایک زبردست ہنر ال تھا۔ کلام جو ملتا ہے وہ تہذیب سے  
معرا ہے لہذا نظر انداز کرتا ہوں۔

## حرف غین معجزہ

غازی الدین یعنی ذاب عماد الملک غازی الدین خاں بہادر وزیر  
عالمگیر ثانی۔ ان کا ایک شعر اس رنگ میں ملتا ہے۔ گمان ہوتا ہے کہ شاید  
مستقلاً ظرافت کے اشعار کہے ہوں بہر حال شعر یہ ہے۔  
سسے پاؤں تک سفیدی لگتی تپتہ حال شمع سی ہنسنے نہیں دیکھی کوئی بڑھی چھٹال

شغلیں۔ مولوی عبدالقادر مرحوم متوطن رام پور کا شخص ہے نہایت جید  
نہایت عالم و فاضل تھے۔ مراد آباد میں عہدہ جلیلہ صدر الصدوری پر ممتاز تھے  
تذکرہ صابر میں لکھا ہے کہ باوجود پیرانہ سہری کے ظرافت پسند تھے مگر افسوس کہ ان کا  
کچھ کلام ظریفانہ درج نہیں کیا صرف دو تین شعر جن میں شوخی بیان پائی جاتی ہے  
درج کئے ہیں۔

خدیج ساری فراموش نکایت ایکٹاد شبنم میں اک خطا کے ہمہ نیکی برپا  
بندگی صاحبہاں خانہ نیکی آباد گر نہاد ہمت ہمہ این بہت نہ نیکی نہاد  
در شرت ہمہ این بہت نہ نیکی نہاد  
جو رہی نہ تو شیشہ جھکا کے ساتی کما یہ رندوں سے لیجے سلام شیشہ نکا  
بندہ کی طلب ہوئے تو سرکار میں آئے خلوت میں نہو حکم تو دربار میں آدے

غیاث الملک - افسوس ہے کہ نہ آپ کا نام معلوم ہو سکا۔ اور نہ حالات  
کا پتہ چلا صرف نہ (علامہ غیاث الملک کے معنی بن خیالات) کے عنوان عظیم الشان  
سے ایک غزل مل سکی۔ جو مرزا غالب کی غزل پر لکھی گئی ہے بفضلہ معنی سے بالکل  
معرا معلوم ہوتی ہے۔ مگر ان لوگوں کے لئے سامان عبرت ہے جو عظیم الشان عرب  
اور سنگین الفاظ رکھ کر شعر کے مقصود اصلی تک پہنچنا چاہتے ہیں۔ اگر ایسا ہے  
تو غالباً اس صدی میں علامہ غیاث الملک سے ایسے شاعر ایک ہی دو پیدا  
ہو کر پیدا واپس نہ ہو گئی ہوگی اور رع تراکثیرہ دولت از قلم کشید خدا۔ والا  
عامیہ میں آیا ہوگا۔ بہر صورت غزل یہ ہے۔

شب چراغ عقل تصدیق خم فانوس تھا	کسوت شمعوں کا رخ غیر فانوس تھا
نار آؤ شمعوس غرض ناقوس تھا	لا لیل لایع لوق زاہر اوس تھا
نذر و ذنیغ تیغ آسودہ ناموس تھا	زورق روم ہلاک تختہ کا بوس تھا
منع لذائغ ایراد خلائع غمت رلود	قسوت قراطیس قیاس قلوبس تھا
قلقل صفر لے طرح کرو بیاں	محبط محروط کعب ثمنہ قلوبس تھا
مزل نجاس کوس چاند نفاس جوع	قلع زحکا رتہ اتھہ کر گیا دس تھا
شحنہ جوع البقر جمع مفاک قعر صفر	صفرہ نٹ نفوس نیر نادوس تھا
نخل کس خشتون نہ ایک ابورہ	یسر مس لیتن قطرب جاسوس تھا
صفر قمر نہ تار غدا ماز ایف	محس قطب فضال نفیج نہ جاسوس تھا
حرقتہ بھورق قندار غریب نہ اور	شیون ترشح خل گوزم گجوس تھا
سویت ناموس ہوتا فلسطین مستقیم	سوسارو کو کعبہ شامہ جوس تھا
سہ بادوس جناب سوزات رقد	سم سلجوق حمار قطرب جالینوس تھا
لنٹہ کن کیا خرمینجا روت	نصہ خرمین شہا عینبت خاوس تھا

لف و نشر حریر یا رخسار مثل  
نیرف بازو کا ڈچنگ لار روں تھا  
قاہم ارجاع تہہ اتار نہ نہ انقاس  
طارم نقد ان لبت چن صنوبر لہر تھا  
طہ طراق نسر طائر قدغن بہت العنب  
خیلسر فتن شیع شیشہ معکوس تھا  
صفت شرح طابا مات صغینہ الحد  
صفت یقین غمق نوج حسرت یادوں تھا

غٹ غولن - ایک پختہ مشق شاعر ہیں جو قفن طبع کے طور پر کبھی کبھی نظر لیفا زنگ  
میں بھی شعر کہہ لیتے ہیں - میسر دوست ہیں - مگر وقار ذاتی کی وجہ سے اجازت نہیں  
دیتے کہ طریقوں کے ساتھ ان کا نام بھی اس تذکرہ میں آئے - چند شعر بہتے تقاضی  
کے بعد محنت فرمے ہیں وہی درج کرتا ہوں -

ہوا ہے گھر ہمارا جب سے یرباد  
وہ کہتے ہیں ہمیں بندر کی اولاد  
یہ جو ش تکنت افشا کبیر  
کہ جیسے آپ کا دادا تھا شاداد  
لباس نو ہے بی شیریں کی بریں  
نیا تیشہ خریدیں بھائی فرباد

وصل کی دھن میں جنوں کی ہونے لیا  
آج کل محنوں کے چوڑے رنگوٹا بھی نہیں  
بھنگ تھڑی لڑی بھانگہ کے ستے تہم  
کوئی کوٹھی بھی نہیں کوئی ٹٹو بھی نہیں  
کون سی بات پہلی کے وہ ہر ٹرے  
بھائی محنوں سے توں غم میں با بھی نہیں  
نازنین مجھ سے پھرتے ہیں ناخون غل  
کچھ بھلیل بھی نہیں میں کی ٹٹو بھی نہیں

دنیا مے نظا و حسرت کی بد لجاے  
نیفتے اگر ان کا کر بند نکل جاے

# حُرُوتِ قَا

فتحی۔ نام فتح اللہ تھا۔ ہرات کے رہنے والے تھے۔ ہزل اور چھوٹی طرف  
طبیعت کا میلان بہت زیادہ تھا۔ ہر مشفق کو کچھ میں یہ رباعی لکھی تھی۔  
اے مشفق چوں تو مردِ اختیارم      با اشتر خود ترا قرین ساختہ ایم  
اگر زہمیزند تو میگویی شعر      اورا بتو در بدیہ انداختہ ایم

فدا۔ مولوی عبد الوحید نام ہے۔ گلا وطنی ضلع بلند شہر کے رہنے والے ہیں  
مگر یہ سلسلہ ملازمت عرصہ سے بین پوری میں قیام ہے۔ مرزا داغ مرحوم کے ایک  
خوش فکر خوش مذاق شاگردوں میں ہیں۔ نہایت عمدہ شعر کہتے ہیں۔ کبھی کبھی مزاحی شعر  
کہہ لیتے ہیں وہ شعر جو ان کے صاحبزادے سے بہت عرصہ ہوا سنے تھے وہ آج تک  
داغ میں محفوظ ہیں۔ فدا صاحب کی عمر اس وقت تقریباً ۷۰ سال ہے۔ ان کی  
بہوگی۔ سن ہے کہ اب بوجہ ضعف بصارت مشاعروں میں بھی شریک نہیں ہوتے  
کوئی بیڑ بنے گا لاکھ سٹرو نہیں سکتا      مقابلہ پڑھ کے ہرگز سلیس نہیں سکتا  
نہ دو اچھانہ دو اچھانہ وہ لکھائے نہ کر سکتا      مے پیکر کے ہرگز ایسے نہ کر سکتا

فدا۔ یہ محمد علی نام تھا۔ مگر لوگ ان کو ان کے سن خدا شاہ کے ساتھ یاد  
کرتے تھے۔ نو باری تعلقات سہا۔ پور کے باشندے۔ سیاہی پیشہ خوش اختلاط

نیک مزاج پسندیدہ خوشے۔ مگر اول اول میں ان کے کلام میں شرمی زیادہ ہوتی تھی اور لوگ اُسکی تعریف کرتے تھے۔ آخر کار غزل گوئی ترک کر کے آخر عمر میں ہزل گوئی پر مائل ہو گئے۔ مگر کلام عنقا ہے۔ ایک ہی شعر مل سکا۔  
 جسے کھایا ہے تیر مرغیاں کا اس کے نزدیک کھانسی ہے بھالا

فداے سخن۔ اودہ پنج سابق کے ایک نام نگار تھے۔ جن کا اب باوجود تلاش کوئی حال نہیں ملتا۔ انداز بیان سے ابوالکلام مولانا امید کا کلام معلوم ہوتا ہے۔

لونڈے کہتے ہیں یہ دھڑلے سے	شوق ہے جھک گیند بیلے سے
سچ تو ہے بندہ ضلالت کو	کیا عرض کعبہ یا مصلے سے
ہاں لانا ہیں وہی بدایوں کے	کل لے تھے جواک بیلے سے
دیکھنے آج میر صاحب کو	لوگ آئے ہیں ہر محلے سے
غیر کو بد ہیاں بچوانی جائیں	ہم گئے گزرے ایک چھلے سے
رندیاں چوک کی الجھتی ہیں	ایک عاشق مزاج جھلے سے
شاعری ہند کی ہے وابستہ	آج کل جاہلوں کے پتلے سے

فرو۔ تخلص مولوی وحید الدین خاں نام تھا۔ خدا بخش خاں عرف درخشاں ضلع مظفر پور کے رہنے والے تھے۔ اشعار عاشقانہ لیسکن اکثر ظرافت آمیز کہتے تھے۔

بند انگلیا کے نہ بند ہوا کبھی	عمر بھر مسند تو نا محرم رہا
سطح سینہ پہ تھے اسے بے نیل کیا	بھرا بھر انشراح مسند پہ پڑھا کیا



وہاں چھاتی ہے گد رانی یہی کہیں گد رانی کا  
درخت بارو میں ہندوستان کا کھنکا

فصّاد - بنو حجام دہلوی شاگرد شاہ نصیر کا تخلص تھا۔ صاحب تذکرہ سخن  
اس کی بابت لکھتے ہیں کہ ”نہایت ظریف خوش طبع کشادہ رو۔ نیک خو تھا۔ شاید  
شعر گوئی سے غرض یہ تھی کہ موتراشی کے ساتھ موشگافی کو جمع کرے۔ جو کہ اُس کے  
اشعار تذکرہ میں لکھنے کی قابلیت نہیں رکھتے تھے صرف ایک شعر پر اکتفا کرتا ہوں۔“  
بادہ کے ہیں پینے سے کیا کام ساقی سے خونِ جگر آبلہ ہے جام ہمارا  
افسوس ہے کہ اس شعر کے علاوہ اس کی طرافت کا کوئی شعر مجھے بھی نہ مل سکا۔

فغان - اشرف علی خاں نام تھا فغان تخلص احمد شاہ بادشاہ کے برابر رضاعی  
تھے۔ تمام تذکرہ نویس ان کی بذلہ سخی اور طرافت گوئی کے مقرر ہیں۔ میر صاحب نے  
لکھا ہے کہ ان کی دو پھبتیاں بہت مشہور ہیں ناگرمل دیوان تن گوگھی کی مٹھی  
کا سائندہ اور حکیم معصوم کو گاؤ گجراتی کہتے تھے۔  
مولوی محمد حسین آزاد تذکرہ آبجیات میں ان کی نسبت یہ لطیفہ لکھتے ہیں۔  
خدا معلوم سچ ہے یا اپنی عادت کی موافق صرف دل لگی کے لئے بات کا بتکرار بنا دیا  
ہے ہر حال لطیفہ یہ ہے۔ کہ

راجہ شتاب راس کے دربار میں انھوں نے ایک غزل پڑھی جب کہ تانیہ تھا  
الایاں۔ تالیاں۔ وغیرہ۔ سب سخن فہموں نے بہت تعریف کی۔ راجہ صاحب کی  
صحت میں جگنو میاں ایک شعرے تھے ان کی زبان سے نکلا کہ نواب صاحب  
سب قافیے آپ نے باندھے مگر تالیاں نہ لگئیں۔ انھوں نے طال دیا۔ اور کچھ  
جواب نہ دیا۔ راجہ صاحب نے خود فرمایا کہ نواب صاحب سنتے ہو جگنو میاں

کیا کہتے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ مہاراج اس تلافی کو مبتذل سمجھ کر چھوڑ دیا تھا۔ اور حضور فرمائیں تو اب بھی ہو سکتا ہے۔ مہاراج نے کہا کہ ہاں کچھ تو کہنا چاہئے۔ انھوں نے اس وقت پڑھا۔

جگنوں میاں کی دم جو پتی تھی ات کو سب کچھ دیکھ اس کو بجاتے تھے تالیاں  
تمام دربار چمک اٹھا اور جگنوں میاں مدہم ہو کر رہ گئے۔  
اسی طرح ہر تذکرہ سے یہی پتہ چلتا ہے مگر افسوس کہ اُن کا ظرافت کا کلام  
مختور اس ابھی ہم نہ پہنچ سکا۔

فنا تخلص تھا شیخ باقر نام تھا کالپی کے رہنے والے تھے۔ حافظ ضیغم مولوی  
عبدالکریم خاں آشنا اور مولوی محمد مظہر وصل وغیرہ بہت سے شاعروں سے  
اصلاح لی تھی کلکتہ میں پیشہ تجارت سے اپنی زندگی بسر کرتے تھے۔ ریختی گوئی کا  
شوق تھا۔ بارہ سو ایک سو پچاسی ہجری میں ذمہ تھے۔ ایک شعر مل سکا۔  
کل روپے سونا کو منگو کر دیے ٹکسال سے اشرفی خانم کو منگی بجا کے کنکدن لال سے

محمد  
حیات

# حرف قاف

قاآنی - جیب نام تھا۔ اور مدت تک یہی تخلص تھا ایران کے شاعر تھے۔ نہایت مشہور و معروف تھے بلکہ بعض لوگوں کا یہ خیال ہے اور غالباً نہایت صحیح ہے کہ دور آخر میں قاآنی سے بہتر ایران میں کوئی شاعر پیدا نہیں ہوا۔ ان کی زبان نہایت صاف تھی۔ کلام میں جوش و دلی بدرجہ اتم تھا مگر خیالات زیادہ تر سطحی تھے۔ جب ان کی شعرو شاعری کا چرچا ہوا تو حسن علی مرزا گورنر خراسان نے ان کا تخلص قاآنی قرار دیا۔ اور انھیں کے ساتھ مرزا عباس سکین کا تخلص بھی بدلوا یا اور فروغی تخلص رکھا۔ قاآنی اگرچہ مستقلاً طرافت نہ کرتے تھے مگر تقن طبع کے طور پر مختلف رنگوں میں شعر کہہ لیا کرتے ۱۲۲۲ء میں پیدا ہوئے اور ۱۲۸۷ء میں انتقال کیا ایک نظم کے چند شعرو بیتاب ہوئے جو ہٹکوں کی زبان میں کہے ہیں۔ بقیہ اشعار ان کی گلستاں سے منتخب کرتا ہوں۔

می شنیدم کہ بدیر بفتح بھی اندخن  
دل ز چہر ششنام صمصم روشن  
صصبر بختا بم در رفتا اومتن  
کلگم سوز برمے کلگمتر از زن  
کہ بفتد مغرت میبارد و دہن

پیر کے لال ہر گاہ طفل الکن  
کے زلف صمصم ششنام تا یک  
تلقیم با کیم واد ششہد تو لب  
طفل گفتا کمن را تقیاد کمن  
می خواہی مشت بہ بہ کلت بزغم

بیرگنا و دیانندہ معلوم ہوتا ہے  
 کہ گنگا دل لالہم خلاق زمین  
 مہم منہم گنگا گنگا مثل ت تو  
 گنگا دم من بچارہ ماورالکین  
 گنگا گنگا لالہم خلاق زمین  
 تو تو ہم گنگا گنگا مثل ت تو

قائم۔ میر صاحب اور میر حسن نے اپنے اپنے تذکروں میں ان کا نام محمد قائم  
 لکھا ہے مگر تذکرہ گلشن بے خارا اور تذکرہ نساخ سے معلوم ہوتا ہے کہ محمد قیام الدین  
 نام تھا۔ بہر حال چاندپور مدینہ ضلع مراد آباد کے رہنے والے تھے۔ اول میں میر درد  
 کے شاگرد رہے بعد ازاں سودا کے زمرہ تلامذہ میں داخل ہوئے۔ شاہین قادری لکھنؤ  
 اور خوشگو تھے۔ تمام اضافہ سخن پر قدرت تامہ حاصل تھی۔ مثنویاں کہنے میں بڑی مہارت  
 تھی۔ قنن طبع یا رنگ زمانہ کی ضرورت سے ظرافت میں بھی شعر کہتے تھے۔ بلکہ اس میں  
 بعض اوقات اتنے بڑھ جاتے تھے کہ فحاشی تک مازبوت پہنچتی تھی۔ ایک بڑا کلیات  
 ہے جو اضافہ سخن طرح طرح کی لطافتوں سچوں غزلوں قصیدوں رباعیوں وغیرہ  
 سے ملا مال ہے اور عقیقہ ایک طبع سے شائع ہو کر نکلا گا۔ بعض تذکرہ نویس  
 لکھتے ہیں کہ ان کا لکھا ہوا ایک تذکرہ بھی ہے۔ مگر وہ مفقود ہے۔ قائم کی عمر کا زیادہ  
 حصہ دہلی میں بسر ہوا اسوجہ سے تمام اہل تذکرہ اور استادان زبانان باوجود  
 چاندپوری ہونے کے ان کو مسلم البتوت استاد جانتے اور ان کی استادی کو مانتے  
 ہیں۔ چنانچہ میر حسن نے اپنے تذکرہ میں لکھا ہے کہ چوں از ابتدا سے جوانی در  
 شاہجہان آباد بسر بردہ بنا بر آن محاورہ اور دست گشت "سلسلہ میں انتقال  
 کیا۔ ان کا کلیات ترتیب تذکرہ کے وقت چھکونہ مل سکا اس لئے کہیں کہیں  
 سے اس رنگ کے اشعار انتخاب کر کے لکھتا ہوں۔ ورنہ ان کی کلیات میں بہت  
 کچھ موجود ہے خصوصاً گوزی نامہ عجیب چیز ہے۔

کیا پشیم ہیں دنیا کے یہاں انعم  
بقدر کریں ہجو جو دیکر زروسم  
مسجد میں خدا کو بھی نہ کیجے سجدہ  
محراب جو خم نہ ہو برے تعظیم

گندمی رنگ ہے جو دنیا میں  
میری چھاتی پہ مونگ لٹا ہے  
کبھی ٹکھا کے کمر اور کبھی دہاں ٹھکڑا  
نٹ بینگ کیا تو نے اسے میان ٹھکڑا  
تھام یہ جی میں ہے کہ تعقیت شیخ گجی  
اب کے جو میں نماز کروں دعو کروں

قسم رنجی کے انداز میں پانچ سات شعر ملتے ہیں لیکن نام وغیرہ کا کوئی پتہ  
نہیں عبور صرف شعری نقل کرتا ہوں۔ مگر شعروں میں صرف رنجی ہی کا انداز  
نہیں ہے بلکہ معلوم ہوتا ہے کہ کہنے والا اپنے تخلص کو بنا ہٹے اور اسم باسمی ہونے  
ہونے کی برابر کوشش کرتا ہے۔ انداز کلام سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ دو حاضرہ  
سے کچھ پہلے کے کہنے والے کوئی صاحب ہیں۔

چار آنے جو تجھے دو توبیاں تھکا بھی  
جا کے اٹھے میں حسینوں کے دکھا لانا  
کس کو ٹرنی کا ہے بد عادی تھی اسے  
شہر کے چکوں میں قزم کا پتہ ملتا نہیں  
کیا غمست چھا گئی ہے بیاہ پر بیاہ  
ڈھونڈھتی پھرتی ہوں کی فرمائش نہیں  
بیٹھ کر ٹوسے بہاؤ یا کہو ٹھکڑا  
مجھ کو تو بیگم کوئی آب نشا ملتا نہیں  
مرد و اپنی بھرے سامنے اسکے بیگم  
میسوں ناخون جا کر جو کھڑے کوئی  
ڈولی کے پیسے دینے پٹینگے میاں خرد  
کیا گھوڑے بوتھجے دینے نکال کے  
مردوں کے سامنے نہیں آتے ہیں بون  
اچھے ٹھکانے آپ کرو کھلا کے کیا کروں  
مفسس ہو تم میاں تو میں اچا کے کیا کروں  
دو چار آنے ہوں تو چھڑا دوں سطرچ  
قرق آنے بی گھٹ تو سمجھانے کیا کروں

دور و زحمت تو میں نہیں رہتی ہوں چیت  
بیکم تمہیں بتاؤ کہ میں ہنسا کے کیا کروں  
پیرا سے مری جوئے گھر نہ اسدہ  
طوطے چشم ہیں دوسے بچھتا کے کیا کروں

تَقْنَسُ مجھے انوس ہے کہ اس عظیم المثال بدیع الزماں شاعر کا نام نہ معلوم  
ہو سکا۔ ایک پرانی کتاب میں ایک قصیدہ اس عنوان سے لکھا ہوا نظر آیا تھا۔ "قصیدہ  
کہ در مدح معدوم الدولہ بہ صنعتی کہ بحر تخلص نفعی ہم معنی ناردو گفتہ شد و بجائزہ  
اش از بارگاہ فلک اشتباہ بخلعت و انعام سرفراز گردید" مجھے اب انوس آتا ہے  
کہ پورا قصیدہ جس میں بلا مبالغہ دوسو ڈھائی سو شعر تھے کیوں نہ نقل کر لیا۔ ممکن ہے  
کہ بعض طبائع اس کو پسند نہ کریں مگر میرے نزدیک یہ ایک کمال ہے۔ اور اس  
صنعت و التزام سے عہدہ برآئی ہر شخص کا کام نہیں ہے۔

مقل تطلان و قلام قاطر قاد	تفیل قام قلام قدوم قائل قلم
قریم قوس قرام قرع قرع قروض	مقصود قریع قریع فریشتم قالیتم
مقور قورچہ قندریج قائل قین	قروق قاروق قاطال قونی قنیم
لقوق مقفہ ماتداں موق قفاق	مقیر مقاسہ مقساق ما قلقیم
قمام قنقنہ قندشین قو قلی قیز	جقوش قفت قلا قوش قنقش قنیم

قمر۔ یا جان۔ یا ہات۔ حالات و نام معلوم نہیں ہو سکے۔ پیرغل تین ناموں  
سے ملتی ہے۔ معلوم نہیں کہ اصل مصنف کون ہیں یا قمر۔ یا جان صاحب۔  
۳۲ ہات صاحب۔ بہر حال میں اول الذکر کے نام سے لکھتا ہوں۔ بہت ممکن  
ہے کہ یہی صحیح ہو۔

ہے رام جب کا کام تھا کا فر کا مارنا  
وہ آج مارتے ہیں تبتیا الم کسم

لنڈن سے بٹھکے ہند میں جب آنے مانگتا  
ہم مانگتا سگا ولایت کا سیکرٹ  
ہم ویسی جگہ دیکھ لیا گسہ کر لیا  
کھانے کا کپڑا ڈالتا نیچے نہیں پسند  
مٹ بولو ایسا باٹ کہ ہم کالا لوگ ہے  
گنگا جلی کھراب ہے جم جم بھجول ہے  
شلب کھدا کا نام نہیں چرچ میں ہیں  
مشر فلپ جو آتا تو کھس ہوتا ہم بہت  
ہم ویسی لوگ کی طرح کھٹا نہیں بھجول  
کرتا بہت سا گسہ ہوں ہوتا ہوں پھر کرب  
جاہل پننے مانگتا پا جا رہ لوگ کو  
سر پر نہیں پٹیتا لمبا سا کپڑا ہم  
پیشا ہے دودھ یہ ماؤں کا یہ بیکوٹ  
ایک جگہ یہ قطع ہے  
ویل ہاٹ صاحب لڈیا کوب یہ گجل

ہم جو رو لوگ گاڑی میں بٹھلانے مانگتا  
اور برہ لوک دیسی چرٹ لانے مانگتا  
یو فول کہہ کے برہ کو ہم کھانے مانگتا  
کانتا پھری سے منر پو ہم کھانے مانگتا  
صاحب کا نام ہمکو بہت بھلانے مانگتا  
مٹلیر میں شام پین کو پلو انے مانگتا  
ہم گھوڑا گاڑی کرنے فٹ جانے مانگتا  
جب باپ ملنے آئے تو سر مانے مانگتا  
صندوک اب پکھانے کا بنوانے مانگتا  
جب بیسی بھائی ملے ہیں آنے مانگتا  
ہم برجس اور سوٹ کو سلوانے مانگتا  
ہم ہیٹ ایک گھاس کا بنوانے مانگتا  
ہم دودھ گھر کا کچہ کو پلو انے مانگتا  
سب لیڈی لوگ باجے یہ کانے مانگتا



# حرف کاف

کافر محمد ظاہر نام تھا اصفہان کے رہنے والے تھے۔ نہایت علم دوست اور نیک طبیعت تھے مگر ظرافت اور ہزل کا طبیعت پر اس قدر غلبہ تھا۔ کہ بعض کفر کے کلمے بھی ان کی زبان سے اسی ظرافت میں نکل جایا کرتے تھے۔ اسی وجہ سے لوگ ان کو حاجی کافر کے نام سے یاد کرتے تھے۔ مگر وہ ظرافت نوشتم نامہ سویت ہنسانی کہ غیر از سار بانس کس نہ داند میان من و تو رضی است پنهان کسے داند کہ اشتہر میجر اند

کافر ٹپکے۔ میر علی نقی نام تھا۔ قوم سے سید اور نہایت صحیح النسب تھے۔ سپاہی پیشہ۔ تھے زمرہ ملازمین میں دربار محمد شاہی میں عمر بسر کرتے تھے۔ جب شعر کہتے تو ہزل اور ظرافت کی چاشنی ضرور دیتے۔ اور جب سناتے تو کہتے کہ جناب شیخ نہیں ہے ٹپکے ہے۔ چنانچہ اسی وجہ سے ان کا تخلص ٹپکے مشہور ہو گیا تھا۔ میر صاحب کے ولی دوست تھے۔ عجیب خوش مذاق تھے پہلے جب فارسی شعر کہتے تھے تو تسکین تخلص فرماتے تھے۔ پھر اس کے چھوڑ کر حیران کرنے لگے اس کے بعد جاوید خاں خواجہ سرکی سرکار کے نامک خوار ہوئے تو کافر تخلص اختیار کیا۔ ایک روز میر صاحب کے پاس بیٹھے ہوئے تھے میر صاحب کہنے لگے کہ تم فارسی اور ہندی تو کہہ چکے اب مرا تو یہ ہے کہ عربی کہنا کرو اور کافر کو چھوڑ کر ملعون تخلص رکھو۔ یہ سن کر



بہت ہنسے ایک راہی بطور غونہ کلام درج کرتا ہوں -  
 کیا پھرتی ہے میکہ میں مٹکی مٹکی      زاہد عابد سے دوڑ پٹکی پٹکی  
 قاضی کا نہ ڈرنہ محتسب کا کافر      یہ دختر رز بھی جس سے اٹھی اٹکی

کافرک نام جلال الدین کھانا صرا الدین غزنوی کے بیٹے تھے۔ ایک زبردست  
 ظریف اور ہزل دوست تھے۔ اشعار میں بھی دی رنگ ہوتا تھا۔ ایک شخص جو نہایت  
 کجس تھا اس کی چو میں یہ شعر کہے تھے۔

پدرش گزنا نش دست برد      پسرش گزنا نش در نگر د  
 بہر د زود و سہمائے پدر      بکنند چست چشمہا سے پسر

کالے صاحب تلمذ صلیع شاہ جہاں پور کے رہنے والے تھے نظیر کمر آبادی  
 کو کلام دکھایا تھا۔ کم اوقات غریب آدمی تھے مگر طرافت کے پتیلے تھے غرضاً  
 غزلیں نظمیں بہت سی کہی تھیں مگر چونکہ زمانہ نے قدر نہ کی وہ سب ضائع ہو گئیں  
 کچھ شعر جو ایک دوست کے حافظہ میں محفوظ تھے مجھ تک بھی پہنچ گئے۔

میں کہا پاس تو آئیے تو اب ماہ جیں      تو کوں حال دل اپنے کا میں نے بھجیں  
 لیکہ دل تو نے نہ دیکھا یہ مرا حال حزنیں      ہنسکے کہنے لگی دل تو نے نہ دیکھ کے عینیں  
 میں کہا کھا تو قسم کہنے لگی چل جھوٹے

میں کہا چل مے گھر کہنے لگی کنی دور      میں کہا چار قدم کہنے لگی چل جھوٹے

میں کہا رو دیا بہت بولی کوئی شاہلا      میں کہا چشم نہ کہنے لگی چل جھوٹے

جی میں مرے بیٹھے بیٹھے آیا  
 زنا رہن کے قشقہ کھینچا  
 چل یار کے گھر کسی بہانے  
 چو کئے کسی سے سو وہ جانے  
 آواز بدل لگا لگانے  
 اشلوک کے یاد ہیں فسانے  
 یا آپ لگا مجھے بلانے  
 سچ جھوٹ اُسے لگا بتانے  
 تم جاؤ اگر اُسے منانے  
 دولت لگے اُسکے ساتھ آنے  
 معشوق تو ہوتے ہیں سیانے  
 بھیجا تجھے آج بے حیانے  
 جی مفت بچا لیا خدا نے  
 تو آج لگی تھی جان ٹھکانے  
 کیوں لہر میں آئے ہو دولے  
 یہ تیج کی باتیں من سے کالے  
 نظر انت کے ساتھ ساتھ بخش گوئی کا بھی چسکا تھا مگر وہ ایسی تھیں ہیں کہ ان کو  
 پڑھا جائے اور اس سے تغض کی بجائے تفریح ہو لہذا نظر انداز کرتا ہوں۔

کس طرح عرف محمود۔ اور وہ بیچ سابق کے ایک نامہ نگار ہیں۔ ایک غزل  
 نمونہ کلام کے لئے لکھی جاتی ہے اور نہ نام معلوم ہے نہ کسی تفصیلی حال سے  
 اطلاع ہے۔

سابقہ جگہ قسم ہے کالے استاد کی      ایک کجی سے خبر لے اس لئے لانا کی

کالی بوتس سے پرانے جبرک جام شراب  
کیوں خبرینا بخوبی ہر ٹکے صدی  
گڈیاں سچے لگی ہیں قفل سے لگے پڑا  
پانچا مہ کی وضع تہنئی ایجاد کی  
اسقدر کافی نصیحت یہ کٹر کی سُنو  
چھوڑ دینا اب دشمن اس نصیحت بنیاد کی

کٹ کٹار۔ غازی پور کے رہنے والے تھے اور ظرافت کا رنگ نہایت تیز  
کہتے تھے مگر انھوں نے کسی طرح کلام دستیاب نہ ہو سکا۔ مگر یہ شاہ نذیر صاحب  
ہاشمی نے وعدہ بھی فرمایا۔ مدتوں منتظر بھی رکھا۔ مگر وہ وعدہ وعدہ ہی رہا  
تا انیکہ آج مجھے تذکرہ میں صرف ان کے نام پر قناعت کرنا پڑی۔

کشینیز۔ بدایوں کے رہنے والے اور بیر کشنیز کے نام موسوم ہیں۔ مگر  
دراصل واقعہ یہ ہے کہ اس نام سے ایک فرضی دیوان طبع کرایا گیا ہے۔  
اس کے مصنف غالباً ایک اور صاحب ہیں جنہیں میں جانتا ہوں مگر چونکہ کسی  
مصلحت سے انھوں نے دیوان کو اپنے نام سے مدون نہیں کیا۔ اس لئے  
میں ان کو ظاہر کرنا نہیں چاہتا۔ بہر حال انتخاب دیوان یہ ہے۔

تیری قدرت ہی سے پانی بھی ہوا دو ٹپ  
پشت پر نیل کے موسیٰ نے جو ستارا مارا  
ہنہناتا ہوا بھلگے گا زبس طائر سرج  
موت کا جب ملک الموت نے کوڑا مارا  
توڑ دی پشت عذ میں نے پکر کر گردن  
کہہ کے یا قاور و قیوم جو گھونسا مارا  
بال گھائیں گے اور جائیگی طلی کشنیز  
ملک الموت نے جب چاند پہ چوتھا مارا

ہم نے محفل سے تری غیر کوٹھیلے دیکھا  
یعنی شیطان کو جس کے نکلتے دیکھا  
اب خراجا جانے کو کھل گئے کہ ایک گویہ  
جو تیرے انہیں کچھ تم نے مسلتے دیکھا

دعہ وصل بھی یار کا پورا نہوا  
روزِ گرگٹ کی طرح زندگ بٹے دیکھا

غیرت لالین رشک چراغ  
یار کیا خوش جمال ہے میرا  
میں نے بوسہ لیا تو رے کیوں  
تم بھی چو مو یہ گال ہے میرا  
ان کو میں نے چھوا تو بولا غیر  
اے میاں اے یہ مال ہے میرا  
اُن کو لڑوا دیا رقیبوں سے  
اک یہ ادنیٰ کمال ہے میرا  
سب خمیری چپائیاں میری  
پر یہ اک شیر مال ہے میرا  
دیکھ پردیں کو وہ یہ کہتے ہیں  
منہ کا تھو کا اگال ہے میرا

ایک دن کا ذکر ہے یہ ایک نکل بڑا  
اک رقیب دسہ نے مجھے آکر یہ کہا  
کون سا میں کیا ہے جرم جسکی وجہ سے  
وہ پے آزار ہے دنیا کا ہر چھوٹا بڑا  
کوئی بتلاتا ہے چمکو بڑھ مال دھن  
کوئی بتلاتا ہے غنڈا کوئی کہتا ہے نل  
کوئی بتلاتا ہے شہدا اور کوئی چرکشا  
کوئی بتلاتا ہے غنڈا کوئی کہتا ہے نل  
کسکی کیا میں نے کہا ہے کہ پو اس کے خلاف  
کسکامیں نے کیا بگاڑا ہے لیا کسکا ہے کیا  
میں یہ بولا ہیں تو سیب چھائیاں تم میں لگے  
بات اتنی ہے کہ موسو.... کسے.....

کچھ خبر بھی ہے تجھے اوست خوب  
غیر بوسے لے رہا ہے بے حساب  
یہ حرمزدگی تو اُن کی دیکھے  
خط طعرا میں لکھا خط کا جواب

کبھی نخرے کی چڑھائی ہو بھی غمزہ کی  
وصل کی رات ہی نیت ہستی کی رات  
میں بلا میں کبھی سر کی کو کبھی قد مو کی  
لیلۃ الاول نبی رو بلیات کی رات

جاکے تھکانے میں قیصر نے لکھا لئی ہے رپٹ  
اپنے چہرہ سے اٹھایا جو نئی آنے کو لگے  
جل رہے ہیں طیش عشق سے لاکھوں عاشق  
رہ الفت کی خرابی سے میں بچتا کیونکر  
کس قدر حضرت کشنیر بھی ہریشوخ مزاج

کہ تاتاری ہیں یا بہت ہے نہ کھٹ  
بھتیاں لینے لگیں سر کی ہلا میں چپٹ  
یہ گلی ہے تری ظالم کہ کوئی ہے نہ کھٹ  
کھا کے کھو کر جو نئی سنبھلا تو گیا پاؤں پر  
نام معشوق کا رکھا ہے میاں پر جا پٹ

ستیانا س ہو رقیبوں کا  
ہے وہی قفل اور وہی کنجی  
جوتے پڑتے ہیں کیوں طراق طراق  
کون کوئی موجب سبب خطا باعث

کہتے ہیں کیا یار نے دنیا سے غرا  
دینا ہر جواب لگی وریدہ دہنی کا  
جوتی ہے نہ لڑتی ہے نہ کھڑے بدینر  
بے پر کی لڑائی ہے قیصر نے غرا

کیوں چٹھے آتے ہو تم خرس بیا باں کی طرح  
آپ کا خریچ چلے غیر سے رشوت اٹھوں  
ڈورے ڈالے ہیں رقیبوں نے غمناک  
شکے اشعار وہ کشنیر کے فرماتے ہیں

بات کرنا جبکہ دور سے نساں کی طرح  
بیٹھنے دیکھ دو روزے پر درباں کی طرح  
بچ بچ درج ہیں وہ سنبھل سنبھل کی طرح  
کھیت میں نظم کے بل جوتا ہی و جوتا کی طرح

تجاو میں طبیعت رہے یہ ہو نہیں سکتا  
گھیرے ہوئے بیٹھ ہیں نکیرین لحد میں

جب ایک ہی خانہ میں تریں اور وزیر بند  
جاؤں تو کہاں جاؤں دستر بند و دستر بند

کہتے ہیں شب وصل ٹہریلی ادا ہے  
لا دو مجھے پنجاب سے ریشم کا کر بند

قیمت بتا رہے ہیں وہ بوسے کی ٹکے  
کیا کیا ہے اُن کو اپنے خرم پر گھر چڑھ  
کشتیز ہکو اپنی ٹٹیا پہ ناز ہے  
اس شہسوار کو جو ہے دیوار گھر چڑھ

پھنسنے بی طرح آکے وہ میسے گھر  
اسی دھن میں بہتے ہیں شام و سحر  
گئے میر کشتیز جب ان کے گھر  
پٹا میرے دھوکے میں کل فریب  
حسینوں کے بوسے ٹکے سیر ہیں  
مزے سے گزرتی ہے تلاش کی  
مزا تیرے بوسے میں آلو کا ہے  
طلاق انڈین لیڈیوں کو دیا

ملا ہے قسم سے خوب جوڑا بیڑ تیری مرا کہوتر  
ابھی تو نام خدا ہیں کس ابھی میں شرم و حیا کون  
یہ کسی پیاری تہہ اسکا پیارا اسکے عاشق دہشتہ  
نیا تعلق نیا ہے رشتہ بیڑ تیری مرا کہوتر  
مگر کہا تنک کر نیگے پردا بیڑ تیری مرا کہوتر  
وہ آن مجنوں یہ شان لیلی بیڑ تیری مرا کہوتر

اُسکے گانے کی سنتے ہی آواز  
کبھی ادیر ہیں ہم کبھی نیچے  
تھام کر رہ گیا میں دل اپنا  
بزم میں سب لگے بچانے ساز  
خوب ہیں دہر کے نشیب فراز  
نظر آیا جو وہ بت طناز

یعنی اندر سے نکلتا ہے  
ہم نے دل نذر کر دیا فوراً  
ہر جگہ سے کہ یہ کیا تمہارے  
اُس نے جب کاٹنے کو انگلی پیاز  
اسی بندوق ایک نامی سے  
میر کشنیز مار لائے قاز

کل جسے جو تیوسے حجامت بنائی تھی  
دو پیسوں میں بنے مری و لت بٹی ہوئی  
بچھڑا ہوا دل اسی ہاں سکون کے پاس  
کچھ اس دھن کے پاس ہے کچھ دھن کے پاس  
کشنیز اس کو پہنچے وہی پر نہ جا سکتا  
گزر بھر کی ان ہاں ہوا سنے دھن کے پاس

شہر میں کہنے لگے سب مجھے مسٹر کشنیز  
دی تھی پیسے جو کل ان میں بنے پر جوش

ان کو اگر ملال ہے میرے وصال کا  
ساتی نہیں کلا نہیں پیر منہ نہیں  
ترس رہا میری بھیاں بجانے سے کیا فرض  
ان کو شراب و صحت ملانے سے کیا فرض  
کچھ لام لام دیر سمجھتے ہو تم مجھے  
آخر مر اذاق اڑانے سے کیا فرض  
وہ چاہتے ہیں گناہ گار نظر کا پٹ  
اندھے سے کام ہے بھیں کانے سے کیا فرض

دشمن دوست میں کچھ فرق سمجھتے ہی نہیں  
بزم میں یکساں جو کشنیز کو بیٹھے تو کہا  
انکی نظروں میں تو سب ایک ہے کھانی سب لذت  
کیسے بند کی طرح بیٹھا ہوا تو حق

مڑوٹے ہاتھ دشمن نے یہاں تک  
رقیبوں نے کیا بت جھارٹا انکو  
کہ چکنے چور سردیں چڑیاں تک  
چرا کر بیچ آسے پانڈاں تک

وہ یہ کہتے ہیں تے گھر میں چلوں گے سنگ  
 اور تے گھر پہنچائی نہ چائی نہ پتنگ  
 دونوں رخساروں پر چم آئے بال  
 ہو گیا ختم آن کا حسن و جمال  
 رکاوٹ مٹا سا دوشش پر ڈنڈا  
 میر کشنیز جلد سیئے سسرال

یار کی گالیاں دورنگی ہیں  
 بعض میٹھی ہیں بعض کھٹی ہیں  
 کہیں فقروں میں آمیزائی ہیں  
 وہ بھی شیطان کی بیعتی ہیں  
 ہے بڑھاپے میں شوق جوڑ کا  
 شیخ جی کیا ہیں شیخ جلی ہیں  
 انڈا انڈا ایسی ناستری  
 جیسے ہم دودھ میں کی گھٹی ہیں

نہ مرغی ہے نہ مرغی نہ پچا ہے نہ انڈا ہے  
 تھلے پاس ہے ہی کیا قسط طحاطحی چاچا ہے

نہ لیٹر کھڑے کہے گھٹنے میرجاں  
 کہ اُدھری ہوئی ہے سیاہ قمری

ذرا میر کشنیز بگڑی سنبھالو  
 کہ اب سر پہ جوتا پڑا چاہتا ہے

وصل کی رات انھیں صبح کے سنے نیا  
 جب رات آنکھ لگی ناک میں ہی لڑی  
 وصل کی رات بھی شوخی سے نہ بانٹے  
 پیٹے پیٹے کشنیز کی پتی لڑی

جب چلے دنیا سے دامن چھوڑ کر  
 شیخ کی داڑھی اوپر کمرہ گئی  
 عشق میں صورت ترے کشنیز کی  
 گھٹنے گھٹنے مثل بندر رہ گئی



خواب مستی ہو، شیشہ نہ بھینچے  
آپ نے غیبت سے کیا تیج دیکھا  
چوما جالی ہی اگر رہتی تو چاند غم تھا  
سج اسکا ہے نہیں شمع لکھا کرنا  
جام وصال کے عوٹ لے لے اے بھلا کیا  
موت کا تھا مقدمہ گری ہوئی بھلا کر

کمترین - ان کا نام معلوم نہ ہو سکا۔ میر حسن اور میر تقی میر دونوں نے اپنے  
اپنے تذکرہ میں ان کا ذکر کیا ہے۔ مگر نام نہ انھوں نے لکھا نہ انھوں نے۔ میر حسن نے  
لکھا ہے کہ ایک شخص نوکری پیشہ نواب عماد الملک کی سرکاری میں ملازم تھا۔ اور  
اپنی استعداد کی موافق شغریہ کرتا تھا۔ میر تقی میر لکھتے ہیں کہ ہزار کی طرف لے سکے  
مزاں کا میلان بہت زیادہ تھا۔ کمترین نے ایک شہر آشوب بھی لکھا ہے  
جس کے یہ چند شعر تذکرہ میر تقی میں درج ہیں -

نہ ختم گن کر مشعلیں نے کئے تو بھی نہیں رہتی دشاخیں دینے  
بلائیں مفت نصرائی کو ماری اگاڑی اصطبل کے جا بچاڑی  
یہ مصدق نہیں ملتے اگر بھانڈو سے راؤ نہیں تو کیوں پیسے کماتے ہیں نقیص کر برائو نہیں  
دیکھو بکوان والی کی مزاخیں خصم کے روبرو دیتی ہوشیاں  
تم بادشاہ پسند ہو جم کمترین پایے کے سیر کلونگے نازک بدن پیسے

کمین - ایک بھنگا گین کا تخلص یا نام ہے جو بازار بھرتیور میں بھنگا گھنٹی  
تھی اور شرب و روز مست رہتی تھی قدرت کی نیاخی نے طبیعت موزوں عطا  
کر دی تھی جو کچھ کہتی تھی خوب کہتی تھی - ایک شعر اس کا ملتا ہے -  
سے بوا میں نہوئی حضرت شیر کے سا نہر دیدی مے شمر کو لیں کھیر کے سا

گوثر سید محمد حسین نام ہے لکھنؤ وطن ہے۔ ابتدائے عمر سے شعر و شاعری کا شوق و انگیز رہا۔ اول اول کچھ غزلیں منشی بالکرشن صاحب قمر لکھنوی تلمیذ امیر مرحوم کو دکھائیں۔ اس کے بعد راقم الحروف سے مشورہ سخن کرتے رہے اور اب تک جب کوئی غزل کہتے ہیں تو سنا دیتے ہیں۔ اداسی میں نہایت خوش طبع رنگیں مزاج تھے۔ ظرافت سے طبیعت کہ ایک خاص قسم کا لگاؤ تھا۔ اسی لئے ظرافت کے شعر بھی کہتے تھے۔ عطاری کی دوکان کرتے تھے۔ جہان شہر کے اچھے پانے نامی گرامی شعراء کا مجمع رہتا تھا۔ ہر وقت شعر گوئی اور شعر خوانی ہی کا مشغلہ تھا۔ بڑے سے بڑے اور چھوٹے سے چھوٹے مشاعروں میں شریک ہوتے تھے۔ اور خود بھی ہوا مشاعرے کیا کرتے تھے۔ اردو ادب سے خاص دلچسپی تھی۔ اگرچہ علم کی تحصیل بہت معمولی تھی مگر اساتذہ فن کی صحبت نے ضروریات شعر سے باخبر کر دیا تھا۔ ایک دیوان رنگ قدیم میں کہہ کر جمع کر لیا تھا۔ مگر افسوس کہ عین شباب کے عالم میں صیبا کا پہاڑ پھٹ پڑا۔ جس نے تمام لذتوں سے محروم کر دیا۔ کچھ امراض پیدا ہوئے۔ اس میں آشوب چشم ہو یا بینائی نے جواب دیدیا۔ اور تمام عیش و سرور پر پانی پھر گیا۔ کوئی حکیم و اکثر باقی نرا کہ علاج نہ کیا ہو۔ مگر بالاتفاق سب نے جواب دیدیا کہ مرض لاعلاج ہے اب گوشہ انزوا میں بیٹے ہوئے اللہ اللہ کرتے ہیں۔ اور زندگی گزار رہے ہیں۔ ترتیب تذکرہ کے وقت یہ شعر دیتے تھے جو درج کرتا ہوں۔

شام کو میرے پاس آئیں اور پتھر ڈی ویر غم تراشی کر کے چلے جاتے ہیں عمر قریب ۳۲-۳۳ سال ہوگی۔

متہدی فاع البائی کا کیا کہنا ہے اٹھائی بنے پھرتے ہو چھپلا سے نہ بچھیں نہ دلائے

انکھ طرح نکلے گی آخر وصل کی حسرت وہاں نازک فتن ہے اور یہاں اک انکھ

ہمارا دوسرا سہارا تو کیا چوگا جھڑو نہ ہو  
تیرے آدھے جسم میں نہ ہم بڑھ سکتے تھے

ہوس سے آج خالی کوئی بے پیر نہیں ملتا  
لوں سے ان بتوں کے یکدن لذت نہیں ملتا  
وہ کیا لڑا تو بڑھتا ہوا جب کبھی نہیں ملتا  
وہ نکھی ہوں جسے بازار میں شیر نہیں ملتا

چلاتے ہیں ستم کے تیرے پر حکمراں ہو کر  
پھر رہی ہے تری نمیشیر جفا اے قاتل  
طاؤر دل نے بہت رنگ کھائے اُنکو  
لقدول ہار دیا ہم نے جوے خانے میں  
خدائی فوجداری کہتے ہیں وہ جواں ہو کر  
اک جہاں میں ملک ملو کہ اہل ہو کر  
کبھی اُنکو کبھی مرغا کبھی شیتاں ہو کر  
پھر گئی آنکھ فصول ساز کی ٹیاں ہو کر

اللہ نے بی رحم کے ڈالاجھے بس میں  
جنت ستم کا کوٹ سے لینس لیجئے  
رہتا ہے اسکی دم میں کیا خط بٹا  
دنیا نہائی چشمہ فیض کرم میں آہ  
دم کا اٹھانے کے سپارنے کے بغیر  
چالان ہو گیا ورنہ کسی روڈ آپ کا  
اُڑتا ہے جب کہو تر پاموڑ آپ کا  
میں ہی نہیں شربت اندوڑ آپ کا

کو دُن - عبدالعلیم نام تھا سندھ میں جب ارقم الحروف گڈھے مکیس میں  
رہتا تھا تو ان سے ملاقات ہوتی تھی ایک صوفی درویش منش آدمی تھے اساتذہ  
سلف کے ہزاروں نظریات اور عاشقانہ شعر یاد رکھتے۔ شعر بنائے ہی سے اتنا  
شفقت تھا کہ میں نے جب کبھی ان کو دیکھا شعر ہی نہیں ہوسہ دیکھا۔ خود بھی شعر  
کہتے تھے مگر مزاج میں شوخی اتنی تھی کہ ہزل کا رنگ اختیار کرتا پڑتا تھا۔ کچھ  
شعر یاد ہیں درج کرتا ہوں -

جبکے ہوئے قلندر اور چاند بھائی  
جس خبر ہونے دیکھا اُسے چٹائی  
یہیلی اور شیریں دلوں میں نہیں نہیں  
فرہاد اور محبوں دلوں میں بھائی بھائی  
کل بنم میں کچھ آنے کی اس طرح دکھائی  
جب ہکو چین آیا جب تک کھیر کھائی

چھاج مانگے ہے مصوٰر بھنیں ابھی بھائی نہیں  
اس لئے تصویر جاناں ہم نے کچھ انی نہیں

سب ہجر میں مہمانے نامے ہیں عاشقوں کے  
بلی کی میاؤں میاؤں کوں کر تادوں تادوں  
گڑ میں ملا کے جھکے وہ نہر سے رہے ہیں  
لے دوستان تادوں میں کھاؤں یا نہ کھاؤں

کھونٹا۔ مجھے ان کا نام اور پتہ معلوم نہیں۔ مگر مرزا واجد حسین صاحب  
یاس نے ان کے ایک دو شعر سنائے اور بتایا کہ یہ میر کھڑکے رہنے والے تھے۔ یا  
ہیں۔ بہر حال میں نے سخت کوشش کی کہ اور کلام ملے یا نہ ملے کم سے کم ان کا پتہ ہی  
معلوم ہو جائے۔ مگر ناکام رہا۔ بلکہ معلوم ہوا تو یہ معلوم ہوا کہ یہ میر کھڑکے رہنے والے  
ہی نہ تھے۔ بہر حال یہ تخلص ہے اور یہ ان کے کلام کا نمونہ ہے۔

ہاں تجھ بن چار پائی بھی ہے چپ  
آج وہ آواز چرخ چوں نہیں  
ہم نہ کہتے تھے کہ ہرگز ان قہر نے مل  
لے مکھنے کھانے کا بھی ٹھیکہ آجاتا رہا



## حرف گان فارسی

گرم - مظفر علی خاں نام تھا رام پور کے رہنے والے تھے صاحب تذکرہ  
گفتان سخن نے ان کو ظریف لکھا ہے۔ ایک شعر بھی نظرافت کے رنگ کا ملا ہے  
تمکن ہے کہ اور کلام بھی اس رنگ کا ہو۔  
حال عاشق کبھی پرچے نہ ملائے چشم آنکھیں کیا چہرے نگینہ ہیں تزلزلے آہو چشم

گمنام - شیخ احسان علی نام تھا یا پور ضلع میرٹھ کے رہتے۔ اس شعر بھی  
مرحوم عمر بھائی ایک ممتاز عہد میں لکھا۔ یہی پرستین رہے جب پنشن لیکر آئے تو پور میں  
منشی ابن علی مرحوم کے دم سے شعر و شاعری کا چرچا پاتا تھا۔ اور انھیں کی سماعی حیل  
سے شعر و سخن کا بابا نام گرم تھا۔ مقامی شعرا کے عذوہ میرٹھ اور دوسری دوسری  
جگہوں سے بھی شعرا آتے اور یہاں کے مشاعروں میں شرکت کرتے تھے۔ شیخ صاحب  
بھی بعض بعض صحبتوں میں شریک ہوتے اور لچائی بہت نظروں سے شعروں کو دیکھتے  
تھا۔ ایک ایک دن جاڑے کی شدت سے سوج بھی افق مشرق میں کو نہ رہا تھا۔  
شیخ صاحب ایک لونی اوڑھے ہوئے منشی ابن علی مرحوم کے مکان پر پہنچے اور  
سب سے پہلے آغاز کلام اسی جہ سے کیا کہ بھی رفیق میرزا بھٹا تھا کہ شاعری بھی  
ایک دشوار اور مشکل الحصول فن ہے مگر آج تو یہ معلوم ہوا ہے کہ تو کچھ بھی نہیں  
رفیق مرحوم نے کہا کہ چچا بھلا آپ کی قابلیت کے سامنے شاعری کیا چیز ہے لکھا ہے

ہو آج کچھ نظم فرمایا۔ رشتہ مرحوم نے یہ جملہ اسویر سے کہے کہ شہر کے شعرا میں ایک  
 کہ جسے مشرقی شخصیت سال سفلی کا اور اضافہ ہوا۔ چنانچہ شیخ صاحب نے کہا کہ لو ہاتھ  
 سنگ کی آڑی کیا۔ فوراً اپنی رات کی کبھی ہوئی غزل سنا دی جس کا ایک مصرع مشرق  
 اور ایک مغرب کی خبر لا رہا تھا۔ ایک مصرع ایک نٹ کا تھا تو ایک ایک اچھ کا۔  
 سرایا نامزدوں۔ رشتہ مرحوم نے ہنسی کو ضبط کیا دل میں خوش ہوئے کہ ایک  
 سامان قند پرچ ہاتھ آیا۔ داد دی۔ اور ایسی داد دی کہ شخص صاحب بھی خوش ہو گئے  
 پھر کیا تھا دو ہفتے قصبہ بھر میں شہریت ہو گئی۔ پتا غزل سننے کے لئے چلی آ رہی تھی  
 اور شیخ صاحب کو داد اور مبارکباد دے رہی تھی۔ شیخ صاحب ہیں کہ اس افتخار  
 پر پورے نہیں رہتے۔ سلام کے لئے ہاتھ تک نہیں اٹھاتے۔ کہتے ہیں تو یہی  
 کہتے ہیں کہ ہم تو بچے تھے شاعری بڑی مشکل چیز ہے۔ مگر دل دل والا۔ والہ  
 کچھ بھی نہیں آخر کار فکر ہوئی کہ آپ کا تخلص کیا رکھا جائے عجیب و غریب  
 شاعر کے لئے انوکھے انوکھے تخلص بھی تجویز کئے گئے۔ مگر خیرایاں بھی نکلتی ہیں  
 اور بہتر ہوتا رہے۔ لفظ (گنام) کی قسمت میں یہ شرف لکھا ہوا تھا کہ اس  
 بہترین سال کہ مشق کا تخلص قرار پائے۔ اب کیا تھا غزل پر کہ ناتواں ہوا گیا  
 اور یہی بھی۔ اردو گیت ہی آدھ کی صدیقی اکل صادق آگئی۔ احباب کے  
 حیرت میں تو نہ رہی کہ دھچکا کا کلام فطرت نے ہونے پائے چنانچہ کلام کے جمع  
 کر کے کوئی تاکیہ کہید تھی میں آئی۔ گنام صاحب جو (دھچکا) کے بزرگ خطابت  
 شہر کے خطابت سے بڑے بڑے مشاعروں میں شریک ہوتے رہے۔  
 راقم الحروف ہم جب بالیڑ جاتا اور پانچویں سے ملاقات ہوجاتی تو اس روز  
 پروردگار کا نام سننا آتا۔ یا بزرگ عظیم الشان مشاعرے کا زمانہ آیا اور چچا صاحب  
 نے بھی تیاریاں لیں چنانچہ عین مشاعرے میں انجان شاعر آپ کی شاندار فریاد اُٹھی

کو دیکھ کر خدا جانے اپنے دلی میں کیا کیا کر رہے تھے کہ آپ نے ساری طبعی شروعات کی  
ایک مشاعرے کی رنگت ہی بدل گئی۔ مہذب لوگوں نے کسی نہ کسی طرح فتنے کو روکا  
اور ہم تن داودینے میں مشغول ہو گئے۔ سارے جن سے ہنسی ضبط نہ ہونی انہوں نے  
ظرفیافتہ داد دینے میں دل کی بھڑاس نکالی۔ چونکہ لوگ اکثر خاموش تھے فیہ اسباب  
کا نگار۔ آپ ہاتھ میں رد مال لئے دولوں ہاتھوں سے دور وہ سلام پیشے ہوئے  
چلے جا رہے تھے چار پانچ سال کا عرصہ ہوا کہ انتقال کیا اور صبح گناہ ہو گیا  
آپ کے کلام کا نظریات یہی ہے کہ اس کے شعروں کو دیکھئے اور اس کی  
نامہوار سے لے کر اٹھائے اور برابر والی اکابر کی کیفیت خلقت پر غور کیجئے  
مذہب کلام میں وہ غزل لکھی جاتی ہے جو باپوڑ کے سنہ ۱۵۱۴ء کے عظیم انسان  
مشاعرے میں پڑھی گئی تھی۔

اے ریب آج خلافت تمھارے ذمے سر پر عرش بھل گیا  
اسم اعظم بار خدایہ و محن شرک و بدعت کا قائل ہو گیا  
ازل سے دل بہار رخ ازل پر مفتون و مائل ہو گیا  
اس مضنہ گوشت کو کب کب پر رتبہ فوق الفوق حاصل ہو گیا  
صفیہ مرومک چشم مضمون رخسار کی منزل ہو گیا  
داغ جبین ساقی جاننا زلال کا اکیلی مکمل ہو گیا  
ہم نے نقد جان و مال وقف منتظر کر دیا افا اس کامل ہو گیا

الطاف دیکر مہر سے مرید الفقیر فخری کا خوب حاصل ہو گیا  
ہماری تپ غارت کے معالج کو نہ تھک مل ہو گیا  
شیر ذریعہ جہاں پر تپوں سے دہم میں مل ہو گیا  
اسے رحمت عالم اتور کے ذات رتبہ غل ہو گیا  
مستند سے ہمارا مل بیکر خلقت مستند ہو گیا  
یہ فخر ازل سے گناہ باز خیال کو جس پر ہو گیا  
حاصل ہو لیا قناعت کی دیر چرخ کو غیر ممکن ہو گیا

# حرف لام

لا ا علم۔ اس گوشہ گنہامی میں رہنے کے باوجود بھی آپ اتنے مشہور و معروف ہیں کہ ہر شخص آپ کو جانتا پہچانتا ہے اور دل سے آپ کے کمالات کا معترف ہے آپ کے چند شعروں کو کرتا ہوں۔ سب سے پہلے ایک داکھوسٹ (داسوخت) سنئے جو چارپہ کے گنوار اور دیہاتیوں کی زباں میں کسی نے کہا ہے اور اس عذگی سے کہا ہے کہ جواب نہیں دے سکتوں کہ باوجود تلاش بھی یہ پتہ نہ چل سکا کہ اس کے لکھنے والے کون صاحب ہیں۔

کا کئی کبھو لاکے کا رکمت چیت رہے گاؤں میں جائے کے کنکوت کھیت رہے  
آپ پتہ ہم اسارین کا سارا دیت ہے اپنے مہرتوں سے بھر بھٹ بھی لیت ہے  
کا ہے جرجاے کرینج اب نہ تما کو ہوئے کے

یہ ہمہ کی جھونچہ ماں ہم بیٹھے ہیں الو ہستے کے  
جو کہی تم تے وہی ست گجودھر جانیو ہم کا منی نہ کھیہ منی کا مانجھ جانیو  
تم کا نائب کیا آپن تم اپن گھر جانیو اس کیو کا م نہ اب آپ کا ذکر جانیو  
کمرچ کی اور سے تنگی نہ دیو تم اچھا  
تم کا سویت ہے رکھو چین سے کھو کر کچا

جیو تو یہاں ہے بہت کا کھی اب اپنی کھتا پیست تو ہوت ہماروگ ہے بس منی کا  
کھیہ چر پرواں جہد دن تے شا صاحب کا کھوب بالین ماں لاتیوں کا چلو من اپنا



دہرے موڑے پہ چمکند، رہشمر یا کمن  
 جیسے تنجات ہے پھن کاڑھ کے کرانکمن  
 کالھ دوئی کوں پہ ان کا جو سناں کے کام  
 چڑھ کے گھوڑے پر تھکے ٹھکے تو امن بول کام  
 جیواں آو کہ کرن جائے صاحبک سلام  
 گھوڑے کس پنگ بھرے کا کھی تم تے کا نام  
 پاؤں دھو دین رکابن میں جو تھیلا لے  
 ہم چلے جات رہے راہ میں تھیلا لے  
 ایک بگیا مال پڑی پال رہی کس بورت  
 بیٹھی اماں ہی اک کا منی سزور مرت  
 ناباب کا کھی نہیں اہم ہے اس بھل صورت  
 ہم جو دیکھا تو رہی دور تے ہم کا گھورت  
 دہرے کس منج دہس ہمارا کر بجن جیسے  
 میکوا کا ہے یہی ہے ناکت بن جیسے  
 پھر کہاں تاب ہی گھوڑے کو دن بھمت  
 من ماں یہ سوج بھوایسے من پر جمت  
 ہاے دیدی کہا اور بھو میں ماں گر کر بدو ہم سے  
 ہونے گئیں گت گج بولو گویا جو گم سے  
 میکوا حال یہ دیکھیں تو بہت گنہراوا  
 بولا دوڑے کوئی ٹھاکر کو ہے درجھاوا  
 ہماری چپاتی مال لگی سانس ملے جب گھڑ  
 دوڑے گجراج مہا پال بھون بلجھدر  
 گھوڑے منجس کو تو اور کو تو سنگھاوا انتر  
 اور کو تو یہ کس چیت مال آو ٹھاکر  
 ہم مداکو جتن سے نہ جگائے جاگن  
 گر بڑا وا جو بہت پیٹ تلاء بھانگن  
 ہم تلاء جو گت جاب تو دھچکل نہ کھاو  
 میکوا تے یہ کہیں کھانے باری ات آو  
 پال تے کینج کے پلکا تنی باہر تو بچھاو  
 دہرے ٹھاکر کا تو ہم دھچکتن سے بچھاو  
 یہی پلکا جب ایسے تو بٹھائے یا کھا

اُن کے چینن کا محاکوب چکھے با اُن کا

ہم تلاء سے پھرن بگ ماں پلکا پاوا تب توادی چھیل چھیلی کا تنک بدواوا  
پاس بیٹھال کے اور نے یہ ہم کھلاوا تم تو گیا ماں ہوا کھوب کرت ہو کھاوا  
ہم کھانے کمن آنکھ سے لگی نہ کرو  
میکو اکا ہے کمن ہنسکے د لگی نہ کرو

دوس تو بیت گواہ کا ہرین باتن بات جب گئے سورج اٹھے اور تنک آئی رات  
ہم کھا گن تے کو بہت ہن اب گھر کا بات بولی رہ چلتے کی کچھ بہت نہیں ہے بیکات  
اس نہ تم نہ کی نہک کو دکا جیو جا کے جاوا  
جی کے اب کا کرے جات ہو تو مار کے جاوا

اُن کی آنکھ سے لگے آس بے جب جھجھر پھر تو تھکے نہ تھا جیو کا سوسا ہوسو  
ہم کھا رو نہ جیو اپنا بہت ہے پھر پھر ہاتھ بھاتی پر رکھو آپ نہت کست بھر پھر  
ہو سکت اب تو ہے اجیسے جاوے کیسے  
بن کے قمرے بھاگ گڑا تھا وہ کیسے

پھر تو بس ریچ گشتن پیچہ ماں مکا مارن اُن کو کھانکس پالی ماں دنیا مارن  
ماگ کے جسے اگلو چھ کا بچھو ناچارن اور اسو سن کی ماکا ہائے ہم پروارن  
ہم کھا اُن تے کھو کام نہ ایسا دیکھو  
کھرچ آپن نہ کھو ساتھ ہے سیدھا دیکھو

بڑے تر روج ہیال کاپے کا آکر ہو اور پھر روج نہ تم آئے کے کھاوا کر ہو  
ہو جانا نہ ہی کھو منہ نہ کھاوا کر ہو بیٹھو بس تم ہی کو اس چاوا کر ہو  
میکو اپڑ تلے جاتے کے چوکا دیر  
دید کی کھٹیا ترے چیرا میں نوا کا وید

میکو! پھر کے منہ میری ترچہ کیجئے ناگ  
چولہ آپنی تو لاگتا کے اور لاس کے آگ

ہم چاہتے ہیں کہ ان کی تکلیف دہ ہو  
ان کی دیدہ گے زور دیدی کوئی حسیں نہیں

سناجھ تو مجھے کبھی اچانک کے کر میں اُستان  
آج کر میں اور تو پڑی کی کھٹ میں کھڑاں

ہم اور نوجوانی ماضی بھیک سے کم ہوئے جیسے  
پن پیاؤ کے لئے اتنی رقم ہو، جیسے

اور کتاگوں میں تم جلے کے سینکو بھوننا  
آپ کو سیاں گینے جلے کے نزاوا دھونا

بستر پر چھوٹے کھوپنگاؤں میں  
 ہم اداویہ دو لڑکے بیٹھ گئے

میکہ اتنے میں جو کما سے کس ہے بیکار  
تسے بھوجن کروٹھا کرہے رسو میں تیار

ایک گھنٹے میں تو سر میٹ گئی سب سے

پھر تیرے کاتے بھین جھاڑ کے چوترا باہر  
 بیٹا پھر پھر کے باخشن کا ڈوکارن ارار  
 پالیاں جا کے اڑا این توار ٹیڑھی  
 گورہ بھینا کے پھر ٹیڑھی رہن پلکار

اوی کہو آئے کے لیٹا جو بنے سے رہی  
ٹریلو ٹھوڑا کر دہم بھی تنی سوی رہی

ٹھوڑا ہنس تو گرس لاکے پھر سے رہیں پھر تو اس سوئین کے دو بیٹوں نے جگہ سے جاگن



ایک گھنٹہ تک نہ سوئی تھی کہ  
 لے مئے میاں و صفت ہی ہوئی ٹھکرا  
 مجھے دیکھو کہ میں بھی آدمی ہوں  
 سمجھا کہ سر پر رکھ سکے دیا جا کہ پھیل  
 چاندنی رات صنم چاند نہ لانا نکلا  
 شنیدم شیخ حبی در ضعف پیری  
 سدائے گوز آمد چوں نفیری  
 کہ از بوسے دلا و نیز تو مستم

تری الفت میں تو ہم نے لٹایا خاندان اپنا  
 دختر و در زن کا سینا کھل کر  
 اب اسے در لٹا جا سے جا کہ تیار کر  
 و معون کی چھو کر ہے کہ شیخ حبی نہ لٹا  
 لڑکی کہہ کر کی نے شک کے چشم وارڈ  
 گر زن کی چھو کر ہی میں نہ کماند کبری  
 جب سے دیکھا و خضر تیلن کا دل  
 تات تم تو سنگدل ہو صبر کیسے لے  
 دونوں رخصا عنایت کر لیا ایک ایک  
 سو لیتے گریہ ہے ہیں توں لے دیتے  
 دھمکے کے بوسہ لیے رخ رشک لکھا  
 بھکھڑ ٹالنے سے بگاڑ دیلے در بال سے  
 خال کہ جو کہ بوسہ گل عارض کھلایا  
 تری الفت سے باز لے اٹھا لے پاندل اپنا  
 جی میں آتا ہے کہ ملل دیکھے  
 کام ہے بھکھڑ شتابی آذائے ننگ  
 جسکے کہ کی ہر کہ نہ ٹپے نہ دیا ہمارا  
 دل چاک کر دیا ہر پتھر ہوا لٹا لٹا  
 کمری کیا محبت یہ کس نے بھیر ماری  
 تل پہ تل خواب جسکے پینا ہوا  
 سچ چاہ میں تمہاری ڈوڈو پرست دل  
 اب کس واسطے کہ کور سے نہ جٹے  
 تسبیح میں ضرور میں نے شمار کے  
 چندہ وصول ہوتا ہوا حیا سے  
 یہ کیوں آتا ہے کہ کد کیا یہ انور حسی  
 یہ جوش سے جو چل جائے نہ ان بکھرا

جو پہنچے ہوتے پستان یا لیسے ہیں  
 جب سے کہ انکی جالی کی محرم بند ہے  
 بند محرم کے کھلے ہیں اس بت مغرو کے  
 قدرت خدا کی دیکھے پستان یاریں  
 چھو اسینہ تو بوسے مسکرا کر  
 جو بن ترانہ رہے انگلیاں اسطرح  
 رخ اوز پہ اُن کے ہے عیاں خال  
 نہ گھبراؤ اُجی مرغ سحر سے  
 نہ کیوں ہو کم سنوں کی شہزادہ جبرائیل  
 ہے شب وصل بولوا آہستہ  
 بہتے بند پانی ہے ہمے شہزادان  
 یاد آتی ہے جو صورت کسی متوالی کی  
 تم کو لازم ہے پکڑو اب میرا  
 خوب کر دیا اب تو مت کروا  
 حکم ہووے تو آج ماروں میں  
 ہے یہی آرزو کہ ہم بھی لگیں  
 خوب یکڑا حضور نے سر نہ ہم  
 کیوں نہ جھلکے ہو جب میں اتلا ہوا  
 جی میں آہا ہے کہ رکھوں آپ کے

دو دو دھیر پر کی لاری آ رہے ہیں  
 سونے کی چڑیا چاندی کے خربے ہیں ہوتا  
 ارگئی سونے کی چڑیا رکھ کا ٹکڑے کے  
 یہ یوں دفالے کا لکھا ہے انار میں  
 کہ پانچوں انگلیاں ہیں اب تو گھی میں  
 جس طرح اپنی جو کچھ کے اندر بیات ہے  
 یہ بیڈھن دو دھیر گھی پڑی ہے  
 چراغوں میں ابھی بتی پڑی ہے  
 مزادیتا ہے جب پانی تنکے کھجکے میں  
 چار پائی بھی کان رکھتی ہے  
 دو چار سو برس تو اگھی سحر نہ ہو  
 گو سماں ہزار کھینچتا ہر شے کالی کی  
 ہاتھ میں ہاتھ با محبت پیار  
 جھک کر سواہ کو چہ و بازار  
 کھینچ کر پیٹ میں غدو کے کنار  
 تیرے قدموں سے مثل رنگ حنا  
 غیر کا ہاتھ مجھ سے سمجھا کر  
 ہاتھ گردن میں پیار سے آ کر  
 عطر کا بھیا ہانکا کر کان میں

ہونی خالی نہ جانے پائے بھائی  
 مسخ کا ہے یہ حال حم رہی ہے کافی

ساتھی کیا کر رہے ہیں سب رند  
نہ اسنے یہ دیکھتے ہیں پلو پلو

بڑی بھنسا ہوئی کی جو بھیا ہر سُن پان  
بڑی خاطر سے دست ہمارا کپڑے لینگے بھیت پر  
گلور میں دال چاڑھ کا کہیں بھگوا سے لے آو  
کچوری پوری - بڑی اڑوٹو دینے کی تھکے  
گزک چٹنی اچارادک بھی رکھیں بھو جی پتا پر  
غرض ہم کہہ سکتا نہیں بڑی خاطر بھی ہماری  
برل لنگادو پٹہ بھو جی گاؤں باری بلوان  
عبیر اور بکاسب کھارہا بھو بھر کے تھریاں  
منگائس دارد مو اکی بستہ نڈر سڑک بول  
بلوا بھیج کے تو اس کے ہاتھیں ہرکا بلوان  
بھو ناوہ رسو کیاں والے کے کمر میں کھلون  
دساوری پان بھو منگوار کے بھو جی سے کھلون  
وہ بھو جی لوک ناخن سے دس بھو اسے منگوان  
پڑکیا اور پٹریا گھڑیں اپنے خوب کدوان  
ہمیں تو پٹ بھر کے خوب چھا کھا نا کھوان  
جائے قرب مال بھٹلا کے کھا نا خوبان  
ملن بھی تھے گھوا مال اور اہم خوب بلوان  
ٹپے ہی شوق سے بھر بھر کے کلہر دین بلوان

دہت تے عشق کے آزار کی ایسی تھی  
جو کہ غم و نہ کے اسکی عبت کیسی  
گھورنے کے لئے اچھے میں کھانے کو غلیل  
سو کھی روٹی پہ تناسل سے مجھے ایسی  
بات کہتے ہی وہ چندیا چپت دیتا ہر  
کون جھنجھٹ میں بھننے یار کی ایسی تھی  
ایسے بیہودہ دل دار کی ایسی تھی  
یار کی نرگس بیمار کی ایسی تھی  
تم فیل میں ہو تو زردار کی ایسی تھی  
ایسے معشوق بد اطوار کی ایسی تھی

ہوا اتنا میں لہر لٹ لٹے مجھ کو آئی  
لاغر ہوں میں تاکہ کھلیاں جو چوٹی  
آٹھانے کو جو لوگ آئے ملا مرہ نہ سہتر  
انکے نہ گلے میں یہ جن زار بھی میرا

جب میں کہتا ہوں کہ گیم کی کٹیر  
 غریبوں پرست ظلم کر اسے ڈیر  
 ہنسکے فرماتا ہے یو می ٹیک ہیر  
 میں قربان جاؤں اگر کم ہیر  
 بتائیں تمہیں لالہ صابا کہاں ہیں  
 ایک ونیم میں بیٹھے پیوت ہیں غنی  
 خوں کے سبب بنطاؤں سنی شد  
 کہ انہیں میں ہوت ہیں پانی کے ریل  
 روتوں میں کپت ہیں کھانے بلیق  
 بکریں کے قلیا پھر بن کے شروا  
 لسن کے ذرا بخت عالین کو دیکھو  
 خسر فوت شد اور حسر یا بھایا

لا آباالی مرزا آباالی کے تخلص سے اور وہ پنج سابق میں واقعات حاضرہ ظریفاً  
 شعر لکھتے تھے نہایت مشاق و مہلوم ہوتے ہیں ہر رنگ کے شعر آپ کے یہاں ملتے ہیں۔  
 چنانچہ سنہ ۱۲۹۰ء کے ستمبر میں بارش زیادہ ہوئی اور ایک طوفانی سی صورت پیدا ہو گئی  
 تو آپ نے ایک بڑا مسدس لکھنا جس کے چند بند لکھتا ہوں۔

دریا اکھی ابر سے کین کر کھیل پڑا  
 کیوں ابر بھی نہ اسکی برابر کھیل پڑا  
 بجلی گری ہے یا کوئی بھڑیل پڑا  
 اس شوخ سیمہ کا جو بھڑیل پڑا  
 سنہ چار کی کر سے ستمبر کھیل پڑا

سر کو نہ دیکھتے تو گدھا کہیں پھنسا  
 چنگھاڑتا ہے اونٹ کہیں پر پڑ پڑا  
 گھوڑے کا دم ہے ناک تیرتا نہیں  
 ہاتھی بھی نیل خانے کے اندر ہی کربا  
 چوہ بھی اپنے بل سے نکل کر کھیل پڑا

گر چھپکلی کو اڑ سے نکلی کھیل پڑی  
 بلی کہیں جڑاڑ سے نکلی کھیل پڑی  
 ہرنی نہیں پہاڑ سے نکلی کھیل پڑی  
 چوٹی بھی جب در اڑ سے نکلی کھیل پڑی  
 لنگر گر پڑا کہیں نہ در کھیل پڑا

سب سن سنا کے کچ میں غار ایک  
 مٹی زمین پہ آ رہی ٹڈا کھیل پڑا



یہی تو ہے یہی ہے یہی ہے یہی ہے یہی ہے یہی ہے یہی ہے یہی ہے یہی ہے یہی ہے  
 جہتیری پہ بیٹھے بیٹھے کوڑھیل پڑا  
 تیزی میں ڈاکیہ کوئی چٹ پٹ سے کہا صاحب بھی آتے جاتے میں کھٹ پٹ سے کہا  
 الجھا جولا باپان میں اوچھٹا آ رہا کوئی توجہ نہ کر کوئی گروٹ سے کہا  
 بابو کہیں ڈھلک پڑا ستر بھیل پڑا  
 کل ہم شریک ہونے گئے اک برات میں پھسلن مذاق کرنے لگی بات بات میں  
 سہ ہن لڑاکا پٹری سہ ہن کسان میں سامے سلج کی گھوس گئی لایہ لایہ میں  
 دولہا دو وطن کو لیکے سراسر بھیل پڑا  
 پلٹن پھر ایک باجہ بجانے میں آہی بھاٹوں کی صف بھی اترن ٹانے میں آہی  
 یہاں ڈومنی جو راگ ٹانے میں آہی کبھی وہاں وہ بھاؤ تانے میں آہی  
 باہر کوئی گرا کوئی اندر بھیل پڑا  
 کل شب جو نیم عیش میں وہ شرب تھا ساقی تھا ماہتاب جہجہ آنتاب تھا  
 بدستوں میں خوش شوق شباب تھا پار تخی حیا خیال حجاب تھا  
 اسپر گرا جو غیروہ مجھ پر بھیل پڑا  
 پہلے تو بڑے کے ساقی پرنے ٹانگ لیا بڑا بڑا کے تو بڑے نے ٹانگ لیا  
 کیا رند میگا ر کی چھٹے نے ٹانگ لیا پھر ہوش اور حواس کو آن لے لیا  
 کل شیخ سیکے میں کوڑھیل پڑا  
 شہزاد کے متعلق اک بڑی نظم ہے اس کے بعض بند سنئے۔  
 کیا شور ہے جہان پر کیسے اچھو ہے چل چل کر رندوں کیسے کیسے ہے  
 غلو پڑا تھا کاندھا یا اھوم ہے جاری ہر اک سمت افسے سو ہے  
 اس کھل جلی میں چھتے ہو اٹھنا ہر گھڑی

آئی شب برات ہو ساس سے ٹری  
پھرتے ہیں لڑکے آج چھند بنے ہیں کرتب عجب کھاتے ہیں بڑا بنے ہیں  
غمرے لگا رہے ہیں قلند بنے تھے دیبا میں لگ کے ہیں ہمد بنے ہیں  
چڑھکر سناتی باد ہوائی ہے یہ ٹری

آئی شب برات ہو ساس سے ٹری  
شوخی ہے چھوڑ دے اس کا راج ہے دور دل پہ لگی ہے حاوی کا راج ہے  
پاتا نہیں مزاج حال کا راج ہے آفت کا راج ہے یہ لیاقت کا راج ہے  
غوغا یہ کر رہی ہے چھو ندر پڑی پڑی

آئی شب برات ہو ساس سے ٹری  
”مذہب کا سفر در وطن“ ایک نظم ہے جو نہایت ہی خوب لکھی ہے۔  
شور و غوغا کیا ہے یہ نہ ہو گیا مذہب گیا کیوں گیا کیونکر گس جا گیا اور کب گیا  
گر گیا لندن کو تو دو معدن تہذیب ہے سمجھو یوں ترح شریعت میں یں کا کو کب گیا  
جالیہ جدے کو مرکب ہیں ہزاروں کالاج ساغرے نقد کو شریلیاں ہیں نقد حور  
ہم نہیں ہندو کہ جائے کھانے پینے سے حرم کھل گئی جنت کی کھڑکی بسے کر لب گیا  
کیک کا ٹکڑا کوئی اترا کر پیٹیں جانے دو گر چھوٹے دین سریا وہا گیا  
کوکا پتلوں سے لفافہ شریوشی مدعا ہے یہ ارشاد و زبان اعلیٰ گیا اعذب گیا  
آئی اگر تہذیب ہم میں کچھ خوش آمد ہوئی یہ کہا کس نے لفافہ سے بدل طلب گیا  
بڑھ گیا ہے جوش قوی ہے ترقی کی لہر گر قصص جل دیا اولیٰ گیا انب گیا  
گرچہ ہاتھوں نہیں وہ لمبی لمبی تہیاں یہ بھلی چھا جوش بر کو جوش مذہب گیا  
داڑھیاں مثلاً میرا سیں بھی ہے اکلند دل سے بھی گرچہ خیال فرض واجب گیا  
شاہدوں کے قہر سے اندیشہ مقرب گیا

بہتر ہے کہ ہزار ہا سال پہلے سے یہ سید  
نہیں کہ ہزار ہا سال پہلے سے یہ سید

اب کہتے تو کیا نہیں یہ باسی سید  
کیوں شیخ مثل بچان نہ نہیں صاحب  
کیا خوش ہو کوئی شریف ہنر مہتر  
مہتر نہ بنے گا ان سے بہتر کوئی  
موجود ہیں نہ نئی نواسی سید  
حجام ہوں میر اور مراسی سید  
پھرتے ہوں جہاں میں جہاں ہنر سید  
صاحب ہیں چار اور مہتر سید

کہتے ہیں کہ کالے ہیں بڑے ہی بے شرم  
ہوتے ہیں بڑوں کے بھی مقابل چھوٹے  
رشیا پر سہنے آنے میں اسکو کیا لاج  
کٹ جائیگی ناک کیا جو ہوگی بھی شکست  
جایان کی روس سے یہی ہے تشبیہ  
گزناک بھی ہوتی تو قیامت ہوتی  
یہ بات تو سچی ہے عجب ناک بھی ہے  
اس میں تو حیا کھلی ہے اور باک بھی ہے  
جاپان کو جو شرم ہو کہیں خاک بھی ہے  
منہ پر تو ذرا دیکھئے کوئی ناک بھی ہے  
نزد کے پیشہ کا قدم ناک میں ہے  
منہ پر جو نہیں ناک تو دم ناک میں ہے

لافر۔ اودھ پنج ساہن کے ایک بے مثل ظرافت نگار ہیں حالات باوجود  
تلاش دستیاب نہیں ہوئے۔

ایک چڑیا دیہیوں اڑے پھرتے  
سانپے تار و بود شوخی کو  
وہ خطا ہیں تو کیوں ساؤں میں  
بلبلیں یاغ میں چمک اٹھیں  
بال عیار کٹ گئے دھڑ سے  
ہل گئی کے خوشا تر سے  
میری جوت سے جوتی کے کھڑے  
سیرے نالوں کے نشیں سر سے  
مگ آکے دیتے ہیں بڑے  
مر گیا ہاسے رسے دل بسلی

نہم زندان میں حضور خدا عظم  
 لاکھ چٹی پڑھائے غیر انھیں  
 کیا ہی بیٹھے ہیں دیکھتے رست  
 ہم لگا لائیں گے کسی گرت  
 واہ رے ہم کہ عیس بارش میں  
 وہ چلے آئیں پائے گھر رست

ایک تو ہم مزاج کے گھر سے  
 ایسا سمجھیں کہ تم بھی یاد کرو  
 اُسے غصہ مرے پہ سوڈر سے  
 روزیت تو ہو بہت غرتے  
 واہ شاہ باش مر جا پتر سے  
 شاعری میں بھی دگ گھڑتے  
 کیا انوکھی غزل لکھی لاغر

سمجھ میں نہ آے کسی بیل کی  
 مری شاعری کی بڑی دھوم ہے  
 سنا تا ہوں وہ نظم میں ذیل کی  
 نہ سمجھے جو کوئی نرا بوم ہے  
 پڑا ہے جہاں میں مرا غفلہ  
 ہمارے جہاں ہم چون دیکھے  
 سنا تا الف را پو شہر و کشم  
 بکیرم جو در جنگ یک گرز داؤ  
 بگلزار معنی چون بلبلیم  
 مرے بلبلانے میں یہ بات ہے  
 سنا تا ہوں وہ نظم میں ذیل کی  
 نہ سمجھے جو کوئی نرا بوم ہے  
 نہ مانے جو آلو کی دم فاختہ  
 بفہم اشتہار و بد انش خیرے  
 تھلا را بہ و وزم مٹر بر کشم  
 گریزاں شود مولوی کھانڈے آلو  
 چرا پس نہ صد بلبل بلبلیم  
 کہیں بات ہے اور کہیں بات ہے

نہ چھوڑا کھانسنے میں شیخ جی نے قند آب کا  
 کر خاصی ہے فٹ بھر کی تو سنہ بھی ہو ڈھانچا  
 یہ حال لب بھی پارہ لے رہا سوس ہیں گایا  
 مگر ناز شاعر دل کی تو تھامسوس ہیں گویا  
 اطبا اشتہاری ست جالینوس ہیں گویا  
 دوائیں ان کی یہ اعجاز میں اکسیر ہیں بالکل

یہ لایا دس بیخراہی گئے وہ حضرت لافری  
 کھڑے دو نور حضرت کے رقی ہوس میں

پہل لگے قامت دل میں قرقہ قرقہ  
 بلبلیں کرتی ہیں کیا باغ میں چرچہ  
 کلیاں کھلتی ہیں تیسے ہاتھ کھل کھل  
 ہلے وہ شوخ حسینوں کی ضرارت یا ہم  
 بھول کر بھی جو دل زار فراموش دیتا  
 شوقِ مینوشی میں ساندو کی وہ ہا ہا ہا  
 قفقہ ساتھی و ساغر سے صراحی کے کہیں  
 قمریاں ٹھونڈھتی ہیں سرور کو کو کو نہ  
 فرط اندوہ میں بیتاب پڑی لڑتی ہے  
 لپٹتے پنج یہ مضحک ہیں اکلی تو بہ  
 گدگدا دیتا ہے وہ رہ کے میسر تار  
 کھیلتی کسی مگر شوخ لبوں پر ہے ہنسی

# حرف تسم

ماجد۔ ان کی ایک غزل نظر پڑی جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ کوئی بخش گو  
ہیں۔ اسی غزل میں سے میں سے صادق صاف اشعار نقل کرتا ہوں۔ جو الفاظ  
غیر مہذب ہیں اور ان پر نقطہ دید سے مایوس گئے۔

لطف دیتا ہے مرا اصل پشیمان ہونا	اور اس شوخ کا روئے کچھ پشیمان ہونا
لطف تجھے ہے کہ ہوں دونوں ہم وصل کی	چاہے تم کوئے ساتھ مری جاں ہونا
صاف بتلاتا ہوں کہس بھی ہر ناں کچھ ہونا	آہا... کی درازی سے پشیمان ہونا
خون ہے ان کو کہ ڈاکہ نہ پڑے صبر میں	چاہئے... کے پھانک لگ گیاں ہونا
وصل کہتے ہیں کہ سن لو اسے غم کے ساتھ	کسی... کا کسی... میں مہماں ہونا
غیر غنیمت سے شب وصل کا طر کیا تھا	ایسے موقع پر ضرور ہی اسٹے غل ہونا
کہہ سکتا ہوں غزل ایسی کوئی رہا نہیں طواری	ورنہ ممکن نہیں بلکہ سا سخر داں ہونا

مبین۔ حافظہ طب الدین دہلوی کے صاحبزادہ تھے جن کی شوخی کلام بعض  
اوقات میں ان کے کلام کو جو مخالفت میں لے آتی تھی۔ نہایت نیک نفس خوش مزاج  
آدمی تھے تذکرہ گلستان جن جن کی ترتیب کے وقت زندہ اور بخیریت تھے۔ مگر وہ کلام بہت  
کم ہے زیادہ کلام اس رنگ کا دستیاب نہیں ہوا۔

تزع کے وقت چہرہ جھٹکا لایا کلام الموت کو بھی غش میں شامل آیا

ہے شیشہ دل کیے ہر بند قلع کش کا میخانہ میں ماتم ہے ماہ رمضان آیا

مجرد - منجرباد نام تھا۔ وہی کارہنے والا نہایت خوش فکر خوش مزاج تھا فکر  
مضمون عالی تھی فکر کچھ طبیعت کا اقتضا اور کچھ لوگوں کا تقاضہ دونوں مل کر ہرزل  
کینے پر مجبور کرتے تھے عموماً مقطع ظرافت کے رنگ میں ہوتے تھے۔ اور کبھی  
کبھی پوری غزل اسی رنگ میں کہہ جاتا تھا۔ اور سپر طرہ یہ کہ شاعرہ میں پڑھتے  
ہوئے کبھی نہ جھجکتا تھا۔ خود کو ذرا بھی مہنسی نہ آتی اور وہ کو ہنساتے ہنساتے لڑ  
دیتا تھا نمونہ ایک مقطع ملاحظہ ہو۔

اس چاند میں فلک کے مجرد سے گھر چٹا اس ماہ سے نکاح کی جو رسم و راہ کی

محسن غالباً محمد محسن نام ہے خان پور ریاست بھاو پور پنجاب کے رہنے  
والے ہیں عرصہ تک یہ سلسلہ ملازمت لکھنؤ میں مقیم رہے اب ریٹائرڈ ہو کر  
عرصہ اپنے مالوہ میں مقیم ہیں ریختی گوئی میں ایک نہایت مہارت پیدا  
کی ہے۔ ایک ویو ان چھوایا ہے۔ جس کے دیباچہ میں جان صاحب سے  
مقابلہ کلام بھی کیا ہے۔ اور اس بات پر فخر کیا ہے کہ جان صاحب کے مقابلہ میں  
ہمارے کلام میں ایسے غیر مہذب الفاظ نہیں آتے ہیں جیسے کہ دیکھ کر کسی متین  
کے متین طبیعت بھی نفرت کیسے ہمارے نزدیک مہنہ کا یہ دعویٰ صحیح ہو  
یا نہ ہو۔ مگر یہ کہنا ضروری ہے کہ یہ ریختی گوئی اس لیے چھوڑ دی ہے کہ  
جہاں جان صاحب یہ آؤں گے سراسر چھوڑ چکے تھے۔ ان سے زیادہ ان کو ان  
استاذ کے مقابلہ پر لانا سوریج کو میسر نہ ہو سکتا تھا۔ ان کے  
تخلص سے متخلص نہیں ہوا تھا۔ یہ ہے۔

ہوتا بسم اللہ سے آغاز ہے دیوان کا  
 ہو یاد بندی کو بھی وہ لکھا پھر لکھا پھر لکھا  
 بگاڑ دگی میں بھی حال گھر کا وہ دالیں بھی پڑا لکھا  
 ہر ساس کا ہیکو سوئے وہ ہماری ہر طرح خود  
 کھیل سچھا ہے سفر جڑ و اندم آبا کا  
 کسی کے گھر سے لگا کر بھیجتے ہو پاں تم  
 مند کی چالو نہ چلکر آگئی میں چال میں  
 بات تو شیریں کی رکھ لی تھی ہزاروں میں  
 بیٹھے پائے نہ تھے ہوتے ہر جگہ چلے  
 جسے کی نسبت بھی لگا دی تھی زب کواری  
 پچھلے سارے میں تو تھے سوئے گھر میں  
 دھلکا بھائی پہ ہوئی ہو گئی ہو عاشق  
 پھر گیا طلب بجانے آج گوہر جان کا  
 ہونے ڈھول خانی شیخ جی تم  
 گھر وندے یوں تو بت دیکھو ڈالے مگر نے  
 نگوڑی وصل کی شب بھی ہوا نہ چرین نصیب  
 روٹی ممکن نہیں پھر سے نہ پھر کیا  
 کالا مہر فرج ہو یا کسی بندی کو نصیب  
 شوق سے آئین وہ جب چاہیں تھک کیا ہر  
 کسمپوں کی سخی نہیں وضع تو ہی ہر باجی  
 جس سرزمین پہ جاسے ہے آسمان نصیب

راز سر بہتہ ہے باجی وہ در قرآن کا  
 نہیں نگوڑے کا کچھ بھی لکھا ہو کوئی دشمن ہزار سہا  
 کھلا کے رندی کو مال گھر کا لکھا لکھا پھر لکھا  
 نہیں ہوئی ہوتی تو ہے وہ بگاڑا دشمن یا پڑنا  
 حوصلہ دیکھو تو گویاں سن لکھا لکھا  
 وہ کیا کہنا ہے مرزا آپ کی اس یاد کا  
 تھا سب گیم بوا یہ رنج کی بنیاد کا  
 گو بلا سے پھٹ گیا سر بھی میل نہ لکھا  
 خاک نکلے حوصلہ شوق دل لکھا لکھا  
 زندہ در گور ہو باجی موا لکھا لکھا  
 دیکھے ابکہ کہاں ہو بوا سا دل لکھا  
 گو نہ تھی ہا میں کیوں نام ہے مان لکھا  
 کیسا تنکا ہو نگوڑا پ چند بھان لکھا  
 خوب ہم نے بجا بجا دیکھا  
 مرزا ملانہ مگر شیخ جی کے گھر کا سا  
 لکھا رہا بوا لکھا موی سحر کا سا  
 چھوڑو دھڑکے کواری روز کا لکھا لکھا  
 ہاڑھی منڈا موا لکھا ہے بھونکا کیسا  
 دھلکا بھائی سے مجھے لے بوا یردا کیسا  
 اری پا جا مر کی گوٹ میں لکھا کیسا  
 گویاں رے ایک سا ہوا لکھا لکھا



دیگی وہی کبوتری اٹڑے میاں کے گھر  
 خام ہے یہ اُدھیر بن گیاں  
 آج داروغہ کی کل ڈبھی کی  
 لگائی جو بوسہ کی مرزا نے رٹ  
 انو اسی ہے کوری نہیں گوری نہیں رٹھی  
 در بدر بھیک ہی مانگے گا بوا میرے بعد  
 سایہ مرزا کا بڑ گیا جو کہیں  
 جینے جی شرم نہ محسن کو جب آئی گویاں  
 کیوں نہیں سکتے صاف مطلب کی  
 ایک دو تین اونی بوا حد ہے  
 اب نہ جائینگے چھنا لوں کی گلی میں مرزا  
 یہ رسیلا یہ رنگیلا یہ سبھیلا ہو کر  
 ر دٹی کپڑے کو بھی ابیکم بوا احتیاج ہو  
 کرے گا خاک مابو قادم کا لحاظ  
 رنڈی بگڑی کی فقط گھات کا لونا  
 مانا کہ ہم نے سوت کو کر دیا حقیر  
 ایک کو نوکر رکھایا ایک کو چھڑو ادیا  
 ہے رنگیلی ترانہ پڑھیاں اُسکی عطا

ہو جس لٹوری کو کہیں آشیان نصیب  
 چھوٹی ہے میاں سے کبھی کب  
 رہتی گوہر کہ ہے بیگار بہت  
 کہا باجی نے دت موتے دوڑٹ  
 اسپر بھی ہے سرکار کی منظور نظر آج  
 یاد رکھنا یہ مری بات بوا میرے بعد  
 ہو گئیں دیکھتے ہی اماں سرخ  
 خاک آئے گی بگڑی کو حیا میرے بعد  
 میری چڑھیں بگڑے پیار کے لاڈ  
 کس طرح اٹھیں چار چار کے لاڈ  
 قسمیں کھاتے ہیں بوا رکھتے ہیں قرآن سر پر  
 بھلکی دانی پہ مواتا ہے مرزا ہو کر  
 آگئی تھی چال میں ڈبھی کا کڑو کھیکر  
 نہ بڑھی اماں کی ہو جسکو اتجا کا لحاظ  
 دن کا لحاظ ہے نہ انھیں رات کا لحاظ  
 یہ تو بتاؤ کس نے یہ جھگڑا کیا شروع  
 ہیں مسد حبیب کے کٹے تنہا کے مرز جیت  
 پیسے منہ کا خمیہ ہوا کھوٹا عشق

چمن میں جا کے رنڈیوں کو بناؤ گے لاش کرینک  
 اچی وہ بالانہ لاؤ گے تم یہ نالا ایک بتاؤ گے تم  
 کیا کھانکے سوچ کر دو گے بکوبک کرینک  
 کبھی تو کرے پاؤ گے تم دو گے بکوبک کرینک

موانے میں یہ بخر ہے میں پاؤں پیچھے سر پہ  
 بھرے سانسے وہی چل بل کی بات ہے  
 ہوئی عین دشرانی یاد آیا  
 نہ جھوٹا لیس گچا میں ہم میں نہ لیتا ہزارین  
 چسپیں کھا کھا کے بواچھر ہوئے بیٹھے ہیں  
 بوا متلافی بھی کیا ڈپہ حقہ نہ چھوڑا  
 رنڈی کے چھوڑنے کو جو کہتی ہوئی تھکر  
 ساون میں سوت کو نہ اگر دیں بوا طلاق  
 نہ روئی کپڑا نہ گھر سے نہ در ہے پھر غنم کو  
 رہ تو سہی لگاؤں تے باکپن میل  
 اری لینا بوا گو ہر چلا دل  
 ہیں برق طبلے ستارین ہم میں نہ ہونی باریں  
 آج وہ سوت سے مغرور ہوئے بیٹھے ہیں  
 موئی میگم کو تو چاند بھی پلا لیتے ہیں  
 دیتے ہیں گالیاں مجھے ہنسکر جواب میں  
 پہونچاؤں میں ہاں نہ نگہ ڈھی جہاں کی ہوں

ران کوٹڑا اموا مجھے ہار رات کو  
 بھیجا سالن گلی کا بگھڑا چور چور انھیں  
 چھوڑ کر زلف و تاج پر بوا میں سو گئی  
 رکھا جب مرزا نے ساعہ گھر کی ہاتھ پر  
 ڈھونڈتا پھر تاتہ جھکے کا سہارا رات کو  
 دیکھو بھٹیاری نے پھر خمر بگھارا رات کو  
 وہ بجایا ہی کئے اپنا دو تارا رات کو  
 پی گئی لیکر موئی ساسے کا سارا رات کو

پھر دانت آج شیخ سے لگو اے آمین  
 دیکھو تو ککالوں کو بوا نگو اے آمین

کوشش کرو کہ مرزا سے میگم کا ہوا ملاپ  
 دم الجھتا ہے بیا سنے کی باتوں سے مرا  
 تربت پہ آگے بڑھنے نہ رہی ایک لالت  
 میرے ہی سانسے سوئی کسبہ دل گئی  
 گویاں ملانا چہر زووں کا ثواب ہے  
 جھکو تو سوئی نگہ ڈھی نہیں چھو آتی ہے  
 سو سو قدم بہ جا پڑے تنخے مزار کے  
 بس بس نکل چکے مرے ارماں جاہتے  
 بڑا بیدرد میرا مردوا ہے  
 مجھے بیوجہ بھڑوا مارتا ہے

دل اسکی تیغ ابرو پر فدا ہے      وہ گدرا لونڈا جو کپتان کا ہے  
 نہ مارو شیخ کو بے موت باجی      نگوڑا آپ ہی وہ مر رہا ہے  
 نہ کھلے گھر میں ڈولی کے بھی پیسے      بڑا نواب کا سالانہ ہے  
 سنگی نگوڑی باتیں بھی اور کبے سامنے      کچھ تو حجاب پیاسے میاں درمیاں ہے  
 ساتھ لونڈے لئے پھرتے ہو یہ صحبت کیا ہو      لت نہیں ہے تو میاں ان کی گیت کا ہے  
 بارودیں مجھے جب لیچلے وہ      بری ہوتی نگوڑی مامتا ہے  
 بناتا ہے مواد لیکے باتیں      بڑا محسن نگوڑا مسخر ہے

مختصر۔ عبد اللہ خاں نام۔ رام پور کے رہنے والے تھے ریختی کہنے اور  
 اسکو چڑھنے میں کمال حاصل تھا۔ ریختی میں خانم جان تخلص کرتے تھے۔ میں نے  
 اصل تخلص ہی میں لکھنا مناسب سمجھا۔ مولوی عبدالغفور صاحب نساخ نے  
 ان کے متنازعہ شعر لکھے ہیں۔ ان میں ایک بڑا عجیب ہے کہ ادروں کے شعر اپنے نام  
 سے پڑھتے ہیں۔ مگر انہوں نے کوئی شعر ان کا نہیں ملا۔  
 کہیں تم چوچے میں بھیڑ کچھ اُن سے نہ کہینا      مری اچھی بواہ مری مطلب کے ہوتے ہیں

مشتاق اشتیاق احمد نام ہے۔ سلون ضلع راسہ بریلی کے رہنے والے  
 ہیں۔ گل باغ مراد آبادہ ساریچ پیدا نش سے آپ کے والد حافظ سردار احمد ایک  
 نامی وکیل تھے۔ مرنے کے بعد کافی جائداد چھوڑی جو تخفیف ڈپٹی ہزار روپیہ سالانہ  
 منافع کی ہے۔ اسی سے نہایت خوشحالی کے ساتھ بسر اوقات کرتے ہیں۔ اور  
 محض اسی جائداد کی وجہ سے اس قصبہ میں قیام ہے۔ ورنہ آپ کا آبائی وطن  
 نارہ ضلع الہ آباد ہے۔ فارسی عربی کے علاوہ انگریزی کی تعلیم ایف اسے تک

حاصل کی۔ ۱۸۹۷ء سے شعر کہنا شروع کیا۔ جناب شیر محمد چھلی شہری سے مشورہ  
 سخن کرتے ہیں۔ آپ کی تصانیف بھی بہت سہی ہیں جن میں سے بعض نہایت قابل  
 قدر ہیں۔ دو دیوان عاشقانہ۔ ایک نعتیہ۔ دو مثنویاں ایک تاریخ سلون۔ انتخاب  
 الکلام دیوان قصائد قابل ذکر ہیں نعتیہ کلام میں اکبر کارنگ پسند فرماتے ہیں اور  
 انھیں کا تتبع کرتے ہیں۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

ہو چکی اندر سجھا اب کسا نو کی سجھا	کیا زمین دار کی قسمت میں آئی ہے کھیا
دکھلایا جیل ترک موالات نے مجھے	لیڈر بنایا میری حوالات نے مجھے
انہی جلا ہوئے ہیں اسکے گاندھی چل گئی	لیڈر و سرکار میں بیٹھے ٹھٹھل چل گئی
اسن جو رخصت اگر تازن شکنی کریں	اینٹ سے اینٹیں بھی غائب جچی ہوئیں
اپکے دل میں اگر وقت ہے میری راے کی	کیجئے سورا ج کے خاطر حفاظت گلے کی
تماہ ہی جسکی نہ ہو یہ بحرہ سراج ہے	ہند میں جو شے نہیں ملتی دہی سراج ہے
جس زمانہ میں عقیدہ ہو گئے تھے موتی لال	ق اک محب خاص کو میں نے جو پایا درند
میں نے اسے کم دیا یہ سراج سے کیا ہے	خود خوار کیا ہے اندر سے کسے موتی کو بند
ایک نے پوچھا اگر اب ہے ہند میں کیا چیز سہل	کس میں شوکت اچکل ہے کس میں حاضرات شان ہے
بے تکلف دیا اس شخص کو مینے جواب	اچکل لیڈر کا بنجانا بہت آسان ہے
ماں بل بہ ترحم جو ہے ہند یہ گاندھی	سورا ج کے لینے پہ مکر اپنے باندھی
موسے کے شجر حرے سے الگ کر کے لال	جب سال گذشتہ علی ترمیم کی آمدھی
مفید ان کو کوئی تو نہ گذاروں میں غنا	بڑی چیز ہے ہکو ان کے ٹرک کیوں نہیں متنا
زبورینکے کبھی غانا سلائی لکڑوں میں	بتاؤ ہند پھر شہی کا دیا کیوں نہیں ہوتا
لمتی ہے گرا کی چھٹی ہم وہاں جاتے ہیں	ہے حجامت یا نہانا منھرا الوار پر
ال میں پٹواری صاحب تھے میں ملال	ہے پلس میں کام سب قوت چوکیدار پر

باپ کی ساری کمانی ہوگی تدریجاً  
 مولیٰ صاحب نے اپنا الٹی میٹم دیدیا  
 پاس کرنے اب لگی ہیں عورتیں بیرٹری  
 اب تک یہ خواب کبھی میں ہم رول کا  
 راز کھدی ہی میں کچھ سوراخ کا ستون  
 مرا سینہ بھی بالینکس کا اس وقت خزن ہے  
 ٹھہر ہوٹل میں چھوڑو فکر مرا ہے  
 یہ ترقی لارڈ کرزن کی ہوتی ہوگی  
 آنکھوں کی روشنی کا یہاں بیڑا کھیل ہے  
 عورتوں سے ہند میں بے و پرہیزگیتے  
 آپ کے ہاتھوں ترقی جو نہ حاصل ہو سکی  
 آپ کے اور ہم سے باتیں ہیں غذا کا دلایا  
 ساتھ غیروں کے سین لٹانی پڑھوئے  
 لکے لکھوئے تو نہ تائید ہو کر کا جناب  
 یوں غور نہ کیا، مگر کا نرم میں ہے بوجھا  
 اک طرف انکھوں نے بال جھرا کر دیا ہے  
 نہ سمجھیں آپ جھگڑائی کا ارباب نہیں ہوں  
 ترکوں نے بیشک کہا ہے یہ کمال  
 ترجمہ غیبیوں کا کر کے اسکو خست کیجئے  
 بھوت کلچ میں جڑ باغیچہ کا پرچار  
 دڑتے ہی لڑتے مسلمانوں نے بھی دم ویدیا  
 خستے ماوہ کی عدالت میں جنگ نہ کری  
 دشوار پٹھان ہے گراس کی چول کا  
 پر مئے زرد بکرنے والی ابھی تک دوسرے  
 ادا میں سہیں ہمارے کہ ہیں نشان لسیج  
 کبھو قہوہ بیوہ بھی تم جاے  
 موچکس گنتی ہیں دڑتے ہی پھر ہنگام  
 اُن کو پسند پر بھی مٹی کا تیل ہے  
 خوب ہواں کو کھلے بندن چلنا کیجئے  
 ابنا دے عورتوں کا اسکا، اسیجئے  
 کر دتا ہے کیوں کر لایہ کا یہ مٹوچ میں  
 ساتھ کوں لکھنے طرح مٹوچ میں  
 بچھا ہی نہیں گیا بچا رہا بیوچ میں  
 جمع ناگہ میں بیٹھے جیسے سادھوچ میں  
 پس رہے ہے سب بچاری اُردوچ میں  
 حقیقت تیرے ہی جی کا بکھڑا کر رہا  
 جو دیا اسلام سے پردہ نکال  
 نہر سے عربی زبان بھجور کر نی پھلی

مجھوں نے شاہ غیبی کے ترانہ یا غلبہ سے مشہور رہنے پر شرمناک تجربہ کر لیا ہے

دیوان کے نواسے تھے خود یہ مسلمان ہو گئے تھے۔ زندگی نہایت عسرت اور شرمیلی  
میں گزرتی تھی ننگے پاؤں ننگے سر بھر اکیتے تھے۔ شعر گوئی کا شوق تھا۔ اول اول میں  
حسرت تخلص کرتے تھے پھر حافی تخلص کیا۔ اور اس کے بعد میر انشاء اللہ خاں کی  
صحبت میں رہنے لگے اور مجنوں تخلص اختیار کیا۔ اپنے آپ کو میر تقی میر کا شاگرد بتاتے  
تھے۔ مگر بقول میر حسن کہ خرم عیسیٰ اگر بیکہ رود نمونہ کلام یہ ہے۔

پھر اب یہ چو چلا ہے کل دوں قرار ٹھہرا      کتنا ہے تجھ سے چلے تو کب کا یا ر ٹھہرا  
بوسے کے بدلے گالی دے بیٹھا جھکو چٹے      تو اپنے منہ سے آپی بے اعتبار ٹھہرا

مجید۔ یعنی منشی عبد المجید صاحب مجید۔ ناگپور کی مشہور و معروف دی  
ماڈرن تھئیٹر ہل کمپنی کے چیف ایکٹر ہیں۔ ایک غزل رینجی کی ملی جس سے معلوم ہوتا ہے  
کہ تفتن طبع کے طور پر کبھی کبھی اس رنگ کی طرف بھی توجہ کرتے ہیں۔

سو سن تجھے ملنے کو بھی لچا ہی ملا شوخ      کیا جھکو بناسے گا نگہ ترا وہ موا شوخ  
آپا مری لونڈی کو بھی کڑا تھا اشائے      کل وہ انھیں باتوں کی بڑت تو بلا شوخ  
ان دونوں میں رہتی ہی ہمیشہ سے لڑائی      کچھ منجھلی بوا شوخ ہیں کچھ جھوٹی بوا شوخ  
یہ کس نے بتائی ہے چھپھوروں کی ملاقات      بھاتا نہیں اک آنکھ بھی جھکو تو بوا شوخ  
بل سارے نکالوں گی میں نکالے کی طرح سے      پاپوش سے ماروں گی جو بیٹے وہ چڑا شوخ  
ہر ایک سے یوں آنکھ لڑا لیتی ہے زرگس      ہے سے نہیں آتی ہے ذرا جھکو حیا شوخ  
الفت جو مجید آئے تو تو بات نہ کرنا      وہ ایک ہی چلتا ہوا لچا ہے موا شوخ

محب منشی برج بھو کن لال نام ہے تھہرے دریا آباد صلح بارہ نکی کے رہنے  
واسے ہیں منشی نوبت رائے لکھنوی مرخم کے شاگرد ہیں۔ ابتدا سے شعر و شاعری کا

بہا شوق تھا۔ مگر طبیعت کا یہ جھٹ تیز و تیز نہ تھی کہ مرثیہ نشی دیت۔ بندہ جب  
 کے انتقال کے بعد آپ ہی اپنے کلام پر نظر ثانی فرماتے رہے اور شمس میں اپنا  
 دیوان بھی شائع کیا۔ آپ اکبر مرحوم کے رنگ میں شعر کہتے ہیں۔ اگر غور کیا جائے  
 تو اکبر کا رنگ دراصل ایسا تھا کہ اسکا اتباع دشوار تھا۔ مگر افتاد طبیعت سے مجبور  
 تھے۔ اسی طرف متوجہ رہے۔ محب صاحب نہایت نیک نفس اور خلیق زندہ دل  
 آدمی ہیں۔ اور کلام میں تاحد نقد و رشوخی وغیرہ کو مد نظر رکھتے ہیں۔ خود ہی فرمایا کرتے  
 ہیں کہ مسلمانوں میں اکبر نے یہ رنگ حسن کے ساتھ کما اور ہندو دل میں میں نے۔  
 ان کا یہ جملہ یقینی قرین صداقت ہے ایک مرتبہ راقم الحروف سے بھی ملاقات ہوئی  
 تھی۔ اور خود جناب موصوف نے اپنا دیوان مرحمت فرمایا تھا۔ عرصہ سے آلام و مصیبت  
 اور طرح طرح کے عوارض میں مبتلا رہتے ہیں اب مرض برص بھی شروع ہو گیا ہے  
 عمر تقریباً ۵۰ برس ہو گی۔ دیوان کے علاوہ تاریخ دریا آباد بھی آپ کے نتائج  
 انکار سے ہے یہ کتاب نہایت خوب لکھی ہے۔ دیوان کا انتخاب حاضر ہے ملاحظہ ہو۔  
 کتا ہے شوق جیسے ہوائی جہاز کا بیکار ہے خیال نشیب و فراز کا

ہو گیا سہل سفر لی کے باعث اخضر رہ رہ شوق ہوا عشق میں انجن اپنا  
 ہم غریبوں کے مقدر میں نہیں پیش لکھی لے محب حکمو مبارک ہے فیض اپنا

اُن سے باتیں کی تھیں تو یہ ہم پر کھلا کشور الفت میں طمانین کا ذوق کھلا

شوق غمخس کی چندیا کا ہے اب بچا حال ہو گیا ہے شوق بڑا صاحب کی ٹیڈی بچہ کا  
 کوئی ٹکٹا ہوا آن کوئی بند لے محب شعل جب سے ہو گیا بڑا سگ و چمپ کا

تصور ہے مسوں کے مصحف خسارِ بکا  
نہیں ذوقِ عبادتِ شوقِ پیرِ احسے ساماں کا  
شگفتہِ حاطری موقوف ہے ٹائپ کے حرفوں پر  
مسوں کے لب میں بھی طعتِ حیاتِ جاودانی ہو  
کیا صفائی مغربی سہل سے آنتوں کی ہونڈی  
پارکوں میں گھوم لو کھالو ڈبل روٹی عجب  
چلو جسوں میں موٹر پر اڑو چندے دیے جاؤ  
پسی جاتی ہے البے لاد آدمِ غم کی چکی میں  
ٹوٹ سے بڑبڑاتے ہیں دولت کوئی اس عہد میں  
گھلایا اسقدر اس شوخ کی بے ہمتائی نے  
زباں کا اب تو دعویٰ کرے ناکس کو بچے کی

کسے ہے یاد قرآن کی کسے ہے شوقِ گیتا کا  
خدا سے پھر گیا ہوں آجکل نہ ہوں شیطاں کا  
کوئی شائق نہیں گلزارِ تو حلیق دریاں کا  
خضر۔ پوٹل میں بھی ہوتا ہے چشمہ آبِ حواں کا  
منہ پر رونق آگئی گو پیٹ حنا لی ہو گیا  
آخر شاکر روز دنیا سے سفر ہو جائیگا  
بغیر اس کے عجب پہلک میں شہر اپنہیں سکتا  
بڑا ہے پیٹ کا رخ اور گھٹا ہے رخِ کدم کا  
لی گیا جس کو یہ کاغذ کیمیا کر ہو گیا  
کہ اب جسے وفاداری کا گھڑا نہیں سکتا  
نہیں پابند کوئی لکھنؤ اور دلی کا

دیکھ کر لعنتِ لیسری کو  
وہ طمانچہ پڑا اگر انی کا  
بل کیا ہمیشہ کمپنی نے جب  
طفل دل کیا ہی کل کھلا اٹھا  
دل غریبوں کا تمللا اٹھا  
اے محبِ شیخ بلبلا اٹھا

خوب ہے اب تو بلندی پہ ستارا اُن کا  
تیغِ اصلاح سے کاٹیں جو بگڑا بڑبڑکا  
ظہر پر حضرت موسیٰ نے تجلی دیکھی  
چرخ پر اڑ کے پہونچتا ہے غبارِ اُن کا  
میرے آگے نہ کرو ذکرِ خدا را اُن کا  
ہکولندن میں میسر ہے نظارِ اُن کا

باپ صاحب ہیں صحت ہوٹل میں  
کون پر رساں ہے بھائی دیہی کا



کی خبر تک کوئی ہے ہلا ہم سے پوچھو مزا تہی کا

اب اور کوٹ کا زمانہ ہے نام صاحب نہ لورائی کا  
ڈاٹتی ہیں حسین بیٹی پپ کون خواہاں ہو زیر پائی کا

ہر شے ہے گران جنس شرافت کے علاوہ بازار میں سستا کوئی سودا نہیں ملتا  
ہنری کے تو شاگرد نظر آتے ہیں لاکھوں ڈھونڈے سے کوئی دیاس کا چیلیر ملتا

حامد زیبی ہے وضع مغرب میں کیوں نہ ہو کھو حقوق چسٹر کا  
کون پر ساں بیاض نظم کا ہو یہ زمانہ تو ہے رجسٹر کا

لاحول سے نفرت ہوئی اور سے ہوا ترقی اب آپ سے ماموش کچھ شیطان ہوگا  
کردیا بدحواس چندوں نے دیہان کسک رہا واراپن کا  
کیا اعتبار زندگی مستعار کا چھ سیر جبکہ بکت ہے آغا جوار کا  
آسمان پر دماغ ہے اپنا سر پہ جب سے ہے مغرور کٹوپ

ملک و دولت کا کیا مس کو خدائے نفٹ پے شہرت بھی کافی ہے نہیں مال سے بحث  
اور ہیں بیک صیبت کا بنایا بحث ایک تھنے پہ یہ لکھد کجے جنرل حریف  
قرض لے کے مئے عیش اڑائی ہے محب آج ہوا بکو قرقی کا مبارک وارنٹ

میں کیا ہم ست دل ہوں اہل جرمن کی طرح بھائی چھڑا چل نہیں سکتا ہے ان کی طرح

اب اسی میں سرخ روئی آبرو دار دیکھی ہے  
بھوٹی ٹائم میں کا ہے دائرہ گن کی کمر  
بس انھیں کے رنگ میں مل جائیں پانی کی طرح  
ناج میں جو لوہ کھاتی ہے کمانی کی طرح

یازن شفق من نہیں القاب پسند  
کھپ گئی ہر مری کھوئی لایت کی زری  
ہے نقطہ مائی ڈیر کج کل احباب پسند  
خفتہ بختوں کو بنارس کی ہر کھو اب پسند

چائے کے آگے پان ہے کیا چیز  
گر لڑا سیتھ کی دیکھے لاف  
چندے کے آگے وان ہے کیا چیز  
زر کے لالچ میں آن ہے کیا چیز  
عیش چاہو خوشامدی بجاتر  
سیکھو انگلش منہ لٹن اب  
اس کے آگے پیران ہے کیا چیز  
بھائی دیسی زبان ہے کیا چیز

کیمشی دپنہ کی کوشش مبارک  
ہوا شل شیخ دیر بہن میں باہم  
یہ نزلہ مبارک یہ چش مبارک  
یہ مضموں مبارک یہ بندش مبارک

ہر اک کی شان میں کہتے ہیں ایسے ہیں ایسے ہیں  
تھیں میں ہنستے ہیں تو یہ سچ نہیں روتے ہیں  
کوئی کا شرف ان سے یہ چھپے کو نہ جانتے کیسے ہیں  
کہ وہ ہیں اونٹ کسٹریٹ کے یہ پلو کو کھوٹے ہیں  
جزاک الشرفی در والفت اس کو کہتے ہیں  
نہ چھپیں بخت اعطا اجل کے تیز طبعوں سے

دلت سے مرگے ہیں نئی روشنی پہ ہم  
اس مفلسی و قحط کے قربان جاسیتے  
ابتک جلا نہ لیمپ ہمارے مزار میں  
دل ہے وہی جو آئے سہول کی جھپیٹ میں  
گیہوں کے بدلے ملتا ہے لطف حاجت میں  
دولت وہی جو بے اور حباب پیٹ میں

دہی پہنچیں گے اب تو منزل تک  
 بے ریل دو قدم نہیں چل سکتے آپ سے  
 بجا اسکول کا گھٹا جو ٹٹن سے  
 نہ کام آیا مرے پر مغربی بوٹ  
 مزار اپنا بنے گا پارک میں اب  
 ترقی پر ہے اب چند کا آماں  
 اور اسپر مغلی کی سخت گھٹی  
 نام ہو نام زمانہ میں محب و دہی طرح  
 کیوں بڑا مایوس جو وہ کہتے ہیں بکوڑہ غول  
 کا کچا قدر سخن بی شاعری کے پیٹ سے  
 مدار سکا رجاں اب سکند پر ہے  
 وہ دین کو کے بھالی تم غول ہو گئے  
 دل احباب کو چسکا پڑا ہے نو جداری کا  
 بھلا ان لڑکیوں کے حسن کیہ کٹر کا کیا کہنا  
 تھیلے کے نرالی سین اعلیٰ سبب سیری دیکھو  
 سبارک ہو محب یہ آتش شوق  
 تقریر پر عمل جو نہیں خود تو چپ رہو  
 کیوں رختہ کا ذکر عاشق بچن سے کہتے  
 تیس کو دیوانگی میں تھا سگ ایلی عزیز  
 نئی ملت کا زاہد ہوں نے جنت کے جہان میں  
 پے نامہ بری اب پوسٹ آئے بکوڑہ کافی ہے

جو کہ انجن کو رہسے سبھی  
 ہم لوگ اب تو کھینچتے ہیں انجن کو بچتے  
 تو انجن آگئی ڈولی میں زن سے  
 بدن ڈھانکا گیا آخر کفن سے  
 ہیں کیا کام ہے بلخ عدن سے  
 مریض قوم کے دم پر پی ہے  
 کہ جس سے رگ شرافت کی تی ہے  
 چندہ دینے سے اور انبار میں چھپنے سے  
 بہ تو معشوقانہ شوخی ہے کوئی نگاہی نہیں  
 اور ہوتے ہیں تولد اب سفور سیکڑوں  
 گیا وہ دت گھڑی اوپل سے کہ نہیں  
 پہلے تھے بھوکے لیکن اب پل ہو گئے ہیں  
 مڑتا ہے اب گھر سے زیادہ جیل خانے میں  
 جنہیں مس صاحب اسکول میں تعلیم دیتی ہیں  
 نہ جاؤ بھو لکھ برگرز جہاں پر رام لیلا ہو  
 گھرا پنا خوب بچو کو اور تاپو  
 مینڈک کی طرح شہر بچانے سے فائدہ  
 بیٹنے کے آگے بین بجانے سے فائدہ  
 عشق مس میں ہو گیا راج آگ لگا لگا ہے  
 کہ سوڈا اور لٹنڈ کہ نہیں کچھ آب کوثر سے  
 نہ خاصہ کی تنہا ہے نہ مطلب ہے بکوڑہ سے

بڑے مکے خیرات سے ہے قوم کی خدمتیں تو  
 مال آغاؤں سے وعدے پر خوشی سے لیجئے  
 تعلیم مغربی سے بھی پھولے سبھلے نہ ہم  
 کھاتے نہیں پڈنگ کسی کے دباؤ سے  
 گر لوٹ پاس ہو تو ملے ساحل مراد  
 اب بیڑا پار ہوتا ہے کاغذ کی نایا سے  
 حقیقت یہ ہے کہ محب دریا بادی کا کلام سرا سراً کبر مردم کا قبیح ہے۔ مگر  
 افسوس کہ ان کے کلام میں وہ اثر اور زندہ دلی نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے  
 یہاں طنز بات کا ایسا بے عمل استعمال ہوا ہے کہ وہ واقعہ صلیب ہوتے ہیں۔ اور جن  
 طنز بات کے وہ لڑائی کا کام نکالنا چاہتے ہیں ان سے اوامر مہرہ ہوتے ہیں۔ ان کے  
 کلام میں قطعات۔ رباعیات۔ شہنوی وغیرہ بھی ہیں مگر ہم اس قدر کافی سمجھتے  
 ہیں اور اضافہ کلام کا یہ تذکرہ محفل نہیں ہو سکتا۔

م۔ ح۔ یعنی ماسٹر باسط صاحب۔ آپ بسواں ضلع سیتا پور کے رہنے  
 والے تھے اور دو موجودہ کے ایک نہایت خوش گو خوش مذاق شاعر ہیں غزل  
 خصوصاً نہایت عمدہ اور زبان کی حدود میں کہتے ہیں جس سے صحیح صحیح رنگ و نغزل  
 کا طعن آتا ہے۔ دوسرے لوگوں کی طرح آپ اس میں فلفلہ اور تصوف کے مذاق  
 کو شامل نہیں کرتے۔ مگر بسواں سے امداد لیتے ہیں۔ مگر اس کا کیا علاج ہے کہ  
 جناب جگر سے یہ خود اچھا کہتے ہیں راقم الحروف جناب باسط صاحب سے  
 بھی بخوبی واقف ہوں۔ اور کبھی کبھی جناب جگر صاحب کی غزلیں بھی سنیں  
 میرے نزدیک دو جدا جدا رستوں کے چلنے والے ہیں۔ اور ایک کا دوسرے  
 سے کوئی تناسب نہیں۔ باسط صاحب نہایت خوب کہتے ہیں ان کی طبیعت

نہیں۔ بیان میں آمد۔ بندش میں جستی جستگی ہے اور اس کے برعکس جناب جگر کے  
 یہاں خشکی۔ نقص۔ پھیکا پن۔ بیزلی۔ بہر صورت باطل نے ایسے اوتار کی ترقی  
 سے فائدہ اٹھا یا اور خود نہایت عمدہ کہنے لگے۔ ذلک فضل اللہ الخ۔ آپ کبھی  
 کبھی تعفن طبع کے لئے ظرافت کے اشعار بھی کہتے ہیں اور ظرافت میں ایک سیر  
 کی صورت پیدا کرتے ہیں۔ مگر انہوں نے کہ باطل جس قدر رنگ عاشقانہ کو نہایت  
 خوبی سے کہتے ہیں ایسی ظرافت میں کامیاب نہیں ہیں۔ اسکی وجہ یہ ہے  
 کہ دراصل وہ ایک متین اور مہذب آدمی ہیں۔ ظرافت ماکون کی طبیعت سے  
 کوئی خاص نسبت نہیں ہے۔ ماسٹر باطل کس اسکالر میں اردو پھر ہیں۔  
 شاعری کے پھر شائق ہیں اکثر رسالوں میں غزلیں طبع ہوتی رہتی ہیں۔ چنانچہ  
 عمر اس وقت خلیفہ ۳۵-۳۶ سال کی ہوگی۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

حضرت دل جو کسی میں کھولے ہوئے  
 وہ بت تیغ نہ تو سیکڑوں کو مار رہا ہے  
 کہاں جایگا آؤ کرے پر پونے عاشق  
 خفا ہے اگر ایدل وہ لہ آتش و جلا  
 عدد و کھفت کو سودا ہے کچھ ایسا ہندی کا  
 مرغ دل دام میں گیسو کے پھندا لیتا ہے  
 کیا فرق ہے تادول شرم میں ہولی میں  
 جو دو کو دیکھا کوئی لڑیاں بانگین سے  
 نصیحتا نصیحتا کوئی نہ کہہ سکے کہ  
 رنگ تائیں نہ تھنسیا شیر کی چھٹی تیر  
 بے رنگ آمد پر چوڑا شہر بھرا ایدل  
 جتنے گور میں مقرر ہوئے ہیں  
 نہ تحقیقات چوتی نہ نہ تھانہ دار آتا ہے  
 تری تم تم کے پیچھے میرا موٹر کا آتا ہے  
 اکثر کہ بندہ درگا بھی تھمیر ہو جاتے  
 لئے سر پر بھر کر تاتا ہے دعا بھی ہوائی کا  
 تھکوا دلدار کہیں ہم کہ چڑیا کہیں  
 وہ شاعر ہیں کہ نہ تھنسیا شیر کی چھٹی تیر  
 کہہ کر تھنسیا شیر کی چھٹی تیر  
 تھنسیا شیر کی چھٹی تیر  
 تھنسیا شیر کی چھٹی تیر  
 تھنسیا شیر کی چھٹی تیر

نشستم پہ محفل بہ دورِ نختیں  
 کھسکتے کھسکتے بہ گور۔ یا رسیدم  
 ہاتھ آیا ہے شکر تو بٹے گھاس کے بعد  
 سب بتا دوں گا میں تجھ کو کراکھاس کے بعد  
 بوسہ چشم طلب میں نے کیا رو رو کر  
 ہنسکے فرمایا کہ منظور ہے برسات کے بعد  
 بتوں کے عشق کا مجھ کو بڑا ہوا جھل چکا  
 حرم سے مجھ کو جانے دو نہیں میں شیخ کے بعد  
 ہم اپنی جان سے لے بہت بہت بڑا بیٹھے ہیں  
 بھری برسات میں اگر بس بوار بیٹھے ہیں  
 پلٹ کر بے ستوں سے یہ کہا دینے نہیں  
 سنا کچھ اور لے بیٹا وہ تیشہ مار بیٹھے ہیں

چمکے منہ جڑ اپنا سون لیا آرزو دارم  
 تھے جی کھو لکر لینا بگلیا آرزو دارم  
 لپٹ کر مٹے سینہ سے تھے سو گندال شور کی  
 ترمی میں تو رطوبت دھروں پسلیا آرزو دارم

زخاں میں ہے عذابِ لب ہیں  
 بہت میٹھے ہو تم تو خور دنی ہو  
 کر سے تم کا لپٹا ہے رہت ہے  
 رقیبِ دوسرے کی اسکر دہنی ہو

بہت بگٹے بہت تنکے بہت انٹھے بہت برسے  
 تماشا یہ محفل میں اُن کا چھیر کر دیدم

ٹالو پاس تم ہم کا تمھیں سو گندال شور کی  
 نہیں تو اینٹھ کر جیسے سے سرکارِ جانت  
 بے میٹھے میٹھے تپتے کا سو جھنجھی کی کا جھنجھی  
 بڑا کراہیں بڑی ہوئی گوا آرزو امر حیات

ترمی الفت میں بھلا کون دانہ ہو ہے  
 گھر میں میٹھا ہے جو شخص سیانا ہو ہے  
 پان دشمن نہیں لیتا ہے تو دیتے کیوں ہو  
 منہ پھٹا ہو ہے کوئی جیساں انا ہو ہے

ہے ان کا نام میر احسان علی لکھتا ہے مخلوق ذاب لقی خاں ترقی کے  
سیاں قصہ گوئی کے خدمت پر یا مور قے۔ میر خلیق کے چھوٹے بھائی یہ یعنی  
میر انیس کے چچا تھے۔ صرف دو شعر تذکرۂ انیس صنف مرزا فدا علی خضر  
لکھنؤی سے دستیاب ہوئے۔ جو ریختی میں ہیں اسی سے گمان ہوتا ہے  
کہ مخلوق کا رنگ یہی تھا۔ یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے اس لئے کہ اس  
زمانہ کے بڑے بڑے لوگ بھی اس قسم کے شعر کہنے سے پاک نہ کرتے تھے۔

اے دادا کی جواب ہو گا بڑا شرمیدار  
مرووں کو ترس رہا ہو پھر کون نہیں ہوتا

مذاق - مرزا غصنفر حسین نام ہے جو بنور کے رہنے والے ہیں۔ بچاس برس کی عمر کے آدمی ہیں ایک وقت میں مذاق اور ظرافت کے اشعار لکھنے کا بڑا شوق تھا۔ اور غصنفر مرزا پوری کو اپنا کلام دکھاتے تھے معاصرین سے چوٹیں چلا کرتی تھیں۔ مگر اب عرصہ سے شاید بالکل اس رنگ کو ترک کر دیا۔ چنانچہ خود ایک خط میں لکھتے ہیں۔ مجھ کو اب شعر و شاعری سے چنداں شوق نہیں ہے۔ بہر حال جو کچھ اشعار یاد ہیں وہ لکھا ہوں مرزا صاحب نے اپنا مختصر حال بھی تحریر کیا ہے۔ جس میں خاندانی حالات زیادہ تر ہیں شاعری کے واقعات سے کچھ علاقہ نہیں اس واسطے ان کو قلم انداز کرتا ہوں۔ صرف اتنا لکھنا کافی ہے کہ آپ کے مورث اعلیٰ مرزا منور علی بیگ غازی خان ایران سے بطلب شہنشاہ اکبر دہلی میں آکر سکونت پذیر ہوئے تھے۔ بعد چھ ماہ سے منعم خان خانان کے ہمراہ جو بنور آکر رہے اور صوبہ جو بنور کے گورنر بنے۔

ناظم مقرر ہوئے۔ بہت سے مواضعات معافی میں پاس اور محمد شاہ رنگیلے کے عہد تک اسی طرح معافی میں رہے۔ مگر اب رفتہ رفتہ تمام علاقہ نکل گیا کچھ جاؤ اور اسے نام باقی ہے۔ ان کے خاندان میں سوائے مرزا صاحب یا ان کے والد کے کسی نے ملازمت نہیں کی اور دربار داری کے جھگڑوں سے آزاد رہے اب انتخاب کلام ملاحظہ ہو۔

اتشاک کے ہوئے یوں زخم بدتر پیدا	رات کو چرخ سے جسطرح ہوں آخر پیدا
عیش باغ ان کا ہے کرتے ہیں نئے نئے کیکیا	خوش نصیب ایسے بھی ہونگے گمین بند پیدا
شان اللہ کی ہے اسیں اجارہ کس کا	بیضہ زاغ سے ہوتے ہیں بکوتر پیدا
جھوٹے لگتا ہے ہر شیخ و برہنہ شکر	تائیں سازنگی سے ہوتی ہیں چہرہ پر پیدا

یہ ذوق عشق تو دیکھو کہ قہر کے سر پر	ہمیشہ ناتھ لیلے اسوار رہتا ہے
چلے ہیں وہ سوئے گنگا اٹھانے کے دیش پر	اٹھائے بارزاکت کمار رہتا ہے
خشب وصال وہ ضد کے ہنسے کیا لیتے	یہاں معاملہ اکثر اُدھار رہتا ہے
ہمارا بوش بہت ہی شکستہ خاطر ہے	گلی میں آپ کی کوئی چار رہتا ہے

یہ رنڈیاں نہیں چمکا ڈروں کا ناگس      انہیں کے واسطے یار و خراب ہم ہیں

**مزل** شاد مزل کے نام سے مشہور تھے۔ ایک آزاد مزاج وارسہ  
 انہیں بقیہ تھے عاقبت قرآن اور علوم ضروریہ سے آگاہ تھے۔ شاہ آبرو کے  
 سامنے تھے تاہم عمدہ شریعت تھے۔ آفتناے زمانہ اور نقصان طبع کے لئے  
 کبھی بھی نظر انجانہ شریعتی ان کے قلم سے نکل جاتے تھے۔ اس رنگ میں



ایک شعر دستیاب ہوا جو لکھتا ہوں -  
اے منزل ناز کا گلوں کا گلوں  
شوخ بولا پل پل چلا گئے ہے چل

مسرت مسرت خاں نام تھا قوم افغان سے تھے کبھی کبھی شعر بھی  
کہا کرتے تھے حسین اکثر فرافت ملی جلی ہوتی تھی ایک شعر اسی انداز کا ملا  
درج تذکرہ کرتا ہوں -  
نہ وہ بانوں میں گنا جاسے نہ پیر نہ پوتیوں  
خانہ جنگی تمہیں ہستی ہے سدا مسکے

مشر - سید ضیاء علی نام ہے بدایوں کے رہنے میں جناب قمر بدایونی کے  
شاگردوں میں ہیں - ثقہ طریف میں آپ کا کلام چھپا ہے اسی سے چند اشعار  
منتخب کر کے نقل کرتا ہوں -

رات یہ اندھیر کیا بزم برفی میں تھا  
ٹھکان لی تھی میں نے میں بھی جلی نے بیاؤنگا  
غیر تو راناں میں تھے او میں آنگن میں تھا  
جب سنا میں نے کہ وہ بت خانہ دشمن میں تھا  
آج اسکی صوبہ داری کا سما کھل گیا  
روٹی کپڑے پر ملازم رکھ کر ملہ میں تھا  
سالت انکھڑکی دعوت تو یہ دہرہ زار  
ایک مٹھی بھر نکال کر شترجی میں تھا  
کھا گئے یہ کہہ کہہ دو گئی پوری دیگ کی  
دو ٹھن میں نہ تو اپنے ذائقہ کی چن میں تھا  
ایک سی داڑھی تھی لاکھ سی چھین تو پھر  
ظاہر کیا فرق بولا بخش و گھنڈن میں تھا

یار تھا لیکن ذریعہ رسم کا حاصل نہ تھا  
کون سی ایسی بڑی تھی جو دشمن میں تھی  
سامیگل اللہ نے دی تھی گریڈ ان تھا  
گارڈ صاحب نے برک میں کچھ کے چھٹا کر دیا  
رہ نہ تھا چوکھٹ نہ تھا بدو نہ تھا لالہ تھا  
یہ نہ سمجھے آدمی تو اس کی بڑاں نہ تھا

کالی مرغی دیکھی ٹھٹھڑیں تو مجھوں نے کہا  
 باپ ماں نے پاؤ نہیں شادی کی بڑی لڑی  
 ٹھٹھ سے چلتے وہ میرے ساتھ بزمِ غیر میں  
 داغ دل کی روشنی دیکھی تو فرمانے لگے  
 مجھ کو دھوکا ہو گیا سیلی نہ تھی محل نہ تھا  
 ورنہ جو رد کی قسم کھاتا ہوں میرا دل نہ تھا  
 نعل جو تے کا لگا دیتے اگر میڈل نہ تھا  
 گیس کا ہنڈا تھا مشربہ ہمارا دل نہ تھا  
 مسٹر نے اپنے کسی دوست کے لئے سرہ بھی لکھا ہے جس کے بعض بعض شعر  
 بہت خوب ہیں -

شیخ صاحب نے جو باندھا ہو کر سہرا  
 بجز یہ کار کو امداد کی حاجت کیا ہے  
 کدو نوشاہ سے خود باندھ لے اٹھ کر سہرا  
 پھر بندھا لوٹ کے نوشاہ کے سر پر سہرا  
 بے سبب پاؤں پکڑنا نہیں چھک کر سہرا  
 رہ نہ جائے کہیں واڑھی میں الجھ کر سہرا

مصحفی شیخ غلام ہدانی نام تھا۔ امر دہ کے رہنے والے تھے۔ مگر عمر کا بیشتر  
 حصہ لکھنؤ اور ولی میں صرف ہوا۔ شاعرانہ کمال اور علم و فضل میں معاصرین حتیٰ کہ  
 میر اور سودا سے برگز کم نہ تھے۔ بلکہ اگر بعض باتوں میں ان کو ان کے مشہور معاصرین  
 پر ترجیح دیجائے تو قباحت نہیں ہے۔ تمام اصنافِ سخن پر قادر تھے۔ نہایت ذکی  
 قوی الحافظ، زود گو تھے یہاں تک کہ بعض تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے کہ غزلیں کہہ کر  
 فروخت کرتے تھے اور یہ دستور تھا کہ جہاں کوئی شاعر ہو تا یہ بہت سے شعرا اسی زمین  
 میں کہہ کر رکھ لیا کرتے اور پھر گاہکوں کے ہاتھ حسبِ حیثیت شعر فروخت کر دیتے۔ دو  
 تذکرے اردو و فارسی شعرا کے۔ اور سچ دیوان اردو ایک دیوان فارسی ان سے  
 یادگار ہیں -

صحفی نے ابتدائی تعلیم پانے کے بعد دہلی کا رخ کیا اور وہیں علوم رسمیت اور ضروری کی تکمیل۔ شاعروں اور شعروں کے جلسوں میں شرکت کرتے رہے مگر جب دہلی کے عروج کا زمانہ ردہ زوال ہوا اور اہل کمال ایک ایک کر کے اسکے دور و دیوار کو الوداع کہتے ہوئے ادھر ادھر چل دیئے۔ تو صحفی کا بھی جی اٹھ گیا اور لکھنؤ چلے آئے۔ یہاں اگر چند روز نہایت عسرت اور پریشان حالی میں گزارے آخر کار مرزا سلیمان شکوہ کی سرکار میں ملازم ہو گئے اور کچھ در ماہ بھی مقرر ہو گیا۔ اسی کے ساتھ ساتھ لکھنؤ میں ان کی شاعری کا سکہ جما اور دوسرے ہاکمالوں کے ساتھ لوگوں کی زبانوں پر ان کا نام بھی آنے لگا۔ پھر تو وہ مشہور ہوا کہ نامی معاصرین ان پر رشاک کرنے لگے۔ حسد اور نفاق کی آگ لوگوں کے دلوں میں بھڑک اٹھی۔ چنانچہ جہانگیر علی شاہ نے یہ کہہ کر صحفی کو بھی کبھی ظرافت کے اشارے کیے تھے مگر ہجو کے ناپاک اور گندے مضامین سے اپنی زبان اور بیان کو آلودہ کرنا بچا ہتے تھے۔ لیکن زمانہ کے مشہور زمانہ شاعر انشا کی بیجا شوخیوں۔ اور بد رنگیوں نے ان کو بھی اپنے رنگ میں رنگ لیا۔ اہل وہ وہ کچھ کھلا کر چھوڑا جس سے آج ان کو بھی ایک ہجو گوئی کا شاق شاعر نہ بڑتا ہے۔

جیسا کہ بیان ہوا مرزا سلیمان شکوہ کی غزلیں ہمیشہ صحفی بنایا کرتے تھے۔ اتنے میں وہ نہ نہ آیا کہ انشا بھی لکھنؤ پہنچے انشا کو سب جانتے ہیں کہ وہ صرف شاعری تھے زمانہ سازمی اور بہرہ دہ میں بھی اپنا جواب نہ رکھتے تھے حسب عادت تعاقب کرتے ہیں بھی ان کو کوئی عار نہ تھا۔ رشتہ سے۔ دینا بھر کے جلسوں میں شریک ہونے والے تھے شدہ شدہ مرزا سلیمان شکوہ کی محفل میں بھی ان کا گزرا ہوا۔ کون نہیں جانتا کہ عیش و مسرت کے جذبات اس کا کام سے اور بھی ابھرتے ہیں جس میں رنگینی۔ شہسہرین تراشش۔ رنالت کی پاشنی ہو۔ انشا کے یہاں اسکی کیا کمی تھی انہوں نے مرزا

سلیماں شکر گوید کہ وقت بوقت اپنی سرشت اور آنسو کی برابری کے ساتھ غنائت  
 قسم کی شاعری کے انداز دکھائے۔ کچھ وجاہت ظاہری۔ کچھ انشائی خوبصورتی  
 کچھ نواب کی مصاحبت کی عزت کچھ بذلہ سخی۔ ظرافت بانی۔ کچھ مزاج شناسی وغیرہ  
 یہی چیز تھی جنہوں نے شاہزادہ مذکور کو ان کی طرف زیادہ متوجہ کر دیا غریب فقہ  
 متین۔ مہذب۔ جذبات حزن و انقباض ادا کرنے والے غیر احوال تنگدستی  
 فقر و فاقہ میں بسر کرنے والے۔ متین اور مہذب سنجیدہ بزرگوں کی آنکھیں دیکھنے  
 والے بڑے مصحفی کے یہاں یہ چیزیں ان کی توفیق کمال اور اگر تھیں تو شائستہ  
 علم۔ شرافت کے تودے کے نیچے دبی پڑی تھیں۔ نتیجہ دہی ہوا جو ہونا تھا۔  
 سلیماں شکوہ یا تو ان سے پھر گئے یا پھر سے نہیں تو انشائی چکی چٹری خوشامد  
 باتوں کی طرف زیادہ مائل ہو گئے۔ کچھ تنخواہ بھی کم کر دی۔ ہنسر غریب بڑے ز  
 جاکر شعر کہے۔

چالیس برس کا جو پالیس کی لائے	تھامر دم کہیں دس برس کے لائے
اسے واس کپڑے پہنچا دیے	ہم بھی تھے کہیں دو دو پکڑے کے لائے
استاد کا کرتے ہیں لیر لیر مقرر	میتا ہے جو راہ پر شاہین کے لائے

اسی واقعہ کے بعد ہے انشا اور مصحفی پر ایک رنجش کی بنا پڑ گئی۔ مگر ابھی یہ  
 رنجش دلوں سے زائل نہ ہوئی تھی اتنے میں ایک تازہ واقعہ یہ ہوا کہ انھوں  
 نے ایک غزل کہی۔

ہجرہ کی جو آئی گھڑ ماروت میں انکلی کی شاکے جاویدہ بارش میں انکلی

اسی غزل میں بعض شعر ایسے تھے جن پر سید انشا کو اچھے خاصے تفسیر کا  
 موقع مل گیا۔ اور بڑے کوئی بایا گیا شاعرانہ کا مقابل تھا  
 جو مصحفی یہ بھی لکھتا کہ میں از مرگ  
 انکلی اسکی دہری چشم چاہو نہ مانگی

تھا مصحفی کا ناجو چھپانے کو پان ننگ رکھے ہوئے تھا آنکھ تپا بونہیں انگلی  
پھر کیا تھا - بات کا متنگ بن گیا، جو دل کا لٹو دراتنا کھچا کہ تو یہی تو ہے۔  
مگر ان سب کو نہ ہمارے تذکرے کے لئے کوئی بڑا علاقہ ہے اور نہ لکھنا چاہتے ہیں اور دوسرے  
تذکرہ دہیں میں موجود ہیں وہیں سے دیکھ لیجئے - میں کچھ ظریفانہ رنگ کے شعر  
لکھتا ہوں -

دیکھا نہ میں نے ہند میں جب کہ پشادری لئے بچے سے معصومیت اپنی پشادری گئی  
کیوں نہ دل نظار گئی بچا لے لٹ لکھتوں میں حسن کی بندہ ہے ہی لٹ  
آزاد نے لکھا ہے کہ ایک سقنی کو دیکھ کر شیخ صاحب کی شوخی طبع کے منہ  
میں پانی بھر آیا ہے - اس غزل کے چند ظریفانہ شعر ملاحظہ فرمائے -  
پانی بھرے ہے یارو یہاں قمر مزی دوشالا لنگی کی سیج دکھا کر سقنی نے ماٹولا  
کاندھے پر شک لیکر جب قد کو خم کئے ہو کافر کا نشہ حسن بھٹائے ہے دو باللا  
دربارے خد میں کیونکر تہہ قد نہ ہو میں لنگی کے رنگ سے جب و بال تہہ کمر نہ لانا

ناچی ہو تری عالم لاہوت میں انگلی  
حایک کی گرفتار ہو جوں سوخت میں انگلی

اُس کے در پہیں گیا سوا گناستو کا چل بے چل دور ہو کیا لیکے تھکا  
سرگرم میر گلشن کیا خاک ہوں کہ اپنا نزلہ سے سو رہا ہے آپ ہی دماغ ٹھنڈا  
چنے عاشق نہ کیوں اسکے مموئے کہ چشم شوخ اسکی ہے ممولا  
جزاک اللہ دنیا یا تو نے صیاد قفس میں ازپے مبل ہند ملا



چپکے چپکے اسکے پیچھے ہے بھولا خنام کا  
 باں بہ تقریب سیاحت صوبہ خجاییں  
 صبح کو آئی کہیں زمین گنوار زلزلہ  
 آجکل آیا ہے شند سے اتر کر زلزلہ  
 کعبہ دل ڈھ گیا اضمنا مٹھنڈ سے ٹوٹ گئے  
 اللہ اللہ اب کرے گوشہ میں جھپکڑ زلزلہ  
 پاؤں پڑنے والا ہے اک حشر زارتقار کا  
 فتنہ محشر سے پیدا ہو باوجود ہرگز زلزلہ

**معروف** ذاب الہی بخش خاں نام تھا فخر اللہ ولد ذاب احمد بخش خاں بہادر  
 والی کے چھوٹے بھائی تھے دہلی میں رہتے تھے۔ چونکہ اوائل عمر سے درویشوں  
 اور اولیاء اللہ سے ملنے کا زیادہ شوق رہا اسوجہ سے آخر میں دنیا کو ترک کر کے  
 طاعت و عبادت میں زیادہ مشغول و مصروف رہتے تھے شعر و شاعری سے  
 اوائل عمر سے شوق تھا۔ نہایت مشاق و ذرا لکڑا ہوا تھے۔ آزادانہ آبجیات  
 میں انھیں ذوق کا شاگرد لکھ دیا ہے مگر یہ اتہام ہے ذوق سے ان کو مشق  
 ہرگز نہ تھی بلکہ قابلیت علمی میں وہ ان سے زیادہ تھے ابتداء میں شاہ نصیر  
 سے اصلاح لیتے تھے آخر میں وہ بھی ترک ہو گئی تھی۔ ان کی تصنیف سے  
 دو دیوان ہیں جو طبع نہیں ہوئے اور نہ امید ہے کہ آئندہ چھپ سکیں گے  
 معروف نے سلسلہ احمد میں دنیا سے فانی کو خیر باد کہہ کر سفر آخرت اختیار کیا  
 معروف مرحوم کو کوئی تفریق شاعر نہ تھے بلکہ برعکس اس کے اپنے وقت  
 خاندانی اور اپنی صوفیانہ روش کی وجہ سے وہ ایسی باتوں سے قریب قریب  
 اجتناب کرتے تھے۔ مگر اس تذکرہ میں ان کا نام نامی صرف اسوجہ سے لایا گیا  
 کہ انھوں نے دیوانوں کے علاوہ ایک چھوٹا سا دیوان ایک سو ایک اشعار کا  
 تتبع زمرہ کے نام سے ترتیب دیا ہے۔ جس میں التزام کیا ہے کہ تمام اشعار  
 میں معشوق کی سبز رنگی کی تعریف کی جائے۔ اور اس صنعت خاص کو بیان ترک

مرغوب سمجھا ہے کہ اپنی زندگی میں اپنے تمام احباب کے فزائش کر دی تھی کہ اگر کوئی محاورہ وغیرہ سبزی کاٹے تو ہلکو ضرور بتانا۔ اس میں اس قدر اہتمام تھا کہ شاہ محمدی پاس کے ایک شاگرد بھورے خان متخلص بہ کشف نے کوئی شعر کہا جس میں ہری چگ (جو ایک جانور ہوتا ہے) کا لفظ آیا۔ لڑاب صاحب نے بھی اتفاق سے وہ شعر سنا چونکہ اس وقت تک ان کے یہاں یہ لفظ نہ آیا تھا لہذا سو روپیہ دیکر یہ لفظ خرید لیا اور سوزوں کیا جو آگے چلکر لکھا جائے گا چونکہ ہم اس سے پہلے آبنوس کے اشعار لکھ چکے ہیں جنہوں نے یہ التزام کیا ہے کہ کوئی شعر سیاہی سے خالی نہ ہو۔ یہ بھی ضروری سمجھا کہ تصبیح دہر کے اشعار بھی نقل کئے جائیں۔ گو آبنوس کے یہاں ظرافت بھی شامل ہے اور ان کے یہاں یہ کچھ بھی نہیں مگر صرف اس قسم کے اشعار بھی تفریح طبع کا سامان ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ وہ صنعت جس کا شاعری میں التزام کیا جائے اور تشدد کے ساتھ اس پر قائم رہا جائے وہ خود بخود ایک قسم کی ندرت کے ساتھ ظرافت خیز ہو جاتی ہے۔

کسے تھا سبزہ رنگ اکدم بھر و اپنے جیسے	نشانی گرفتار ہوتا نہ چھلا سبزینے کا
بسکہ سبزہ رنگ ہر قابل مرا	نت ہر رہتا ہے زخم دل مرا
کوں یہ لیکے ہاتھ میں سبز کماں آگیا	ابرے سبزہ رنگ کا پھر مجھے دیمان آگیا
سبزہ رنگوں کی جو میلافت میں آزار بھی	خط صفرا یاں تکا گویا کہ رنگاری ہوا
حرف سبز اب سے منہ سے ہو کھلتا بید	سبزہ رنگ آج ہو تو نہ ہر انگشتا بید
سبزہ رنگ آگے بڑھا تو جوئے ساتھ سے ان	کیا کہوں آگے کھوٹے سے مے ہاتھ کے رات
قتل کی کچھ میرے سبزہ رنگ کریدیر آج	دل مرا جا ہے ہر سیر سبزہ شمشیر آج
سبزہ رنگوں کے فریبوں میں لے آیا بیٹھ	عشق نے پھر سبز باغ اسکو دکھایا بیٹھ





مقروض شاعر اودھ پرنس سابق کے ایک مضمون نگار نے اسی نام سے ایک تاریخ داغ لکھی ہے جو جہنہ درج کیجاتی ہے۔ انوس ہے کہ ان کا نام و مقام کچھ معلوم نہ ہو سکا۔ داغ کی ہجو کا سلسلہ تاریخوں کی صورت میں مدت تک اودھ پرنس قائم رہا تھا اسی میں سے ایک یہ ہے۔

کتنے ہیں لوگ۔ داغ کی صورت	ایسی تھی جیسے زاغ کی صورت
نام گلزار داغ ہے جس کا	ہے وہ اکا جڑے باغ کی صورت
تم کہیں دو بھی شربت دینا۔	ہوں سراپا ایاغ کی صورت
ہے ہمغز ناریل کی طرح	سر بسر ہے دماغ کی صورت
اٹھ گئے باے داغ دنیا سے	غم سے کیا مو فراغ کی صورت
داغ کے غم سے بزم ہستی میں	جل رہا ہوں چہراغ کی صورت
چشم بد دور واہ کیا کہنا	میں نے دیکھی ہے داغ کی صورت

منیر۔ سعادت یا خاں رنگین کے شاگرد تھے آفتاب خاں نام تھا دہلی کے رہنے والے تھے ایک شعر ان کا تذکرہ میں ملتا ہے چونکہ بیان سلسلہ النظرفا میں بھی یہی شعر درج ہے اس واسطے صرف اسی شعر پر اکتفا کرتا ہوں اسی ایک شعر سے ایک ضعیف سا احتمال ہوتا ہے کہ یہ طرافت کے شعر بھی کہتے تھے۔

جی چاہتا ہے زلف کا تیری ہاں کہیں شانے کے دانت توڑ کے اپنی زباں کہیں

مشہور۔ منشی اسد اللہ نام تھا۔ جیچڑہ جو بھگلی کے متصل ایک قصبہ ہے وہیں رہتے تھے منشی علی جان کے عرف سے معروف تھے۔ مولوی عبدالغفور نساخ کو اپنا کلام دکھاتے تھے۔ ریختی گوئی میں نہایت مشاق تھے۔ اور اس میں دگانا

تخلص کرتے تھے چونکہ اصل میں یہی تخلص تھا۔ لہذا حرفِ میم میں اس کا ذکر کیا گیا۔  
 سو بہانے تھے گرا آتے تو ہزاروں ڈھب تھے لاکھ صورت سے اجمی بات بنائی ہوتی  
 کل آنے جو مغل میں کہا میں نے کہ غافل جینے کے ترس غصے مجھے پڑ گئے لالے  
 سنتے ہی لگے کہنے وہ مخور سبھوں سے لو اور سنو یہ کچھ بڑے چاہنے والے

رات کو اک نگوڑے نٹ کھٹنے معن میں پاکے بے حجاب مجھے  
 مچھیاں لیں گلے سے لپٹا کے پھر لیا زانووں پر ساداب مجھے  
 منتیں کیں ہزاروں نہیں دیں کر کے چھوڑا مگر خراب مجھے

موج۔ خدا بخش ایک مغرور گویا تھا جو اکبرؒ کا رشتہ والا تھا۔ مگر بیشتر حصہ  
 عمر دہلی میں گزارتا تھا آخر میں لکھنؤ چلا آیا تھا۔ وہ میں انتقال کیا۔ سکھ پخت  
 لکھا ہے۔ مگر اس کا کوئی شعر جو رنگ ظرافت میں واقعی مہربان نہ سکا لہذا ایک شعر  
 جو تذکروں میں درج ہے اور اس میں ایک ہلکا سا ظرافت کا رنگ ہے درج کیا  
 جاتا ہے۔

لاکھوں کٹو ادے سر آن میں ہنٹے ہنٹے اے سری جان کوئی تو تو تماشیا تھا

مولانا مانی۔ ادیانِ تملکو سے متعلق تھے اور کبھی سے اور کبھی جہان میں  
 رہتے تھے۔ اپنے اشعار پر بڑا ناز تھا۔ مطالبات کہنے کا بڑا شوق تھا۔ چنانچہ ایک  
 قطعہ تذکرہ آتشکدہ سے نقل کرتا ہوں۔

دی بہ حمام اپنے غسل جماع گشت رہبر طایع میمون من  
 کیسہ مالے باسیرین چون بلور بہر مالش گشت پیر امون من

چوں مرابر رو فکند از اشتیاق  
جز شہوت گشت و تن خونین  
طرفہ ... بر سر ... م نہاد  
کاش بودے ... اور ... من

مہتر - عبد السمیع نام تھا۔ ضلع میرٹھ کے رہنے والے تھے۔ نہایت خوش  
تقریر نیک مزاج - بلند حوصلہ آدمی تھے۔ جس زمانہ میں تحصیل علوم فارسی  
وغیرہ سے فراغت پائی اور انگریزی کی طرف توجہ کی تو شاعری کا بھی شوق دانگیر ہوا  
چنانچہ خوب بیان کیا کرتے تھے کہ متعدد غزلیں کہیں - مگر دیکھا کہ کہنے والوں نے اتنا  
کچھ کہہ دیا ہے کہ اسی رنگ میں شعر کہنا نہ صرف فضول ہے بلکہ مقصد میں کا مضہ چڑنا بھی  
اسی خیال کو پیش نظر رکھ کر کچھ دنوں کے لئے شعر کہنا چھوڑ دیا ہے۔ مگر جذبات کا اہمار  
اور فطری ذوق دب کر نہ رہا۔ اس طرف سے توجہ کم ہوتے ہی ظرافت کی طرف بہ نکلی چرکین  
کارنگ پسند آیا۔ اور اسی میں کہنا شروع کر دیا۔ مگر صرف تعنن طبع کے طریق پر اس  
مشغلہ کو جاری رکھا۔ نہ کبھی اپنے کلام کو جمع کیا اور نہ کہیں چھپوایا۔ چند روز کے بعد یہ بھی زہا  
پھر برسوں شعر کی نوبت نہ آتی تھی سلاطین ایک روز مسجد سے نماز پڑھ کر محل رہے تھے  
کہ ایک شخص نے چاقو مار دیا اور اسی میں فوراً جاں بحق ہوئے۔ ایک مرتبہ میں نے  
اصرار کیا تھا تو یہ شعر سنائے تھے۔ جو اب تک حافظہ میں محفوظ ہیں۔

مہتر تمہاری جھاڑو سے افسوس آج تک  
سبزہ ہے رخ پہ یار کے اور صاف بھی نہیں  
مہتر یہ چاہتے ہیں کہ مرنے کے بعد بھی  
بیت اخلاکے پاس ہمارا مزار ہو  
ہم کو اسے مہتر پسند آتا ہے بس وہ چھوڑا  
جو لئے پھرنا ہے اپنے ساتھ بچہ ڈکرا

مہری - ہروی الاصل تھی شاہ رخ مرزا گورگان کے زمانہ میں گوہر شاہ  
بیگم کی خواہوں میں منسلک تھی۔ نہایت عقیل اور حسین و جمیل تھی۔ مطاببات

لکھنے کا بھی کافی شوق تھا۔ اور اپنے شوہر خواجہ عبدالعزیز کے ساتھ جو درباری اطباء کے زمرے میں ملازم تھے نہایت مذاق اور مسخر کیا کرتی تھی۔ چنانچہ ایک دن کا ذکر ہے کہ خواجہ مذکور آ رہے تھے اور مہری اپنی بیگم کی مصاحبت میں بالان خانہ پر ٹھہری تھی۔ مہری نے خواجہ صاحب کو آتے دیکھ کر اور خواصوں سے کہا کہ خواجہ کو جلد بلا لاؤ۔ چنانچہ خواصوں نے خواجہ سے جا کر کہا کہ جلد جلد چلے بیگم صاحبہ یاد فرماتی ہیں۔ حکیم صاحب نے حالت اضطراب میں جو جلد جلد چلنے کی کوشش کی۔ تو گر پڑے۔ بعض تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے کہ خواجہ نے بیگم کے انبساط طبع کی وجہ سے دانستہ ضعف کا بہانہ کیا اور پیرانہ سالی کی حرکتیں کرنا شروع کیں بیگم بہت ہنسی اور مہری سے فرمائش کی کہ اس حالت کو نظم کر کے عرض کرے۔ مہری نے حسب الحکم یہ اشعار کہے۔

مرا با تو سر یاری نمائند است      دل مرد وفا داری نمائند است

ترا از ضعف پیری قوت و زور      چنانکہ پاسے برداری نمائند است

بعض تذکرہ نویسوں کا بیان ہے کہ مہری کو سلطان شاہ رخ مرزا کے بجائے سے بڑی محبت تھی اور اس محبت پر لوگ ناجائز تعلق کا گناہ رکھتے تھے۔ یہ قصہ ایسا مشہور ہوا کہ خواجہ عبدالعزیز کو بھی خبر ہو گئی۔ ایز شدہ شدہ یہ خبر بادشاہ کے کانوں تک پہنچی چنانچہ شوہر کی استدعا پر بادشاہ نے مہری کو قید کر دیا۔ مہری نے اسی حالت قید میں یہ رباعی کہی

نمہ کندہ نہاد سر یسین تن را      زیں واقعہ شیوں بہت مرد و زن را

افسوس کہ از کندہ سخا ہر فرسود      پاسے کہ زو شاخہ بود صد گردن را

ایک روز شوہر نے اپنے یہاں کی عیش و عشرت پر توجہ دلائی اور اس کے ساتھ ہی مہری سے اسکی یونائیوں کی شکایت کی۔ مہری نے برجستہ یہ رباعی کہہ کر خواجہ صاحب کو سنائی۔

در خانہ تو انچہ مرا شاید نیست      بندے ز دل ریدہ بکشاید نیست  
 گوئی ہمہ چیز دارم از مال و مال      آسے ہمہ ہست انچہ مباد نیست  
 اس طرح ایک مرتبہ میاں بیوی میں جھگڑا ہو رہا تھا۔ بڑھے شوہر کی زبان میں  
 دور آگیا تھا جو چاہتا تھا کہتا تھا۔ مہری پہلے تو سب باتیں خاموشی کے ساتھ سنتی رہی  
 مگر جب غصہ ضبط کی حدوں سے باہر ہو گیا۔ تو یہ رباعی مکر سنائی۔  
 شوئے زن نوجواں اگر پیرود      چوں پیرود ہمیشہ دلگیر بود  
 آسے مثل است آنکہ گویند ز نال      در پہلوئے زن تیرہ از پیر بود

مہستی۔ گنجہ کی رہنے والی تھی نہایت شریف النسب تھی۔ بعض لوگوں  
 نے اسکو نیشاپوری لکھا ہے۔ تذکرہ آتشکدہ کے مصنف نے لکھا ہے کہ  
 عورتوں میں ایسی شاعرہ کوئی نہیں ہوئی۔ سلطان خجّر کے مصاحبین میں منسلک  
 تھی۔ نہایت زوگو حاضر جواب بذلہ بیخ تھی۔ چنانچہ ایک روز کا ذکر ہے کہ چلے  
 کے جاڑے میں جب برف خوب گر رہی تھی۔ درو دیوار سفید ہو رہے تھے سرد  
 ہوا کے جھونکے چل رہے تھے۔ رات کے وقت کسی ضرورت سے بادشاہ نے  
 مہستی کو تھوڑی دیر کے لئے باہر بھیجا۔ جب واپس آئی تو جاڑے کی وجہ سے سرگئی  
 تھی۔ بادشاہ نے مذاقاً کہا کہ اسوقت باہر کا کیا حال ہے۔ مہستی نے فی البدیہہ  
 یہ رباعی نظم کر کے سنائی۔

شاہ فلک اسب سادات زیر کرد      در جملہ خسرواں تراختیں کرد  
 تا در حرکت سمند زیر خلعت      برگل نہ ہند پائے زمیں میں کرد  
 اس کا کلام عبد اللہ اوزبک کے قصیدہ کے زمانہ میں خصوصاً شیخ بہرائی کے  
 وقت ضائع ہو گیا۔ اس کے مضامینات کا نمونہ یہ ہے۔

قصاب چنانکه عادت اوست مرا  
بگفتد و بگشت گفت کفایت مرا  
سر باز به غدر می نهد بر پانجم  
دم میدهم تا به کند پوست مرا

قاضی چو زلفش حامله شد زار گریست  
کفتا ز سر کینه که این واقعه چیست  
من پیرم و... من غمی جنبید بهیچ  
دین قحطه مریم است این بچه زکیست

آنی لکهنو بهیچ کس تو چیرے نہ دہی  
صد چوب مثل خوری دتیرے نہ دہی  
شکے کہ ادو روغن بزرگ گیرند  
گر بر شکمت نهند تیرے نہ دہی



## حرف نون

نمازی ۔ محمد شاکر نام تھا۔ بڑے حرفت و طرفت تھے۔ نادر شاہی لڑائی میں  
 زندہ رہے۔ سب تذکرہ نویس اس بات پر متفق ہیں کہ زمانہ کے دستور کے موافق یہ  
 طرافت اور پھکڑ کے شعر زیادہ کہتے تھے۔ میر تقی میر اپنے تذکرہ میں لکھتے ہیں  
 ”جو اپنے بود آبلہ رو۔ سپاہی پیشہ مزاجش بیشتر اکل بہ ہزل بود معاصر میاں  
 آبرو۔ بندہ باو یک دو ملاقات کردہ بودم شعر ہزل خود بخواند۔ و مردمان را  
 بخندہ می آورد و خود نمی خندید۔ مگر گاہے تبسمی میکرد۔ و طیش شاہجہان آباد  
 جوان از جہاں رفت“ اسطرح میر حسن۔ اپنے تذکرہ میں لکھتے ہیں۔ ”دراوکل  
 سلطنت محمد شاہ مردے طرفت طبع بود اکثر از لطائف و طرائف مردمان را  
 بخندہ می آورد و خود نمی خندید۔ مگر تبسمی میکرد“ اسطرح آزاد اوجیات میں لکھتے  
 ہیں۔ ”اہل سخن نے انھیں طبقہ اول کے ارکان میں شمار کیا ہے۔ امیر خاں جو  
 محمد شاہی دربار کے رکن اعظم تھے یہ ان کے نعمت خانہ کے داروغہ تھے مگر تیز مزاج  
 اور شوخ طبع بہت تھے۔ راہ چلتے سے ابھجتے تھے اور جس کے گرد ہونے لگتے  
 اسے پچھا چھڑانا مشکل ہوتا تھا۔ سندرجہ بالا بیانات سے ان کی شوخ طبعی اور  
 طرافت مسلم ہوتی ہے۔ مگر کسی مصیبت سے طرافت کے تذکرہ لکھنے والے اسطرح  
 کہ ایک شخص نے بھی اں میں سے طرافت کو ایک شخص نقل نہیں کیا۔ مجبوراً انھیں  
 متین اور مہذب اشعار میں سے کچھ ایسے شعرا انتخاب کرنا پڑے جن پر ان کی شوخ مزاجی



کی مہریں لگی ہوئی معلوم ہوتی ہیں اگرچہ وہ سراپا رنگ حرافت میں نہیں ہیں۔  
پھر بھی سب کچھ ہیں۔ گو کم ہیں مگر نمونہ کے لئے بہت ہیں۔

بے نواؤں سے نہ ملے موکرت پیچ کھا  
مونڈ سر لڑکوں کو کرتے ہیں وہ اپنا بالکھا  
رکھے اس لالچی لڑکے کو کوئی کب تک پہلا  
چلی جاتی ہے فرمائش کبھی یہ لالچی نہ لا  
اگر ہو وہ بہت کا فر کبھی اشتان کو ننگا  
بکبیر میں دیکھ کر چڑا اُسے غوطے میں جا لنگا  
نہ ٹوکو پار کو کہ خط رکھاتا یا منڈاتا ہو  
مے نشہ کی خاطر لطف سبزی بناتا ہے  
جو کوئی کچھ کے پگھل جاٹے  
شعر وہے ہمارا موم کی ناک  
ہمیں تو بوسہ نہ دینے کہا نہ کہہ کے دیا  
جان ہے جوڑا ہے دلبر ہے  
لب جان بخش آگے تیرے سخن  
جہاں دل بند ہونا چاہیے اور نہ ہو

ناز سید حسن نام ہے۔ تکیہ ضلع راس بریلی کے رہنے والے ہیں۔ دور وجودہ  
کے خوشگو ظریفوں میں ہیں۔ عاشقانہ اور ظریفانہ دونوں رنگوں میں شعر  
شعر کہتے ہیں۔ عربی۔ فارسی۔ اردو۔ انگریزی۔ اور قدس ہندی جانتے  
ہیں۔ جس زمانہ میں لکھنؤ میں قیام تھا۔ راقم الحروف کو اپنا کلام دکھاتے تھے  
اب دو تین برس سے نہ ملاقات ہوئی نہ کوئی کیفیت معلوم ہوئی۔ ناز ایک دست  
آشنا۔ نیک مزاج۔ نیک نفس آدمی ہیں۔ لکھنؤ کے اکثر مشاعروں میں ہزل  
اور غزل دونوں پڑھاتے تھے۔ اب نہ معلوم حرافت کہتے ہیں یا نہیں۔ ان کو  
کلام میرے پاس موجود نہیں ہے مگر تذکرہ تبسم گل سے نقل کیا جاتا ہے۔  
اس کے علاوہ اور جو شعر یاد آئے گا وہ لکھ دیا جائے گا۔

ہزاروں اور اچھی اچھی چیزیں تھیں نائے میں  
اسی ٹٹی کے پیچھے کھیلنے ہیں یہ شکار اکثر  
جہاں گردش قسمت لکھاتی ہے انھیں نائے  
مگر اس چوٹی والے کو میرا دل پسند آیا  
جناب شیخ کو انداز ریشاں پسند آیا  
فلادریل کو بھی انداز پیرپل پسند آیا

قیمہ کرنے کے لئے یاس جو قاتل آیا  
فعل فعل کی جہاں کہ پڑھی صورت کبیر  
اب پلیڈرنہ کہو دو بچھے لیڈر کا خطاب  
ایک دانہ بھی ہے اس قوط میں ملنا و شمار  
پاؤ بھر ساتھ میں لیتا ہوا فلفل آیا  
ساتھ مفعول کے پکڑا ہوا فاعل آیا  
اتو کھدر کا اگر کھا بھی مرسل آیا  
شکر کر شکر کہ ہونٹو نہ تھے تل آیا

مجنوں میاں نے ڈھیلیا ہمارا گیسٹ  
سلی اچک کے پردہ محل میں گئی

اے وہ قتل گرد بتا ہے جس داں سے ملتا ہے  
نہ معشوق کا میرے ہاں کو خاں سے ملتا ہے

سوال وصل پر ان کو حیا کی حجاب آیا  
حسینوں نے عجب گلچن مچائی زہر نہ انہیں  
نزاکت کا غور اچھا نہیں ہوتا ہے سن لیجئے  
جوانی میں ہر اک صورت حسین معلوم ہوتی ہے  
مگر میں بھی بڑا ہی مسخرا تھا چونٹ داب آیا  
ایک کر کھا گئے فوراً اگر کوئی کباب آیا  
پکڑ کر ٹھونک ہی دوں گا اگر بھوکھو عتاب آیا  
دلہن بجا لگی جسدن گدھی پر بھی شباب آیا

سونول سے میں چراغ بنم ساقی ہو گیا  
ہمل رسالہ میں بھی اک تنکیر و تانیہ کا  
اس میں کس کچ پنج پڑی جو ہوسہ کی حکمت  
رات بھر جنتا رہا اوجھٹھنڈی ہو گیا  
رات بھر غار رہا اوجھ مرغی ہو گیا  
دہ لگی کہنے کہ اوولی کیا نوابی ہو گیا

کل جو گرہاں گھلیں آسنے لطف وصال ہو گیا  
اب انہیں یہ فکر ہو اس پر کہ کیوں نہ کر ستم  
اب اس بہت کسوٹی ڈالیں تاکہ میں سبکی بکریں  
دیکھ کر کیوں نہ کہیں آ غریب تہ ہے پیرے  
وہ مری بھاری جہنم میں اٹک بھالے ہو گیا  
اتھا تو جو تھکائے گا میرے عادی ہو گیا  
اونٹ ہو وہ یا کہ عاشق ہو باقی ہو گیا  
وہ ابھی بچو میرے اور میرا شادی ہو گیا

اس طرح کی بہار ہے اب سے یار میں  
لیلی کے قافلہ میں عجب اہتمام ہے  
مت جاؤ قافلہ کے لئے قبر غمیر پر  
لیلی کے سارباں کے شتر غم سے دیکھئے  
معلوم ہو گیا سبب اضطراب بھی  
دعوت کے ساتھ ہی مری نسل مل بھی ہوئی  
کمر کھ لگی ہو جیسے کسی سنو ندر میں  
مجنوں میاں میں ہڈی لگی قطار میں  
ٹانگیں پکڑ کے کھینچ ہی لیکار میں  
مجنوں میاں کے کان بندھے میں مہار میں  
وہ کودتے ہیں میرے دل بے قرار میں  
بنیگن کے چھلکے ڈالے ہیں آسنے گھار میں

بیری پیو کھائے وہ ماہر و ہمارا  
لہتا تو صحن تیسے شک ہینڈ مانگتا ہے  
کس طرح سے عبادت اب ہو سکے گی دعا  
بندر کی نسل سے ہے وہ خوش گلو ہمارا  
ہم ہے چٹا کرانی کیا آبرو ہمارا  
دیکھا آسے تو ٹوٹا فوراً دھنو ہمارا

نہا پند کا بھی بڑا باپا اچھا رہا پھین ہیں  
جب چاند نہ گئے تو بھانگے وہ وین کی شب  
کچھ فرق ہی نہیں ہے اڑی ہیرا در میں  
کیا سحر تھا آگے ٹن ٹن ٹن میں

دشمنی کے لئے تیار ہے بلی والا  
کیسا ناواں ہو سخت سمجھتا ہی نہیں  
کیوں بنایا ہمیں: اللہ نے مرغی والا  
تو نہ کو کتنا چوک تو مائے ٹوٹنی والا

شبِ غم کی تیرگی میں یہ کہا کیا ہوں شب بھر  
رات دن احمق بنانے میں مرے مشغول ہے  
کیا قلندر رہ گیا میں کیا مجھندر رہ گیا  
پکے منڈی سے دیا پورا بھٹے انچور کا  
ڈبیا دیا سلائی فریاد رس الہی  
آپ ہیں پوری بلیدی یعنی خالص فول ہیں  
یہ کچھ پہلے رکھتا تھا اب ایک بندر رہ گیا  
عاشقوں سے کام دہ لینے لگا مزدور کا

وہ بیوفا ہے مگر کتنا خاندانی ہے  
اگرچہ اور بھی غم ہیں ہزار ہا جھکو  
ہر اک کچھ سیر ہو مضر آل چو شِ نیا  
یہ کس کے غم میں بنے سو گوار تم آخر  
کہ باپ ہستی جو مال اسکی مہترانی ہے  
شبِ فراق مگر سب غموں کی تانی ہے  
کھنچی ہوئی بہت سفاک کی کمائی ہے  
کہ سر کھلا ہوا ہے ساری آسانی ہے

چڑھتے ہیں دونے ہزاروں اسکے اوپر زات من  
جب سے دشمن نے پڑ بایں پٹیاں اس شوخ کو  
تیرہ بختی میر: ہماری داغ دل چکے ہیں یوں  
یہ ضحک کا عالم ہے کہ ہوں کہ نہیں سکتا  
دہ بت بدخو مزارِ شیخ سدو ہو گیا  
سچ تو ہے میں تو بس آسدن سے اُتو ہو گیا  
ناز جیسے اک سیہ اطلس پہ اُتو ہو گیا  
مرغا ہوں مگر کو کرڈوں کوں کہہ نہیں سکتا

پیر زون نے جب سنائی مرگ شیریں کی خبر  
کوہ کن کی یہ خبر سنتے ہی تانی مر گئی

خیال اُن کا رہتا ہے سر پر سوار  
سحر اٹھتے ہی آہ کرتے ہیں روز  
ہے معشوق میرا جو مجھے بڑا  
اسی سے وہ مجھ کو گدھا جانتے ہیں  
ترے غم کو ہم ناشتا جانتے ہیں  
اُسے لوگ میری دوا جانتے ہیں

عجیب سے اسکو کہتے ہیں محبت نہیں چوتی ہے  
 جلتے بھی ہیں اور پھر نرم سے جھک اٹھتے ہیں  
 اسی سے آگ لگتی ہے نہ دانا نہ دانہ  
 غرض یہ ہے کہ تیسرے طرح سے جان دیتے ہیں  
 جوڑے کو تیرے چاہے کچھ نہ کچھ  
 مے روئے کو بھی اپنے دمے غرض سمجھتے ہیں  
 تری گری الفت کو ہم اک آتش سمجھتے ہیں  
 نہ ہم دانش سمجھتے ہیں نہ ہم کاہش سمجھتے ہیں

ملے ہیں جھکوبند کیا جب کہ دوستی  
 کی بال بال سنج شکر کے ساتھ  
 مغل سچ کے میں نے بھی شہ جہاں  
 مونچھیں منڈا میں اُس سے خود میرے ساتھ

پتھر بنے ہوئے تیرے وہ پرے رہے  
 جوش جنوں میں بالہ مردیہ نہ آگیا  
 آن کے خرام نہ آنے کی خوشیاں بہت  
 فریاش اپنی جو رو کی کرتا ہوں پورے  
 جس بات پر اُسے تھے اُسی راٹے ہیں  
 کہنے سے وہ بندھے ہوئے شہ جہاں  
 مے جہاں گئے تھے وہیں برکت رہے  
 گھنگر و قنادے پر نقطہ اب ٹپ رہے

آواز کیا ہے رنڈیوں نے  
 جو رو کا غلام ہو گیا ہوں

پروا نہیں ہے اٹلس و کنو اب کی مجھے  
 لیا نے سب سہیلوں کو حکم دیدیا  
 عشرت ہے ایک جھک تو غم میں ہزار  
 یوں پھر دیا ہوں اس سے کراہش  
 کیا چیز ہیں یہ میرے ریا کے ساتھ  
 کوئی نہ کچھ کے مری میا کے ساتھ  
 تو لہ بھی کوئی چیز ہے ڈھیا کے ساتھ  
 بھرت ہے پھر اجڑا جڑ گیا کے ساتھ  
 تیرے کیا کروں تیرے سے... کی  
 سبزوار لگا ہوا ہے گڑھیا کے ساتھ

جب سے کچھ فارسی پڑھی ہے اس روز سے تیل بچتا ہوں  
عاشق ہوں شباب پر تھا ہے اس واسطے بیل بچتا ہوں  
ہے محل یا جو قطر میں ادنیوں کی کھیل بچتا ہوں

کل بلا یا بھگو اپنے محفل مولود میں میں چرا لایا دواں سے چند ہنڈیاں کھیر کی  
بھائی نے بھی تو پایا ہے ساتھ آخر ماں کو وہ کیوں بن کے واسطے ترکیبے ہمیشہ کی  
زاغ نامعقول کہتے ہیں بھلے ناز وہ جب سے سہل میں ضرور تھپے نہیں انحر کی

کیا بتائیں کہ بھر بچ ہیں کیا ناز یہی کی کم ہے کہ کل رات کو انہوں نے ملی  
مست میں رات کو بیٹھا تھا کہ وہ آپہنچے میں تے ڈھونڈی بھی مگر بھگو لگو ٹی ملی

سر منڈا کر ہاتھ میں تسلیج لیکر رات ناز جانب میخانہ ہم پہنچے تو بڑے گئے

پہلے ہی نہیں عادت مری محبوبیاری وہی کہد وکا سالن ہے وہی بگین کی ترہ کا

بہت بیتاب تھی دلیں ملے طاق جانی کی ملی بیت الخلاء میں ایک لڑکی سترانی کی  
نری خاموشیوں نے بھگو نظر نہ کر لیا ہے ادائیں تجھ سے اچھی ہیں بھی گنتی مانی کی

سر میدان الفت عاشقوں کھون پی پی کر ٹھٹھکیا ہے یا چندر ..... والا  
سیاں جاڑوں کے موسم میں لگوئی بھی نہیں ملتی دلاں پہنے ہوئے پھرتا ہے بڑے ..... والا

جو ہم غمی سے کسروں سے مرڈ لے ہیں تو کس غضب کی دہ اگر چہ لگا تھیں  
اسے وہ قتل کر دیتا ہے جس کو ادا ملتا ہے نسب معشوق کا ایسے ہلا کو خاں سے ملتا ہے

مازنین - تذکرہ نساخ میں ان کا نام علی بیگ لکھا ہے۔ مگر تذکرہ  
صابر میں ایک عورت کا تخلص ہے بیان کیا ہے اور یہ اعتراض کیا ہے کہ یہ  
علی بیگ کا تخلص نہیں ہے چنانچہ لکھتے ہیں "غلط فہمان اور شناس کی  
نظر میں تخلص ہے مرزا علی بیگ نام جو ان خوش اسلوب رستم تو ان بزرگ و قوت  
سہراب طاقت کا۔ مازنینان کشور جمال اس کے حسن و یوسفی پر اگر زبانی کا دم  
بجھیں کچھ دور نہیں اور نازک نہ لالہ گلشن حسن اسکے گل رخسار کی ناز کی سے اگر  
آپ کو غنچہ برگ ریز تصور کریں تو کیا عجب ہے۔ اس کے خم کے آگے زور از مایاں ریز  
خانہ طاقت کا سر جھلکتا ہے۔ اور اس کے فقرہ مردانہ کے سامنے شیر صواہر  
بیشہ شجاعت کا دم بند ہوتا ہے۔ اور یاران اہل انہم اور حریفان اور شناس جانتے  
ہیں کہ مازنین نام ہے اس حیلہ آفرین شعبہ ایجاد کا ناز و انداز و غمزہ طرازی  
و عشوہ سازی گاہ عشاق۔ یہ قرار سے لطف کے پردہ میں جان کا خواباں ہونا  
اور گاہ اغیار نامحرم کی لعل میں۔ یہ بیکلک سونا الخ "مگر خالی یہ ہلی کے رہنے والے  
تھے اور استاد و ذوق کے شاگرد تھے۔ ریختی گوئی میں اپنا جواب نہ کھینچتے۔ چنانچہ بلوی  
عبد الغفور نساخ نے ان کے کلام کو جان صاحب کے کلام پر ترجیح دی ہے۔  
یہ صاحب دیاں تھے۔ مگر اب صرف تذکرہ میں کلام ملتا ہے۔ دیوان ناپید  
ہو گیا۔ تذکرہ صابر کی ترتیب یعنی سلسلہ تکب زندہ اور تحریر دہلی میں موجود  
تھے۔ ذوق سے ان کو خاص محبت تھی۔ چنانچہ ان کی رفا کا قطعہ تاریخ لکھا ہے۔  
جسکے لفظ لفظ سے عقیدت اور محبت کا چشمہ جوش بار رہا ہے۔

نہیں تاز نہیں رنج کرتی کسی کا  
 بلا سے رکھوں شاد دل کو تو اپنے  
 گیا جب سے پار اور درخت ہے بھٹی  
 اگر میں نے کنبے کی عزت ڈیوٹی  
 خضم جب مولوں دیوں کو گر لایا  
 و لیکن تجھے کالوں سے ہے الفت  
 غم ذوق میں رات بھر میں نہ سوئی  
 مایاں ذوق کو میں برا آپ دئی  
 اسی رنگ میں قطعات نہایت عمدہ عمدہ مکے میں تذکرہ قطعہ منتخب سے ایک  
 قطعہ نقل کرتا ہوں۔

تاز نہیں اتنا بھی ہرجائی پتا  
 روزاکن بگڑے کی نہیں ہوائیاں  
 یہ تمھارے آگیا کیا دیہان میں  
 روز رہتی ہو اسی سامان میں  
 نمونہ کلام رنجی یہ ہے۔

ہوئی عشاق میں مشہور یوسف ساجوان کا  
 میں اپنے سر کو دہاتی ہوں برا اور یہ شاہو  
 براہم عورتوں میں تھا بڑا دیدہ بھکا  
 موابٹھا ہے کیا خوش خوش کہ دلی یا قضا

کوئی بیٹھا ہو تجھے ہے کام اپنے کام سے  
 سونا کبھی شوہر کو میسر نہیں ہوتا  
 لے لگوٹے آدمی تو تو جواں ہو گیا  
 عورت انھیں باتوں سے ترا کر نہیں لیتا  
 ایسا کسی قبیلے نے بھایا تھا کہ شب بھر  
 میری تاز کھوئی اس صوفی نے اگر  
 اے زنا خیزی مردو ہے بد گمان  
 رات بھر عورت ہی بات لاد رہی جو لاجپاتی  
 اٹھی تھی لے ددا میں کھنٹ ابھی ہنا کر  
 تو نہ کر باتیں ہمارے کان میں  
 اے ددا ایسے نزدیک ہے بڑا لاجپاتی  
 تم کو کسا بوز پانی پکٹا اچھل پکٹے  
 کس جا بٹھا ہے دیکھئے اب سماں تجھے  
 خواہ کیوں جس سے ذرا بھی نہ ختم سکے  
 دس گھر تو چھپ چکے ہیں کیا نیک کر دس خضم



نارنگ - دور موجود ہے کہ ایک شاعر ہیں جنہیں رنجی کوئی کا بدریہ الخروشن  
 ہے پرائیوٹ ایک شاعرہ کہتے ہیں اور اس میں مخصوص مخصوص اپنے اسباب کو کہلاتے ہیں  
 جن میں خوب خوب داد و ظرافت و بجاتی ہے۔ لیکن یہ عجیب اتفاق ہے کہ اب تک  
 نہ اس رنگ کا کوئی کہنے والا کوئی آپ کو جانتا ہے اور نہ ان لوگوں سے کوئی واقف  
 ہے جو اس صحبت میں شریک ہوئے ہیں وہ اس کو یہاں تک چھپاتے ہیں کہ میرے اصرار  
 کے باوجود بھی مجھ کو زیادہ کلام نہیں دیا گیا۔ اور یہ نہ اجازت دی گئی کہ آپ کا وطن  
 اصلی آپ کی یاقوت اور آپ کا نام نہ کرے میں لکھوں تخلص یہ تو خالص ہے گو آپ کا  
 قیام فی زمانہ لکھنؤ میں ہے۔ مگر لکھنؤ آکر بہار میں اصلی نہیں ہے۔ آپ ایک بہترین  
 شاعر ہیں۔ گورنگ رنجی میں میرے نزدیک ابھی تک چنگی پیدا نہیں ہوئی ہے  
 مگر اس طرح مشق جاری رہی تو جلد آپ سراج ترقی پر پہنچیں گے۔

خدا بچا ہے بوا مردوں کے دیر سے	کہہ تاک جہاں تک لگتے ہیں یہ نیلے
کو سا بچی کو تو دیدہ ہے جو بکلا لوں گی	ساتھ لڑی میں ہی ایک رہا ہے بنو
چار میں بیٹھ کے کیا آنکھ اٹھا سے کوئی	طاق بھرنے جو اکیلی چلی جا سے کوئی
انگلیاں بھونکنے آنکھوں میں چکایا شب بھر	نوج رنگس کو دیا ساتھ سلا سے کوئی
میں تو لڑتے میں بد اعادہ کی کہتی چلی	سنو سے کہہ لے ہمیں یرے دکھا سے کوئی
میں نگوڑی کہیں آئی نہ گئی اسے بنو	پھر بھی لکھنؤ میں مجھے نہ دے جاتے ہیں
اکیلے رات کو کیوں اسے تم یہاں مرزا	جو کامیں کا میں چاہنے لگی دنی بچ
جہیزی ایسی کہیں نوج ہو کوئی چنیا	اب انڈے دے کے بھی کھا نہیں گئی بچ
بیڑوں والی پوتوں والی	ہاتھوں میں چپلے کا توں میں بانی
دانتوں میں ہی دانتوں پر ہر	ہاتھ پہ افشاں ہونٹوں میں لٹلی
میں نے سب کو سمجھا ہے	سودا میں ہر بری دیکھی بھالی

ناطق تخلص ہے میرے استاد مکرم مولوی سید ابوالحسن صاحب کا  
 وطن اصلی گلا دھٹی ضلع بلند شہر ہے۔ مگر اپنے کاروبار کے سلسلہ کی وجہ  
 سے ناگپور سی پانی میں مقیم رہتے ہیں۔ مولانا عربی فارسی انگریزی اردو  
 ناگری کے منتہی فاضل ہیں اور لطف یہ کہ آپ کو تمام درسیہ کتابیں مستحضر ہیں  
 شاعری میں آپ استاد داغ مرحوم کے ایک مایہ ناز شاگرد ہیں اور اسیدوجہ  
 سے زبان پراقتی زبردست قدرت ہے جس کا جواب نہیں۔ محاورہ بندی کا کپکپ  
 نہایت زبردست شوق ہے۔ اور اس میں سوائے ذوق مرحوم کے شاید کسی  
 شخص کو کبھی اتنی کامیابی نہیں ہوئی۔ آپ کی غزلیں زبان میں ایسی بسی  
 ہیں کہ دوسری جگہ ان کی نظیر نہیں۔ زود گوئی کے ساتھ خوشگوئی اور سخن  
 فنی آپ کا خاص ورثہ ہے۔ غزلیات کے علاوہ نچرل نظموں میں بھی آپ کو قدرت  
 حاصل ہے۔ لفظ ناطق آپ کی نچرل نظموں کا مجموعہ عرصہ ہوا کہ طبع ہو چکا ہے  
 عرصہ سے چونکہ آپ کو سیاسی امور سے ایک گہری دلچسپی ہو گئی ہے۔ اس واسطے اب  
 اب مہینوں سے یہ ذہن بھی نہیں آتی کہ آپ کوئی غزل لکھیں۔ البتہ آپ نے  
 دیوان غالب کی جو ایک شرح لکھی ہے وہ بتسلل جلد یار ہیں شائع ہوئی  
 ہے۔ راقم الحروف سے آپ کی قرابت بھی ہے ششہ اع میں آپ سے نیاز حاصل  
 ہوا اس وقت سے آپ کی خاص غزلیات اسی زار کے حال پر بندول رہی۔ مگر  
 اب عرصہ سے خط و کتابت بھی متروک ہے۔ مگر بعد معنوی نہیں ہے۔ آپ ظرافت  
 کو مستحضر نہیں کرتے۔ لیکن بعض مرتبہ اس کا بھی اتفاق ہوا ہے اسیدوجہ سے اکثر غزلوں  
 غزلوں میں ظریفانہ شعر کل جاتے ہیں جن میں مہذب ظرافت کے ذرہ میں کھنکھنا  
 چاہتے۔ چنانچہ ذیل میں کچھ اشعار اسی انداز کے لکھتا ہوں۔ آپ کی عزرا ب  
 تقریباً ۷۷۔ سال ہو گئی۔

اسے گا تو کیا گھول کے بنی جائیگا دشمن  
کچھ غیر کو مجھ سے گا انفسام و خاکا  
گر گٹ کی طرح رنگ بدلتا ہے بطور  
پہلے تو اڑے مجھے وہ اکرمے بس میں  
دیکھو تو ہمیں ہم بھی نہیں منہ کے ذراے  
اس شوخ نے کچھ ہجو اڑا ہے یوں بے شمار  
دشمن نے تو کچھوت کی طرح پاؤں نکالے  
جب بس نہ چلا کچھ تو کہا صبر جو اسے

رہ بخش ہے جا بھالی جا بیگی  
دھریا جائیگا راضی پھیر کر  
یہ مروت کس سے پالی جا بیگی  
دختر رز کو تو الی جا بیگی

نکل دل سے جو تیرا ہی نہیں ہو تو تیری  
خدا کے گھر میں سپہ کیا ہے بے شمار

ہمارے میکہ میں مجھ سے کجا در نہیں اعلا  
کہ پہلے ہی سنا ہے تیری چاہ تپ تپا خلی کا

دستہ رس پاؤں تو دریاں بھجوتے ہاں ہاں  
مار دوں ہاتھ اگر پاؤں کی آواز سنو

مذاق ہے یہ جفا کچھ جفا نہیں ہمام  
ایک صاحب جو مولانا کو ہمیشہ دوستانہ نصائح کر کر کے پریشان کیا کرتے تھے  
ان کے لئے ایک شعر کہا۔  
یہ مقلد ناصح شفیق پہ چسبنا بر گیا  
موت نہ یہ نہیں اور نہ ٹپ بڑ گیا

ایک مرتبہ ماہران جنگ عظیم میں ایک قتلہ لکھا تھا جسکا ایک یہ شعر ہے۔  
آئی مثل صادق ہے اس وقت قیظ نہیں پر  
ناگہور میں ایک صاحب تھے جو بظاہر درویش تھے باطن کو خدا جانے کہ کیا تھا

اتفاق سے مولانا سے اور ان سے کچھ سخت باتیں ہو گئیں اور بڑھتے بڑھتے انجھام  
دشمنی تک پہنچا۔ اسے مولانا نے یہ رباعیاں لکھیں۔

دوست کا ہمیشہ ایک دشمن نہیں  
گنتی نہیں روز ہاتھ اندھے کے ٹیر  
چرخ بی بخت ہو کہ منظور نہیں  
ہر شخص جو انگڑا ہے وہ تیر نہیں

بدسل کی اصل پر نظر ہے کہ نہیں  
دشمن کی مکینہ پن پہ حیرت کیا خوب  
ناطق کو نسبت کی خبر ہے کہ نہیں  
داوی ڈہرتی تھی وہ اثر ہے کہ نہیں

خمار ہے جب خم سے بد لکر بد خو  
میدہ ابو الحسن کا دشمن کیوں ہے  
ایماں کی مردود نہیں تجھ میں ہو  
اولاد نیز بدستہ مکہ بیت لہو ہے تو  
چند لوگ تھے کہ اکبر درویش کی حایت میں مولانا سے کاوش رکھنے لگے۔ مگر  
نوجی لوگ تھے جنگ جرمی شروع ہوئی اور ان سب کی جنگ میں جانا پڑا۔ مولانا کو  
ایک موقع ملا یہ رباعیاں لکھیں۔

جو گونی سے ماننے کو تھے اپنی  
حق کے لئے ناطق سے برا نہ بولیں  
وہ توپ کے مخدیں جا پڑے آخر کا  
یہ توپ کے لئے رفتہ رفتہ ساک فی انسا

سچ بولنے والا آبرو دکھاتا ہے  
یہ سچ ہے مگر کب تو سچ پھر سچ ہے  
سچا جھوٹے  
ملاو یا جھوٹے کے منہ میں گوتہ پاؤ

نسیب نے یہ رباعیاں علی نام نسیب کے تخلص فرماتے تھے۔ لکھنؤ کے شہور  
مستشرقین یعنی گورکھ جاناہ و صاحب کے ہوا مہر تھے۔ بلکہ جان صاحب نے اپنے



ادھر کے دل سے بنو کہ لہ نہیں نہیں  
جب مرد واسے تو یہ دیکھیں نہیں نہیں  
بجکویہ سب نہیں نہیں ہر تیر ہر تیر  
جب نہ تیر آکر جو اپنے لگے ہو.....

نظر۔ جناب احسن لکھنوی کے بھائی ہیں غالباً شاعروں میں بہت کم  
شرکت کرتے ہیں ایک نواب سید ابوبکر جو درج کرتا ہوں افسوس کہ زیادہ  
حالات معلوم نہیں ہیں۔

لطف نے آج سے آٹھ سو سے کئی دن جدا  
سرخیا پاؤں جدا ہاتھ جدا شانہ جدا  
پاز کے پیچے کو رکھتا ہوں پیمانہ جدا  
کھڑی کھاتا ہوں میں چکا ہر لہجہ جدا  
دیکھ لو جانی یہ ہے سونے کا پاز بھرا  
روشنی رکھتا ہے لمبریں شریفانہ جدا  
آتی ہے جنگلی کو تیرا غر غروں کی صدا  
دور ہے بسنی سے لے پلے یہ ویرانہ جدا  
عشق کیخوت نے دو لڑا کو بنا لیا یا گل  
وہ سڑی ہو گئے میں ہو گیا دیوانہ جدا  
بالٹی کی بھر جانی پیچے رکھتوں ٹھنڈوں  
ٹانک کی ٹانک ہو پیمانہ کا پیمانہ جدا  
خال کو چاہتے مٹی سے بہت دور رہے  
دیکھ لو رہتا ہے عذاب کے ہر اندہ جدا

نظیر۔ شیخ دلی محمد نام تھا۔ اگر وہیں بیرون شہر روختہ تاج گنج کے قریب  
رہتے تھے اور معلومی سے بسر اوقات کرتے تھے۔ نہایت خلیق و شعور زندہ دل  
بزرگ تھے۔ جوانی میں نہایت شوقین تھے اور شہر کے تمام میلوں شہیلوں اور  
میلوں میں شرکت کرتے اور ان کے تجربات سے پورا پورا فائدہ اٹھاتے تھے  
میل ملت میں نظیر نہ تھے بلکہ بے نظیر تھے۔ لوگ کہتے ہیں کہ صبح کو سنے جاتے تھے  
تو شام ہو جاتی تھی۔ ہمیشہ رہتے تھے۔ گرا تنے بے تعصب اور نیک مزاج تھے  
کہ شبیہ سنی کی تفریق تو درکنار ہندوؤں سے بھی دہی رابطہ و ضبط اور خلوص تھا۔

صورت پرستوں اور تعلقہ داروں کے خلاف تھا۔ ان کو شیعہ محض اسی خیال کی وجہ سے  
 کہا جاسکتا ہے کہ انھوں نے دوسرے سے بڑھ کر روج صحابہ کرام پر اس ایشیائی  
 عظیم اجماع کی تائید نہیں کی۔ اور نہ ہی ان کے اندر وہ عقیدہ تھا کہ مشرقت میں غلو اور  
 مبالغہ آلودہ ہے۔ مگر بقول مشہور مرزا محمد حسن صاحب دکن کے "بے نظیر یعنی سولہ غری  
 نظیر" میان نظیر حبيب مرگے تو ہندو شاگردوں نے چاہا کہ اپنے طور پر ان کی موت پر  
 اظہار تاسف کریں۔ نظیر کے خاندان کے دوستوں نے ان کو یہ خط لکھا کہ "نی چاہی تو ان  
 ہندوؤں نے کہہ دیا کہ اگر حق انت کرے گا تو ہندو شاگردوں نے ان کو نصف  
 چادر مسلمانوں نے نہ فریاد کی تھی نہ دعا دی تھی۔ ان کی تھی اس سے تعجب یہ ہندوؤں نے  
 عرض چھوڑ دیا۔ اعلان کیا کہ اپنے طور پر نظیر حبيب مرگے کا یہ خط لکھا کہ "جب نظیر کا  
 انتقال ہوا کہ ہندوؤں نے کہہ دیا کہ ہندو مسلمانوں کے ساتھ۔ چونکہ ان کا مذہب شیعہ غلامی تھا  
 بڑی وجہ سے نماز جنازہ حسب رواج ہندوؤں کے نہ ہو سکی۔ مگر وہ نمازیں پڑھ لیں  
 جس کے بارے میں ان کے شاگردوں نے انتہائی سختی کی تھی۔ انھوں نے الگ اپنا گروہ کر کے نماز پڑھی اور  
 اوپر کی چادر ان کی پارچہ پارچہ کر کے اہل ہندوؤں کے نہیں معلوم ہندوؤں نے گروہ نے  
 پارچہ کر کے جلا کر کیا کہ "روز و شب ہندو ۲۰ ہندوؤں کے ساتھ نماز پڑھتے رہے۔ اگست  
 ۱۸۵۷ء اور جنوری ۱۸۵۸ء میں انتقال کیا۔

نظیر کے کلام میں تمام اعنات سخن پر کیاں طرز پر لکھی جاتی ہیں جن کو کچھ کرمانا  
 پڑتا ہے کہ وہ قادر الکلام اور جدا اعنات بلکہ تمام رنگوں پر کیاں قدرت رکھتے تھے  
 نمایاں نہ ہو گا اور پر گودا قع ہوسے تھے بائیں بات پر بڑی بڑی نظیر کہہ رہے تھے ان کے نزدیک  
 ایک معمولی بات تھی۔ اور لطف یہ کہ ہر مذہب کے موفیق اور ہر ملک کے مخاطب۔ شاعر کی  
 مشہور چیزوں۔ کھالوں۔ عمارتوں۔ میلوں۔ بازنگروں۔ تاشوں۔ وغیرہ کا ذکر ہوتا ہے

کی بے حقیقتی۔ اور اہل جہاں کے طور و طرق کا تذکرہ۔ دولت۔ مفلسی۔ عیاشی۔ شہینہ  
 بھنگ چرس۔ افیون۔ شہر۔ غیرہ کے متعلق بڑے زبردست نظمیں اُن کے یہاں  
 ملتی ہیں۔ چند دہوں کے ہتوار۔ دسہرے۔ ہولی۔ دیوالی۔ کنہیا جی کے جنم لینے کی  
 کیفیت بھی اسی جوش و خروش سے بیان کرتے ہیں جس طرح مسلمانوں کے عید  
 بقرعہ۔ محرم شہرات کا ذکر کرتے ہیں۔ دونوں سے یکساں محبت۔ دونوں سے ایک  
 سا برتاؤ۔ دونوں سے وہی خلیص۔ وہی دوستی۔ با مسلمانانہ اظہارِ ابرہن  
 رام رام پر عامل۔ لفظوں کی وہ افراط کہ ایک ذخار و یا موجد، مانتا دکھائی  
 دیتا ہے۔ معانی کی وہ بہتات کہ شہوار موتیوں کا انبار نظر آتا ہے۔ بیلان کی  
 سلاست ایسی کہ کہیں رکاوٹ کا نام نہیں۔ بندش کی وجہی کہ کڑی سے کڑی ملی  
 جل جلتی ہے۔ قصہ کشی اور خاکات کا یہ عالم کہ جب تاج گنچے کے روضہ کی تعریف  
 ہم پڑھتے ہیں تو ہماری آنکھیں اس کے ایک ایک نقش و نگار ایک ایک جالی کو  
 دیکھ لیتی ہیں جب ریچھو دے کی تعریف نظر آتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ ایک قلندر  
 کا یہ چہرہ دوسرے سر پر بڑا سا پگڑیا بندھے ہاتھ میں موٹا سا سونٹا ہے۔ ریچھ کے بچے کی  
 تکمیل پڑھے اسکو بخارہا ہے اور اپنے سونٹے سے اسکو سدا رہا ہے۔ دنیا کی بے بقائی  
 اور عالم کی بے ثباتی کے اشارے سامنے آتے ہیں تو دل کو یقین آ جاتا ہے۔ کہ وہ یہ پیسہ  
 دین دولت۔ مال و اسباب سب پیچ۔ ہم۔ اور ہماری خواہشات لالچی۔ ہماری  
 بود بے بود۔ ہماری سہمی عین فنا ہے۔ دیوالی کی تعریف پڑھتے ہیں تو ہماری آنکھیں  
 دیکھتی ہیں کہ درد دیوار پر چراغاں ہے۔ مٹھائی کی دو کائیں سجی ہوئی ہیں۔ مٹی کے  
 کھلونے بچنے والوں کی دوکانوں کی دو طرفہ قطاریں لگی ہوئی ہیں۔ بھر بھرنے  
 کھلیں بیچ رہے ہیں۔ دنیا کی رسم و رواج کے پابند رمالوں میں کھلیں باندھ  
 باندھ کر لیجا رہے ہیں۔ جواری اپنے اپنے اکھاڑوں میں اترے ہوئے ہیں چھ نواٹو



اٹھارہ ہیں۔ بعض بڑے اپنے بچوں کی انگلی پکڑے دکان دکان دکھاتے پھر رہے ہیں۔ تماشا بیوں کا ہجوم ہے۔ کان بڑی آواز سنانے نہیں دیتی غرض کہ اسی طرح ہر ایک نظم میں جزئیات سے بحث کرنا نظیر کا خاص حصہ ہے۔

گو بعض نقادوں کو اس سے اس نظیر کہ خلافت ہے۔ مگر یہ ایک صریح نظم ہے حقیقت یہ ہے کہ ہندوستان کی سرزمین نے نظیر سے بہتر کوئی شاعر پیدا نہیں کیا۔ وہی ایک شخص ہے جسے یونان کا سوری اور انگلینڈ کا شکسپیر کہہ سکتے ہیں۔ وہ نظمیں جو آج نچرل کے نام سے مشہور ہیں جن پر یہ غزل کا خندہ ر ہے ان کا موجود نظیر تو کو ماننا پڑے گا۔ نظیر کے انتقال کے سو برس سے زیادہ کا زمانہ ہو گیا مگر اس کا ہر ایک کج کی زبان ہے۔ اس کی بندش اتنی ہی جست ہے جتنی ہونا چاہئے۔ اس کی شاعری غزل رباعی اور دویتی کی ایک رو بہ ہے۔

نظیر کی نظرائش اگرچہ بڑی اندر بعض ذمہ خواہش تک پہنچ جاتی ہے مگر اس کے الفاظ و خیالات اس کو بے مزہ اور پھیکا نہیں ہونے دیتے۔ اس کی خرافات میں تصنع اور آدرا کا نام نہیں ہے جس طرح اس کی صوفیانہ نظمیں اپنی روحانی و غیرہ میں لا جواب اور عظیم الشان ہیں اسی طرح طریقہ اشعار جس طرح ان کے در ہے اسی طرح ان میں اثر ہے وہ اور لوگوں کی طرح نہیں تھا بوطبعیت کو ظرافت گوئی کی طرف آمادہ اور مجبور کرتے ہیں۔ بلکہ طبیعت خود اس کے آگاہی اور ظرافت کے وادی کی طرف لے جاتی ہے۔ جس کا نمونہ جنت جنتہ درج کیا جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ نظیر کی نظمیں جب پوری پوری لکھی جائیں تب خاص لطف آتا ہے۔ یا اگر ان میں سے اس کی ظرافت کا انتخاب کم از کم پورا کر کے پیش کرنا چاہئے۔ مگر دونوں صورتوں میں معمول سے زیادہ طوالت ہے لہذا

بہت سہل ہے اور کم انجان کیا کہے بڑا سہل ہے تو تو انجان نہ کہے تو تو انجان نہ کہے

## بڑھایا

آگے تو پر نرادیہ کہتے تھے ہیں گھیر آتے تھے چلے آپ جو لگتی تھی کہیں میر  
لو آگے بڑھاپے نے کیا اور یہ اندھیر جو دوڑ کے ملے تھے وہ اب لینے ہیں پیچھے

سب چیز کو ہوتا ہے بڑا بڑا

عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑا پاپا

آگے تھے جہاں گلبرن اور یسٹانی دیتے تھے ہیں پیار سے چھلوں کی نشانی  
رہا میں تو اب منہ میں ڈالے کوئی پانی کس دم میں ہیں چوڑ گئی ہاں جوانی

سب چیز کو ہوتا ہے بڑا بڑا

عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑا پاپا

ہر بھی تھے جوانی میں بہت عشق کے ہاں وہ کون سے گلہ ہیں جو ہنسنے نہیں گئے  
اب آگے بڑھاپے میں کئی ایسے ادھوٹے پر چھڑ گئے دم اڑ گئی پھرتے ہیں لڑوٹے

سب چیز کو ہوتا ہے بڑا بڑا

عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑا پاپا

کیا یاد گیا جسے الٹا ہے زمانا جو شخص کہتے اپنی نگاہوں کا نشانہ  
چھیڑے ہے کوئی ڈال کے داد کا جہان ہنس کر کوئی کہتا ہے کہاں جاتے ہیں

سب چیز کو ہوتا ہے بڑا بڑا

عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑا پاپا

پوچھیں ہیں جسے کتنا ہے کیا بچھے ہے بڑے دیکھیں ہیں جسے کتنا ہے کیا دیکھے ہے بڑے  
بیٹھیں ہیں تو ہر دم کہاں بیٹھے ہیں بڑے آویں ہیں تو یہ غل کہ کہاں آئے ہر دم

سب جن کو مہ لہہ ہوا ہے بڑھاپا  
عاشق کو تو اشد نہ دکھلائے بڑھاپا

## نہایت لڑائی

کل بلیس جو نو دس قاب میں اپنے آئیں اس میں سے دو بکر کرکشی میں دھر بڑھاپا  
یہ شور سن کے خشتہ درشتی دانیں بیاں کوئی بولا واہ حضرت کوئی بولا دوسرا میں

سو سو طرح کی دھوپیں اکبر میں کرکشی

اس ڈھب ہنے بارو کل بلیس لڑا میں

دس میں آدو لڑاں کرکشی میں خیر کرکشی جب تیسری کو چھوڑا پھر تیسری

خشتہ درشتی کے ٹوٹی چھوڑا پنا اپنا ادا کرکشی کسی کا پس لڑا کسی کا ہڈا

سو سو طرح کی دھوپیں اکبر میں کرکشی

اس ڈھب ہنے بارو کل بلیس لڑا میں

تختی تین کی کرکشی چہ تختی کرکشی چھوڑا اس نے تو خیمیا کرکشی کو دھر چھوڑا

پھر نوے چٹکا آکر ان کشتیاں کو کوزا چھوڑا کسی کا ماتحتی پھر کسی کا گھوڑا

سو سو طرح کی دھوپیں اکبر میں کرکشی

اس طرح ہنے بارو کل بلیس لڑا میں

اگر لکری جو مائی بڑھاپے پھر شوئی کرکشی میں گھڑی بندہ گلی ان چاروں بلیس

سن سن کے چھینیں انکی رٹنے میں غروں کی سب لہے واہ حضرت انھی پر پردہ کے چھوئی

سو سو طرح کی دھوپیں اکبر میں کرکشی

اس طرح ہنے بارو کل بلیس لڑا میں

## بھنگ کی شربت

میں اس نشے میں غلام سوزنگ کے دھڑکے کو ٹڈی کی ڈاکا ہٹ سونٹے کے سوکھڑے  
 گرد دیکھتی ہیں تھکاو کچھ عیش کے چڑکے تو جھاڑ اپنے نیچے اور سر کو جھڑکے  
 پی عاشقوں میں اگر دو بھنگ کے پیالے  
 جو ایک دم میں تیرا گھر گھوٹے پھیرا لے

کیوں بھٹ بھٹا ہے ڈالے کلان میں غفلت کا تیل خانہ میں کیا کیا عجیب و سنہریو کی ریل ریل  
 گولہ زینا عیش کو در ڈال تیل کا جھیل پھر چڑکے آسمان میں پشیمت کی ریل  
 کو ٹڈی سونٹے کو بجا اور دیکھ کر کھیل  
 چھوڑ سب کاموں کو غافل بھنگ پی اور ڈنڈیل  
 مرشد ملا سے پچھانے اسے پیر زمین میری کچھ لگتی نہیں شربت سے دل کی لگن  
 سکے بولے وہ بتائیں ہم تجھے اس کا حق چشتاب اور جلد سنبری ایکے اکے و چار بن  
 کو ٹڈی سونٹے کو بجا اور دیکھ کر کھیل  
 چھوڑ سب کاموں کو غافل بھنگ پی اور ڈنڈیل

## اندھیری رات

جب یار چلا اوڑھ کے کالا سادو ڈالا کبیل کو ادھر پہنچے بھی کا ندھے پہنچا لا  
 جال گئے اور دل کا بھی ارمان نکالا منہ آسکے رقبوں کا کیا خوب سا کالا  
 کیا وصل کی رکھنی ہے کراوات اندھیری  
 کام آتی ہے عاشق کے بہت ان اندھیری

بدستیا سنہ سنہ گنگ ہو سہ چپے چپے  
 چپے چپے چپے چپے چپے چپے  
 سینے کا وہ پھل توڑ الگ ہو رہے چپے  
 اغیار کا سر پھوڑ الگ ہو رہے چپے  
 کیا وصل کی رکھتی ہے کرامات اندھیری  
 کل یار نے اور ہنسنے چوٹی مل کے گری  
 اتنے میں قریب آگیا بوسہ شتابی  
 گر چاروں ہوتی تو بڑی ہوتی خرابی  
 ملے ہے سب آئی ہوئی آفات اندھیری  
 سوتے تھے جو ہم نہیں سننے غیر کے کھلے  
 چپ چپ گئے اٹھ دو نور پینچ پینچ  
 ہم ہنستے رہے اسنے ڈھیکٹ ہوئے جوتے  
 کتنا ہی ٹوٹا جوا جلا ہوا تو پاؤں  
 چوری کی بھی رکھ لیتی ہے کیا باحاندھیری

## بست

جب بھول کا رسول کے ہوا آکے کھنتا  
 اور عیش کی نظر دل سے بھاہوں کا اٹھتا  
 ہم نے بھی دل اپنے کے جس کر کے نچنتا  
 اور ہنس کے کہا : اے اے لکڑ بھرتا  
 سب کی تو بستی ہیں پیاروں کا بستنا  
 تھے اپنے گلے میں تو کئی من کے پڑے ہار  
 اور یار کے گرجے بھی تھے آگ ہون کی قتل  
 انکھوں میں نشے کے ابلتے تھے دھواں ہار  
 جو سامنے آتا تھا یہی کہتے تھے لکار  
 روں کی بستیں ہیں یہ باروں کا بستنا

## برسات کی بہاریں

جو کسبیاں جوانی نہ نہیں پتیاں ہیں  
 سینوں میں لال لگیاں اور لال کے تیر ہیں  
 نظر میں بھی بہ لیاں ہیں لیس بھی ستیاں ہیں  
 اک اک نگہ میں کافر کی بھی بھریاں ہیں

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

جو فوجاں ہیں انکے تیاریاں بڑی ہیں ہاتھوں میں لڑ پڑیاں کوٹھڑ پر مچی ہیں  
اور وہ جو آتشاے جھگڑی ہیں لڑی ہیں منہ کو چھاپانگ پر چلی ہوئی پڑی ہیں

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کوئی اپنے آتشاے کزناز کا جھپٹا کستی ہے ہنکے کا فرچکی لے یا ہنٹا  
تسے تو دل ہمارا ایسا بگڑا یہ کہتا ہے آج بھی نہ لے رنگو امرا دو پٹا

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کتنوں نے قول باندھا معیوں کیلے پیسے کستی میں شاد ہو کے ہیں اپنے آتشاے  
برسات بھر تو بل کے سنتے ہو جاں سپاے احمق ہو جو پلنگے اب مرتے کو اترے

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

## جھنگ

افست کے زمرہ کی یکہیت کی بوٹی ہے تہوں کی چمک اسکی کجواب کی بوٹی ہے  
منہ جیکے لگی آس پھر کا یہ کچھوٹی ہے یہ تان ٹکورے کی اس بات پہ ٹوٹی ہے

کوئی کے نقارے پر خشکے کا لگا ڈھکا  
نت جھنگ بی اور عاشق و زنت بجا دھکا

## سخاوت و عشرت

یہ نعمتیں ہیں جتنی جو کچھ ملیں سو کھا جا تاش اور بادے میں لک بار کھمگا جا  
پانی خیل مت بن دانا سخی کہا جا اکدم تو اپنا ڈنکا من مانا بجا جا

دل کی خوشی کا ذکر کیا حال الہی ہے  
گر مرد ہے تو عاشق کوڑی نر کہ کفن کو

## یہ کچھ کا بچا

کتنا تھا کوئی ہے میاں آد قلند  
وہ کیا ہوس گئے تیرے تھے وہ بند  
ہم ان سے یہ کہتے تھے یہ پیشہ قلند  
ہاں چھوڑ دیا بابا انھیں جگہ انہر  
جس دن سے خدا نے یہ دیا یہ کچھ کا بچا

## روٹیاں

جب آدمی کے پیشہ اثر آتی ہیں روٹیاں  
پھولے نہیں بدل ہیں بازار ہیں روٹیاں  
انکھیں پری روخوں سے لڑا نہیں روٹیاں  
سینہ پر بھی ہاتھ چلاتی ہیں روٹیاں  
جتنے قرب ہیں سب دکھاتی ہیں روٹیاں

## نوحی اور ناسکا کی لڑائی

رتی نہیں بہنیا یہ گزرتی نہیں ڈھڈھو  
اور قہر خدا سے بھی یہ ڈرتی نہیں ڈھڈھو  
لب اپنے ذرا بند یہ کرتی نہیں ڈھڈھو  
کیا سخت خبرانی ہے یہ رتی نہیں ڈھڈھو

ایسا جرمے پاس لگے جا سکی جھانپو  
اک روز مجھے گھر سے نکلا ایسی جھانپو

سب کچھ نہ بھینچ کر کیا کیا کچھ نہ بھینچ کر  
ہو کوئی سادہ سادہ ہو گیا جو نہ بھینچ کر نہ بھینچ کر

خام گزر گئی یار نہ آیات بھی ادھی کٹی ملی  
اوپر دس کھیلیں ٹھالی سے بیکار بھلی

نگیلا۔ محمد یوسف نام ہے۔ قدیم دکن شہر جو پور ہے۔ مگر آٹھ  
نوسال کی عمر تھی جب ۱۹۱۷ء میں اپنے نانا محمد خضر خاں مرحوم اور اپنے  
ماموں محمد اسماعیل خاں رنگیلے مرحوم کے پاس جو پور سے بمقام مین پوری  
چلے آئے۔ یہیں تعلیم و تربیت پائی اور بعد اپنے نانا کے پاس عمری کا  
کام کرتے رہے۔ چونکہ رنگیلے مرحوم کی صحبت تھی اس واسطے شعر و شاعری کا شوق  
ہوا۔ اور مدتوں تک چھاپچھا کر شعر کہتے رہے۔ مگر ابھی تک رنگ قدیم عاشقانہ  
میں شعر کہتے تھے۔ جب رنگیلے مرحوم کو خبر ہوئی تو بہن اصلاح دیتے رہے اس کے  
بعد ۱۹۳۷ء میں جب رنگیلے مرحوم کا انتقال ہو گیا تو ان کے احباب نے نیکلے صاحب  
کو ان کے ماموں کا رنگ ظرافت اختیار کرنے پر مجبور کیا۔ چونکہ برابر رنگیلے کی صحبت ہی  
تھی اور وہ رنگ اچھی طرح ان پر اثر کر چکا تھا اس واسطے انھوں نے ظریفانہ رنگ  
اختیار کر لیا۔ مگر عوارض جسمانی اور افکار خانہ داری نے پورے طور سے اوھر  
موتوہ نہیں ہونے دیا۔ پھر بھی آپ کا رنگ ظریفانہ عنینت ہے اور دکھ ہے  
اور معلوم ہوتا ہے کہ اس رنگ کو تھوڑی بہت طبیعت سے مناسب ضرور ہے  
چنانچہ کلام کا نمونہ انتخاب یہ ہے۔

پھر کیا ہے پھر تو کچھ ہوندا ہی ہوا ہو کھائی	یہ چلی طبیعت جب بھانڈے پہ آئی
قمت پھر کی کسی شامت کی آئی	اب راہ پر کسی کو تقدیر کھینچ لائی
لے لیتے ہو تو پھر کیوں نیا سے نفٹ سائی	جب ایک کا بھی تم سے مطلب نہیں نکلتا



خدا رک شے چھپ کر برسات میں نہ کھو  
دشمن کی آگ اجود دشمن کو چھونکہ ہوگی  
اب تو مزاج دشمن ٹھیلو نہ چل رہا ہے  
الو کے دم قدم کا اغیار میں شرف ہے  
بے شبہ دے ٹیکیا تختین ہے سلف سے

لگ جا گئی بھونڈی کھڑے جیسے  
اب ہو گئی اسکی ڈوبیہ دیا سلائی  
انکے سگوں سے اسکی اچھی ہوئی لگائی  
چنگی کے جیسے بھنگی ہیں مصد صفائی  
جو ہیرا بھلائی ہمیشہ کرتے نہیں برائی

پیر میخانہ نصیب سے اگر تو ہو جاے  
بات تو جب ہے کہ کسے چھوڑ کر فرار ہو جاے  
دام تزدیر اگر زلفت پر یرو ہو جاے

بے پئے پھر تو وعدہ نہ کرنا  
میرے آگے سے عدو کو کم امید ہو جاے  
اس بھنور دار میں پھر آ کر ہو جاے

شب و وعدہ بہت رو دیا انیس خرم بہانی  
چکیدن بے عمل بریکائیے اسے ابر غیبانی  
عیان تھیں ہر سمار ہو گئی اسلام کہ نہیں  
ہست شکل تھا دانا آشتانی کا سچے ایسا  
کہیں تذکرہ کی تو لہجہ میں پھر تاجوتہ اند  
شب وعدہ دوا یہ اہتمام غور و جان  
نیکلے دست نازک کی جو انگلی ہاتھ آئی ہو

دور شوق سے نہ رہتے گشتوں ہو گیلانی  
نہ ہو طین صدف میں بوند جیہاں خشتانی  
مگر اتور ہی ہے حرف کہنے کو مسلمان  
گرچہ ایک دشمن اور کو کا وقت ناوان  
کہیں تائیت کے پرے سے یہ کیا کرتا  
کبھی نہ ہوئے کہیں کہیں یہ کیا کرتا  
تو اب ہو گیا کہیں یہ کیا کرتا

پہننے والا عیش منزل کا نئے مسکن ہیں  
پیش کی خاطر سپاہی سرکھٹ پٹن ہیں  
شہ سوار کی کاہنہ جا یک سواری کا کمال

خون حسرت گردن تیاہ سے کرتے ہیں  
نان نفقہ کے بدوات دھوکے دھرتے ہیں  
صرف اک دار خمی ہو جو نال آس میں ہیں

دینی آنکھوں کا اسے سمجھیں کیوں عشاق کو  
شیر بازی کی کھرچن میں مڑا تو ہے مگر  
ہے مڑا تو خطا اللہ کی رحمت کے ساتھ  
چلنے بھرنے میں نہیں محسوس ہوا کچھ  
نہیں نکلتی جہانیں اتر مٹھائی کی شاں

سرخ پادشاہ کے بارگاہ میں رہا ہے  
ذائقہ کچھ اور گھر کے دور دور کا  
عفو کا فرمان تنہی رشتہ سوزن میں ہے  
جنس ہستی کا ذخیرہ گوئے دامن میں ہے  
جو نکلے بارگاہ کے سنہرے دبسن میں ہے

پرندہ بھیکیاں یہ ظلم بے بنیاد ہے  
جمن میں چار تنکوں سے بنا ہوا کیشاں ہیرا  
رہے تو جب کے فی آپے میں اپنے ہوش میں پائے  
زمین اپنی اگر گویاں کرنا چاہتا ہے تو  
مجھے تار ہی بھٹکتے اگر ویسا ہے نہ ساقی  
اگر جاتا رہا تو پھر کھجاسے کا فروخت

نیام طیش میں شمشیر بار بار رہنے ہے  
بچا کر اپنی چھاڑو سے انھیں صیاد رہنے ہے  
نظر سے دو جب باقی فیض آباد رہنے ہے  
تو اپنے کھیت میں کچھ روز میر کا دست ہے  
مرے دشمن کے پینے کو تلی میں گاد رہنے ہے  
نکر اسکا تمار کب اسے سیجا دلا رہنے ہے

مرج کار سا کر میں ٹاٹ کی دستار ہے  
یہ نہ سمجھیں آپ سہتی تار کی بے کار ہے  
چار میں تنگا اسے ہو جانے میں کب عار ہے  
یہ اگر سچ ہے کہ شملہ علم کی مصیبت ہے  
فوجوں اب بھی ٹھہرا ہے میں ہارا یا ہے  
سیار کرتے وقت تم کیوں کاٹ کھاتے ہو  
یہ لبادہ ہے پرانی چال کا اچھا لباس  
فرق اتنا ہے مرا کرتہ ہو یا کرتی تری

اس ادا کے بھیس میں کپڑے میرا یا ہے  
یہ تو مناوی خانہ کا اک منزلہ مینا ہے  
بے حیا بھی کسی کی بے حیا تلواری ہے  
تو ستارہ علم کی تقدیر کا دم دار ہے  
یہ پرانی چال کا ٹھیلہ بھی موٹر کا رہے  
دوستی میں دشمنی کا کون سا بیوہ رہے  
کرتے کا کرتا ہے اور شلواری کی شلوار ہے  
ایک ہے محروم دامن ایک طاس منج رہے

ادنی رٹھ اپنا اپنا جلیسا بھی ہو  
یہ پرانا اور بے لیسنس کا ہتیار ہے  
کان پر دھرتے تھے تو بات نہ کر غیر۔  
زیر دامن اب یہ کس کا تحفہ گذار ہے

آباد ہے اوسے ہر قصبہ ویرانہ  
ہر ٹھوٹھ نشیمن ہے ہزار ہے کشت  
حرکت کی تری صد قہار ہے لہر شمشانہ  
ٹھلیا کا ہر اک ٹکڑا ہے غور و پیمانہ  
ساقی کی عنایت سے ہر مست خرابا  
ہے رقص مسرت میں سر پہلے بچانہ  
دنیا تیرا زمانے کی سرواٹے کی جوتی ہے  
آئینہ زمانہ ہے قصہ ہر پہ مردانہ  
بوتل سے گلوں کی ہے شیشہ خار وہ  
ہے اب تو چڑیاں ہر جگہ گھومتا پرچہ  
کوئی بھی شب وعدہ مسرت نہ ہی باقی  
ہے لٹیانہ ڈبورتا ہے ہر مست مردانہ  
جب طرح کمینوں سے رونق ہو مکان کی  
آباد نکیلے ہے پاخانہ سے پاخانہ

دیکھو رہتے ہو کھلے بند میں بہت تم دیکھو  
گرد گمانہ کوئی دیکھو لٹو ہو جاب  
اب طویلے میں نہیں آپ کے ٹانگن کوئی  
آپ کے کھیت میں پڑتا ہے جو گھبرا کوڑا  
آپ کے گری سے شکر قند نہ آلو ہو جاب  
بے تلا پھر نہ رہے کوئی جگر کا ٹکڑا  
ناوک تانہ اگر دلیں ترازو ہو جاب  
آپ کے تھان کا اتو مرا ٹو ہو جاب

بیٹھا ہے بزم یار میں دشمن چچا کے ساتھ  
بے شرم ہے جلیس اٹیسے بے حیلے رستم  
دشمن کو کہنہ مشق سواری پہ ناز ہے  
منگنی ہوئی ہے جب سے کھٹکے کے رخ  
صحبت سے بھاری پالوں ہوا جو آپ کا  
شاید رہے ہیں آپ کی نیل پاک ساتھ  
اکن اغوص کے چھوڑ دیا سنہ خیر کو  
اب اور کیا سنو کہیے بے حیلے رستم  
ہے یہ بھی اک ہوا کہ زمانہ ہے آپ کا  
دنیا بھی آپ کی ہے گھر ہے ہول کے ساتھ

تنگ نظر تپتے ہیں، سب سے زیادہ تپتے ہیں، اپنے فرائض میں سے ایک صاحب  
 سنے ہیں، تین کا پتہ کچھ تو یہی ہے اپنی نظم کی تقریب میں کچھ عبارت بھی اور چ کی  
 ہے ”مائی ڈیر سٹر او دھہ برج۔ گہڑا رنگ قرآن شریف جیسے آج کل کی نئی  
 روشنی کے محاورہ میں الکران کہتے ہیں اس میں یا کم سے کم سیر کے ترجمہ میں آنے  
 لا حظ فرمایا ہو گا کہ شعرا کی شان میں خداوند عالم نے فرمایا ہے کہ یہ تو ہر میدان  
 میں پھیلکتے اور سربارتے پھرتے ہیں (لا ینفرد فی کل واد بحیث یون) اتفاق سے  
 مجھے ایک شاعر کی بیاض مل گئی جسکی نقل ان سطروں کے ساتھ ہے اس سے  
 ظاہر ہو گا کہ یہ کلام معجز نظام کس قدر سچا ہے۔ میرے خیال میں ان خیالات پر  
 سے زیادہ کوئی اسے اس کی تہہ، این نہیں کر سکتی۔

غیرت نہیں اس سبب جئے جاتے ہیں      جو کام نہ کرنا تھا کئے جاتے ہیں  
 لازم تھا کہ دوزخا وہ روتے بیٹھے      افسوس نہ آنسو ہی پئے جاتے ہیں

منہ سے مری یہ گڑھی چل رہی ہے      زبان وقت کی ہے پڑی چل رہی ہے  
 ہے کھٹ کھٹ میں لاسکی کوئی ذکر مخفی      یہ تسبیح کوئی پڑی چل رہی ہے  
 لگاتی ہوئی چاک غفلت میں ٹانگے      اگرچہ ہے سوئی چڑی چل رہی ہے  
 نہیں سیر سے ریت کی خوف اسکو      ہے کیا ڈرا اگر ہے تجڑی چل رہی ہے

کر یا بہ بخشاے پکا پلاؤ      جوتے نہ بیڑے تو ہجو بلاؤ  
 کر یا بہ بخشاے پکے ہیں اکم      نہ ہو پاس پیسا تو لو تجھے دام  
 کر یا بہ بخشاے پکے ہیں بیر      کھلانے میں ان کے کرو تم نہویر  
 کر یا بہ بخشاے پکلی کجور      بلاتے ہیں کھانے میں تمکو جھوڑ

کریم یا بخشائے پکے کباب  
 کریم یا بخشائے پکے کھل  
 کریم یا بخشائے پکی ہے وال  
 کریم یا بخشائے پکی ہے نان  
 کریم یا بخشائے ٹوٹی ہے ٹانگ  
 کریم یا بخشائے ٹوٹے ہیں ہاتھ  
 کریم یا بخشائے پھولی ہو آنکھ  
 کریم یا بخشائے ٹوٹا ہو سر  
 کریم یا بخشائے دھوئی چھٹی

بتاتے ہیں کھانے کو ٹکڑاں  
 اسے کھا کے ہو جاو گے تم احس  
 اسے کھا کے ہو جاو گے کنبہ پال  
 گئی واسطے جسکے مرغی کی جان  
 گزرتے ہیں در بدر بھیک مانگ  
 نہ ہو سنگ بیوی نہ رٹکے ہیں ساتھ  
 ملے رکھ کے۔ دنیٰ پہ آلو کی پچا  
 کوئی آئے لے جلد میری خبر  
 میری غم دنیا میں یونہی کٹی

ندامت غیر از تو فرما در س  
 نگو مدار مارا ز راہ خطا  
 زباں تا بود در دہاں جلیے گمر  
 حبیب خدا اشرف انبیا  
 سوار جہان گیر کراں براق  
 چہل سال عمر عزیزت گزشت  
 ہمہ با ہوا و ہوس ساختی  
 مکن تکیہ بر عمر نا با مدار  
 دلاہر کہ بہنا و خوانِ کرم

مزا آئے ٹپکے جو گئے کارس  
 کوئی مجھ کو کھانے کا رستہ بتا  
 کھلا یا کر مجھ کو روٹی پٹیر  
 پٹیر مجھ کو خیسکا برا آم کا  
 کھنڈ دو مجھے ایک روشن طباق  
 بڑی ہے تری باتک سرگزشت  
 ہمیشہ نظر تانستی بھ نکلتی  
 ہیں کوٹ چنوں پھینک دینا  
 نہیں اسکی پاکت میں نام و دم

یوحیہ تھا سر پہ جو اتار آیا  
 سر پہ احسان بڑی بھائی کا

دشمنی سے قیوں نکاح ہوا  
پر بند ہوا ہر ایک بیانی کا  
پہنچا جب جھوٹی نہیں مری  
چھوڑ دیا پھانہ تم رزائی کا  
ترشروئی نہیں ترے منہ پر  
ہے پیالہ ہر اکھٹائی کا

خدا کی مہربانی قبر میں میری پہیلی ہے  
گھٹا چھائی ہے رحمت کی بوا، شہر پہیلی  
شعر لکھتا ہوں مگر لیتی نہیں کڑی کئی  
لے روپیہ کی تھیلیاں آتی نہیں دلی کئی  
پانی بھی ایک میں نے جو کتیا چلی گئی  
مشہور یہ غلط ہے کہ قضا چسلی گئی

نوائی — بابا سلطان قلندر کے نام سے مشہور تھا۔ شاہ عباس  
اضی کے زمانہ کا ایک ظریف نکتہ شیخ شاعر ہے حیدری خانہ چاہ۔ باغ کا نگینہ  
اس کی سپرد تھا اور اسی میں بسر ادبی کرتا تھا۔ ایک قطعہ بطریق مثنوی  
نویغانہ رنگ میں دیکھا گیا جو اس کے نام سے مشہور ہے۔

عربے در میان کہ و شام  
کسب اسباب می نمود دام  
بہ تحصیل مال و کسب ہنر  
از حفر خشت بس سوسے سفر  
دے سیر کرد و بیج نیافت  
باز سوسے مکان خویش شاف  
چنگ گراہ باد یہ بہ برید  
تا یک روزہ از وطن برسید  
از مکر باز کرد انبانے  
کہ در و بود یغنی دانے  
چوں بخوردن شست لہ زرد  
عربے در رسید باد یہ گرد  
بدوی چوں شنید بے طعام  
پیش رفت و ستادہ کردہ سلام  
دادا و ادا جواب و گفت کہ  
پیش من ایستادہ بہر چہ  
گفت من چاکر سرای توام  
دشت پیالے از برائے توام

گفت از خیل من خبر داری  
گفت چون هست احمد اگر پسر من  
گفت از فضل و رحمت یزدان  
گفت چون هست مادر احمد  
گفت چون هست قصر دیوانم  
گفت آن قصر لکش دیوان  
گفت چون است آل مگر من  
گفت و خاک است تائیدت  
گفت آن اکثر شتر چون هست  
گفت باو که فربه است خنای  
چون عرب قصد یافتند تمام  
خور و خندان که سیر گشتان  
بدوی چون خواست او دید  
ناگهان دید که کناره دشت  
بدوی چون بدید آه را  
چون عرب آه در ذنگ شنود  
گفت ازین بود کجا سنگ دشت  
آهوک را نمی گزاشت کون  
گفت ای فلک آن سنگ چون مرد  
گفت خون شتر که ریخت بدو  
گفت گشتند شتر سر و است  
گفت ای روانه ز و جام چون د

بدوی در جواب گفت آری  
که ز بهرش کباب شد جگم  
باغ حسن است خیم و خندان  
گفت صد چون برابر احمد  
کز غمش بر فلک شد افغانم  
دایغ شکست بهار کیان  
که بود به شیر نر بر من  
رو در شب اسبان فزایدست  
کز غمش و این چو چون است  
که سادی است پشت باکوبان  
با دل جمع کرد میل طعام  
بدوی رانده داد و دست انبار  
بر خیزانند و جمع می جمید  
آهوی در رسید و تند گزشت  
از دل خسته جست آه او را  
گفت باو که آه هر چه بود  
که نمی گشت صدقه سر تو  
که ازین دشت جال خبر نبرد  
گفت ای سکه خون شتر خورد  
خاک بر فرق من که ریخت بگو  
که هند آب آتش هم شربت  
رخت هستی حسابا بخاک سپرد

اشرفی سے تو یوں نکاح ہوا  
پر بند با مہر ایک پائی کا  
یہ سمجھا جب چھوڑتی نہیں مری  
چھوڑ دیا بھانہ تم رزائی کا  
ترش روئی نہیں ترے منہ پر  
ہے پیالہ بھرا کھٹائی کا

خدا کی مہربانی قبر میں سیری سہیلی ہے  
گھٹا چھائی سپہ رحمت کی بوا افسردہ ہے  
شعر لکھا ہوں مگر لیتے نہیں کڑی کئی  
لے روپیہ کی پھلیاں آتی نہیں دھڑکی  
پالی تھی ایک میں نے جو کتیا چلی گئی  
مشہور یہ غلط ہے کہ فضا چسپی گئی

نوائی سے بلایا سلطان قلندر کے نام سے مشہور تھا۔ شاہ عباس  
ماضی کے زمانہ کا ایک ظریف نکتہ سچ شاعر ہے حیدری خان چاہا باغ کا نگینہ  
اس کی سپرد تھا اور اسی میں بسرا دقت کرتا تھا۔ ایک قطعہ بطریق مثنوی  
ظریفانہ رنگ میں دکھایا گیا جو اس کے نام سے مشہور ہے۔

عربے درسیان کہ و شام  
کسب اسباب می نمود مدام  
بہ تحصیل مال و کسب ہنر  
از حفر رفت بسبب سے سفر  
دلتے سیر کرد و پیچ نیافت  
باز سوے مکان خویش تافت  
چند گراہ باد یہ بہ برید  
تا یک روزہ از وطن برسید  
از کمر باز کرد انباشنے  
کہ در و بود یغنی دنانے  
چوں بخوردنی نشست آن شہر  
عربے در رسید باد یہ گرد  
بدوی چوں شنید بے طعام  
پیش رفت و ستادہ کردہ سلام  
داد و دادا جواب و گفت کہ  
پیش من الاستادہ بہر چہ  
گفت من چاکر سرے توام  
دشت پیالے از برائے توام



گفت از نیل من خبر داری  
گفت چون هست احمد آن پسر من  
گفت از فضل و رحمت یزdan  
گفت چون ست مادر احمد  
گفت چون ست قصر دیوانم  
گفت آن قصر دلکش دیوان  
گفت چون است آن گدای من  
گفت او خاک استانیست  
گفت آن بکر شتر چون است  
گفت باوس که ذبه استخوان  
چون عرب قصه باشند تمام  
خور و چندان که سیر گشتان  
بدوی چون خاست او دید  
ناگهان دید که کنار دشت  
بدوی چون بدید آه را  
چون عرب آه دردناک شنود  
گفت ازیں بود کجای سنگ تو  
آهوک را نمی گزاشت کدو  
گفت ای طبع آن سنگ چون مرد  
گفت خون شتر که رنجت بگو  
گفت کشتند اشتر سره ات  
گفت ای وای ز و جام چون د

بدوی و جواب گفت آری  
که ز پهرش کباب شد جلگرم  
باغ حسن ست خرم و خندان  
گفت صد چون برابر احمد  
کز غمش بر فلک شد افغانم  
دل غمخسکست بددل کیوان  
که بود به شیر ز بر من  
رود و شب پاسبان خانه است  
کز غمش دامنم چو چون است  
که مساوی است پشت با کوبان  
با دل جمع کرد میل طعام  
بدوی را نه داد و بست لبان  
بیخودانه در دجوع محجید  
آهوی در رسید و تند گزشت  
از دل خسته جست آه او را  
گفت باوس که آه هر چه بود  
گر نمیکشت صدقه سر تو  
که ازیں دشت جال بر شیرین  
گفت از لکه خون اشتر خورد  
خاک بر فرق من که بیخت بگو  
که دهند آب آتش بمشروبات  
رخت هستی حساباں بخاک سپرد

گفت از بسکہ کوفت سرزمین      از غم فوت احمد مسکین  
گفت اسے واسے چو گن شام      گفت قصرش بہ سرفرو آمد  
چوں عرب قصہ فراق شنید      خاک بر سر فشانڈ جامہ رید  
بعد از ان را خیل خویش گرفت      بدوی ناں و گوشت پیش گرفت

نوح حافظ محمد نوح نام ہے نارہ ضلع اکہ آباد مولد و مسکن ہے۔ آپ نامہ  
موجودہ کے نہایت مشہور و معروف شعرا میں سے ہیں۔ داغ مرحوم کے  
شاگردوں میں نہایت معزز مانے جاتے ہیں۔ زبان نہایت عمدہ کہتے ہیں محاور  
بندی میں اتنی کاوش کرتے ہیں کہ مشکل سے آپ کے یہاں کوئی شعرا اس کے  
بغیر ملے گا۔ ملک کے مشہور مشہور مشاعروں میں آپ شرکت فرماتے رہتے ہیں  
نہایت خلیق اور زندہ دل ہیں۔ آپ کے شاگردوں کی تعداد بھی بہت کافی ہے  
آپ کے نام کے ساتھ ناخداے سخن بھی شامل کیا جاتا ہے ممکن ہے کہ کہیں  
سے یہ خطاب ملا ہو۔ حضرت داغ مرحوم کی جانشینی کے بھی آپ مدعی ہیں  
اور اگر زبان و سلاست کے اعتبار سے آپ کو داغ کا جانشین کہا جائے  
تو بجز اس کے کہ چند دوسرے زبان دان اور کہنہ مشق شاگردان داغ کی حق  
تلفی ہوا اور کوئی حرج نہیں ہے آپ کے دو دیوان شائع ہو چکے ہیں اور اطراف  
و اکانات میں پھیل چکے ہیں آپ تقنن طبع کے طور پر اکثر نظریات شعرا بھی فرماتے  
رہتے ہیں۔ چنانچہ سفینہ نوح کے آخر میں کچھ نظریات کلام دیا گیا ہے جس کا انتخاب  
لکھتا ہوں را قلم الحروف کو بھی ایک دو مرتبہ آپ سے ملنے کا اتفاق ہوا اور  
آپ کی خوشخوئی و نیک مزاجی کا معرٹ ہو گیا۔ آپ کا نظریات کلام اکبر کے اتباع  
میں زیادہ ہے۔ اور اکثر جگہ اس اتباع کو نہایت حسن و خوبی سے نباہا ہے خود کلام

یہ ہے۔

یہ جو خواہش ہے کہ ہم صاحب ہیں  
میز کرسی لمپ پگڑیا کیک توں  
رنگ گورا اور قامت بھی بلند  
کیسی غفلت اور کیسی کاہلی  
بولنا ہر شخص سے کم چاہئے  
گھر میں تصویروں کا اہم چاہئے  
جسم بھی کچھ بھاری نہ بھر کم چاہئے  
فطرۃً تھوڑا سا دم خم چاہئے  
اور اگر دفتر سے ہر کچھ واسطاً  
ایک گھوڑا ایک ٹم ٹم چاہئے

آج سارا تجھ پہ کیا یہ حسرتِ نروال ہوئی  
منہجوں کو دوائیوں کی وضع داری چاہئے  
دودھ دانی بن گئے ساغر کی شہنشاہ  
پہلے خود لڑکی تھی اب دو لڑکوں کی لڑائی

خم کی صورت جام بھی چلنے سے عاری ہو گیا  
پیٹ اسکا اور اس کا پاؤں کھینچا ہو گیا

لوگ کہتے ہیں فلاں صاحب کیسے بڑا  
ہم یہ کہتے ہیں فلاں صاحب کیسے بڑا

نہ بیچ نہ کہتے بنے بی بی کئے  
کم بھی ہو کوئی حرف تو کچھ ہنس  
وائن جو نہ کہتے بنے دیکھا کئے  
نکٹائی نہ کہتے بنے نکٹو کئے

حضرت خلیج ہیں بہت محتاج  
غرض اعلیٰ سے بڑھ گیا ادنیٰ  
خوش ہے پیر مغاں مت گھٹ  
عطر نہ لگایا لوند سے

یہی اچھے بُرے حکم انجام دیتا ہے اگر کوئی نہیں ہوتا تو کتنا کام قیام ہے

کتاب ہے کون ذکرِ قیثِ حبیبِ کریم جو رو کی مار کھاکے سعادتِ نصیب کے

جو رو خفیت اس کو ضرورت دو الکی ہے شوہرِ ضعیف آرزو سکونِ ملائی ہے  
مائلِ مزاج کیا ہو کسی اور چیز پر مرغی کر تک ہی مرغِ اچھا ہو کرینے پر

لے مری طبع رسا وقتِ مبارک کا ہے عمر میں اپنے خسر سے بھی سزاوارا ہے  
عقدِ بربے کا پرانا کھنڈ کر کے شام کو مل گئی اچھی پوری مرغی نے ہنگام کو

آج دستارِ فضیلت بندھ گئی سرسبز اے طور سے ٹھکانا گیا

کیونکر نبھے گی شیخ سے لیتا ہی کی رسمِ ورادہ موٹا سلے وہ بانس چھوٹی سی کین ہے

آدہ آباد کے ضلع میں دو پرگنے ہیں ایک کا نام کڑا ہے ایک کا نام کراری ان  
دونوں پرگنے والوں میں لڑائی ہوئی حضرت نور نے یہ شعر کھمک کر بھیجے

برآں دوستی ہے ہر وقت نوجوان کا کھیر ہوا ہو لو با اپنی جگہ ہے بھاری  
کھیر دوستی بڑھتی ہے کہیں کیا بتائیں ان کا بہت کڑا ہے انکی بہت کڑی

کیا لطفِ میل جول میں کیا آمل میل میں بندہ حق کی صفت نہیں ہوتی غلیل میں  
کرتے ہیں غیر جنس میں چو اپنی شادیاں وہ عطر کو ملاتے ہیں مٹی کے تیل میں

سنا ہے اب انیسویں صدی کے رہنما ہیں  
پانی بدگنوں کے لئے گتے و گتے پانی

ٹٹے دن میں یک لکڑیوں کے ساتھ سوتے ہیں  
جو تم ہو گی پوتی ہو قوم آدم کے پوتے ہیں  
تصور جن مسلمانوں کو پہلے ان کو مسجد کا  
عرب کے خیم کو یورپ کے جنگل میں دیتے ہیں

اس میں شیریں دہن کی گفستگو  
مچھو انگریزی مٹھائی ہو گئی  
ہے نئی تعلیم کا یہ انقلاب  
اپنی بی بی نکسا پرانی بدگئی

تھی جوانی میں جو میٹام ٹان پلو  
وہ ضعیفی میں ملانی ہو گئی

نوری - ملا حسین شاہ و نام تھا - شہد کے رہنے والے تھے - غزالی مشہدی  
کے محسن اور ہم پریم تھے - اکثر مشاعروں اور مطارحوں کی نسبت گرام جیتی تھی تو یہی  
شہادت نظر لینا اطمینان اور بدلہ سچ واقع ہوتے تھے - اگر اتفاق سے نہایت بد صورت  
تھے اسی وجہ یہ ہوئی تھی کہ ان کے دانشور استقریٹے تھے کہ دونوں ہونٹوں سے  
گزر کر تھوڑی کے قریب آگئے تھے اور ان کی صورت کو عجیب و غریب بنا دیا تھا -  
اسی وجہ سے نوری وندانی کے نام سے مشہور تھے - صادق علی خاں اختر نے اپنے  
تذکرہ عالمات میں وندانی کی یہ توجیہ کیا ہے کہ وندانی تو اربع خراسان میں ایک  
تصہب ہے - گر یہ صرت توجیہ ہے نوری کا کلام ضائع ہو گیا صرف یہ دو شعر تذکرہ  
میں ملتے ہیں -

دعیت است کہ بعد از وفات من بارں  
کند لوح مزارم نہر دو دغا نم  
سخن چل نہ کہم پیش خلق کیس دو نیم  
بیکد گر زسد گر بلب رسد جا نم

## حرف واو

واحی۔ مولوی عبدالاحد نام بخا یوسف پور تحصیل محمد آباد ضلع  
نمازی پور کے رہنے والے تھے۔ آخر عمر میں اپنی اہلیہ کے تعلقات ورشتہ  
واری کن وجہ سے خود بھی دہر پور تحصیل زمینہ میں جا رہے تھے علمی قابلیت  
بہت کافی تھی فاضلانہ استعداد رکھتے تھے۔ شعر و شاعری کا حداثہ  
سن ہی سے شوق تھا۔ مگر اتفاق سے طبیعت کو ظرافت سے لگاؤ تھا وہی  
تخلص کرتے تھے اور اسی رنگ میں شعر کہتے تھے۔ کچھ عرصہ تک یہ مشغلہ اسی  
تخلص کے ساتھ جاری رہا۔ اتفاق وقت کے کسی ضرورت خاص کی وجہ سے  
اسی اجدائی شاعری کے زمانہ میں آپ کو دہلی جانے کی ضرورت پیش آئی اور طویل  
سفر کے بعد وہاں گئے دہلی کی رونق اور آب و تاب اس زمانہ میں جو کچھ تھی اس کا  
بیان کرنا ایک امر تحصیل حاصل ہے۔ مگر یہ کہنا ضروری ہے کہ اس زمانہ میں  
دہلی کے مشہور معروف شعراء غالب مومن ذوق شفیق صہبائی وغیرہ زندہ  
تھے دنیاے ادب میں ان کے فضل و کمال کا ڈھکنا کچ رہا تھا۔ یہ ممکن ہی  
نہ تھا کہ کوئی ادبی ذوق رکھنے والا آدمی وہاں جائے۔ جامع مسجد ہاپوٹا  
کا مقبرہ۔ قطب صاحب کی لاٹ دیکھے اور ان بزرگوں کی زیارت کو نہ جائے  
بلکہ اکثر شوقین پہلے انھیں لوگوں سے ملنے کے لئے جایا کرتے تھے۔ چنانچہ وہاں  
جب دہلی گئے تو سب سے پہلے اپنے ضروری کاموں سے فراغت کی اور اس کعبہ

پتہ پوچھتے پوچھتے مرزا غالب کے مکان پر پہنچے مرزا غالب نہایت خلوص اور محبت سے ملے۔ اور اپنا کلام سنایا۔ اور کہا کہ جب تنکوں اس مرزوفات کا اشتیاق اتنی دور سے یہاں تک کیسے لایا۔ تو میں یہ کیوں نہ کرواں سکتا ہوں کہ تم خود کچھ نہ کہتے ہو گے سنا و ضرور سناؤ۔ انھوں نے بھی انجناہن اسب نہ سمجھا۔ اور وہی کلام سنایا۔ مرزا نے تخلص سنا۔ تو پہلے کچھ بزرگانہ انداز سے ہنسنے پھر کہا کہ کیا تخلص رکھا ہے راہی۔ تراہی۔ بدایہ۔ اس تخلص کو بدلو۔ مولوی صاحب نے کہا کہ جنت میرزا شعل کی رسائی تو ہمیں تک تھی اب آپ ہی کچھ تجویز کیجئے۔ مرزا نے یہ نظافت مجسم اور دکاوت کا چٹلا۔ جتنے۔ اداس یہ نظم اور انداز گفتگو سے تاٹ گئے کہ بدلنے کے لئے تو یہ میری خاطر سے بدل ہی دیں گے۔ مگر شاید دل سے نہ بدلیں۔ دو سو سو یہ سوچا کہ ان کو کلام بھی سن رہا ہی تخلص سے شہر ہو چکا ہو گا۔ انداز کو اس طرح بدلنا چاہئے کہ ہماری بات بھی رہجائے ان کو زحمت بھی نہ ہونا گوارا بھی نہ گزرے۔ چنانچہ کہنے لگے کہ اب واجی تخلص رکھو۔ حقیقت یہ ہے کہ اب تخلص کا مرتبہ زمین سے آسمان پر پہنچ گیا اتفاق سے کچھ غرض تک مولوی صاحب وہی میں مقیم رہے اور مرزا کے یہاں برابر روزانہ آجایا کرتے تھے۔ انھیں دونوں میں مرزا صاحب نے یہ غزل کی تھی۔

آئینہ کیوں نہ دوں کہ تراشا کیسے  
ایسے کہاں سے لایا کہ تجھ کی جیسے

مرزا صاحب نے یہ غزل ان کو بھی سنائی۔ سنچکے تو ان سے کہا کہ اپنے رنگ میں تم بھی اس زمین میں غزل لکھو۔ انھوں نے پہلے تو انکار کیا۔ کہ استاد کی غزل پر غزل کہنا سواداد میں داخل ہے۔ مگر مرزا بھلا ایسے غزل کے ماننے والے کب تھے وہاں تو مہنسی سے غرض تھی کسی طرح سے ہو۔ گھڑی بھر کے لئے دل بہل جانے سے مطلب تھا۔ کچھ ہو کہو ضرور کہو۔ مولانا نے بھی الامر فونی اداب کو ملحوظ رکھ کر مثال امر کے لئے پانچ سات شعر کی غزل کی جیسے ظرافت کے ساتھ ہنسنے اور خوش بھی شام تھا

اس کے بعد دھانی مانگ کر سناٹا لے کر اپنے تالی - مرزا نے اجازت دی - انھوں نے غزل سنا - مرزا نے داد دی اور فوراً ایک شعر خود لکھ کر کہا کہ میاں داحی یہ شعر بھی تو تمھارا چوسپہ - داحی بھنکے سب سے اور ادا فہم تھے سمجھ گئے کہ یہ مرزا صاحب کی عطیہ ہے سلام کیا اور شعر اپنی غزل میں شامل کر لیا - شعر یہ تھا -

عیاشی سیکھنے کے لئے چھک چاہیے رتھی وہ قحبہ پیر کہ دنیا کہیں جسے

داحی مرحوم نہایت شوخ طبع و لطیف تھا بل اور قناد کا کلام شخص تھے - آخر عمر میں مولانا شاہ عبدالعظیم صاحب اسی غازی پوری سے محبتیں کرتے تھے - اس پر سے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ فساد صاحب سے اصلاح کبھی لیتے تھے - مگر یہ غلط ہے انھوں نے ہمیشہ اپنے ذہن رسا کو اپنا استاد اور رہنما سمجھا اور کسی کے سامنے کبھی ان سے علم نہ نہیں کیا - ایسا البتہ ہوتا رہا کہ احباب میں سے جس کسی نے کئی ظرفانہ شعر کہادہ انھیں کی غزل میں شامل ہو گیا - داحی نے کافی عمر پاکر ۱۱۷۰ھ میں بخت نام دہر مرور انتقال کیا - آخر عمر تک اسی وضعاری کے ساتھ زندگی بسر کی جیسی کہ جوانی میں کی تھی - نونہ کلام مولانا سید سبحان اللہ صاحب رئیس گورکھ پور سے جو کچھ دستیاب ہوا وہ حاضر کرتا ہوں -

میراد ہی رقیب ہے ہوا کہیں جسے	ایسا ہی رو بہ ہے کہ کوا کہیں سے
آے طوفان جو وہ بہت بے تسلسل موتے	ساری دنیا ہوتے اب اگر کل موتے
داحی کے گور سے یہ صدا صاف آتی ہے	ذہن بکے ہناک تک نہ ہری کٹ کٹ ہر آن
بل دکھائیں جو کہیں آپ کے گیسوے دراز	سانپ دھشت کے خوف سے سنبل موتے
غسل کے بعد یہ قطروں کا تسلسل کیا	کیوں نہ حیرت ہو مجھے جبے کی کا کل موتے
ہو یہ معلوم شک ہے قریب انیق سے	بادہ پی پی کے جو داحی بہ تامل موتے
قبر داحی کو سمجھتا ہے وہ اک ٹیلہ ہے	کیا قیامت ہے کہ اسپر بہ تامل موتے



گند ناگدار ہی ہے چاری جوانک پر      تحریر ہدی ہے یہ تقدیر ناک میں  
 نچھکو ہوا گمان کہ مسجد میں بھرت ہے      ملاں نے کی شروع جو تکبیر ناک میں  
 واحی طرح ملی تھی مجھے آج بے طرح      دم آگیا مرادم تسطیر ناک میں

واقعہ آپ کا نام سلطان احمد ہے۔ بسواں ضلع سیتا پور میں مکان ہے۔  
 بارہ تیرہ برس سے شکر گئی کا مشرق ہے۔ نہایت عمدہ شکر گئی ہیں اور ہفتہ بھر  
 کے اشعار کی نہایت فراخ دلی سے داد دیتے ہیں۔ جناب ریاض سے مشورہ ضمن  
 کرتے ہیں۔ اور کبھی کبھی افتخار سے طبیعت سے ظرافت شاعر بھی فرماتے ہیں۔ مگر  
 بہت کم شطرنج بہت عمدہ کھیلتے ہیں۔ ملازمت سے طبیعت کو نفرت اور تجارت  
 کا مشوق ہے۔ اسید جے سے آپ عرصہ سے بیکار رہنا نشین ہیں۔ ایک سو پڑھو سال سے  
 کیمیا و فی ترکیبوں کے ساتھ آپ جدید وہات جو سونے کے داخل ہے تیار کرنا چاہتے  
 ہیں۔ اگرچہ اب تک پوری کامیابی نہیں ہوئی۔ پھر بھی اپنی کوششوں میں آپ بہت کچھ  
 کامیاب ہو گئے ہیں۔ راقم سے بھی عرصہ دس بارہ سال سے بے اعتناء ملاقات ہے۔  
 اور جب آپ لکھنؤ تشریف لاتے ہیں تو اکثر ملاقات ہوتی رہے۔ نہایت نیک خلق و متحمل  
 ظرافت الطبع۔ خوش تقریر۔ اور علم مجلس کے ماہر ہیں۔ میں نے ترتیب ذکر کردہ  
 ذکر کیا تو آپ نے اپنے یہ دو تین شعر عنایت فرمائے تھے۔ وعدہ تھا کہ اور بھی کچھ  
 عنایت فرمائیں گے۔ مگر کچھ آپ کو یاد نہ رہا۔ کچھ مجھے اور یہ وقت پر یاد آگیا۔  
 واقعہ صاحب کی عمر اب تخمیناً ۴۵-۴۶ برس کی ہوگی۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

کر مثل کوٹ سے بہتر کوئی تھیں نہیں

مستقل و رٹوں جس جگہ لے قادر ہجائیں

ان بڑی بی کو بھی ملتا کوئی شہر ہی نہیں

عیش کرتے ہیں زمانہ میں یہ بڑی نڈی

پیش رہتے ہیں ہر اک جاگہ قانون سلکٹ

تلم کی ہو گئی ہے دو بھر مار  
ہیں برابر شریعت اور چار  
بی اسے کرتے ہیں مہرے کی دکان  
ایم لے چھیں چار دل میں اچار

صحت میں اپنی ایسے بزرگ پائیک ہیں  
بنواس چپس گے خود نہ پیس کیسے نیک ہیں

واہ ایک مجھول الاسم تخلص ہے جن کے یہ دو تین شعر میرے پیش نظر ہیں  
ہمارا خط لے جاتا تھا اور صید کی گھڑی بچا  
کہہ کر کیا تھا میرا نامہ بر لوکا چٹھا تھا  
دلچا تھا نہ گنجا تھا نہ کانا تھا نہ کشا تھا  
نہایشان سے میخانہ میں آیا کل کے اعظا  
نفل میں بویا تھا کان میں سواکھی تھوڑی تھوڑی  
نہیلی ان کی نانی تھی نہ محبوں میں روادا تھا  
نہدا معلوم کیوں بدنام کر رکھا ہے دنیا نے

واہ - وحید المحسن نام ہے - ایک زمانہ میں کینگ کالج لکھنؤ میں تعلیم پاتے تھے  
زیادہ حالات معلوم نہیں ایک غزل کے چند اشعار مل سکے -

کبھی دیکھی جو صورت صبح کو اس زنت جاکر  
ملا کھانا نہ پانی ہم نے دہ بھر خاک ہی بھاگتی  
بہارے یار کی یاد صبا اک دہترانی ہے  
صفائی روز کر جاتی ہے اگر کوئے جاناں کی  
دکھائی دور سے ارمان کی گھڑی بڑھ کے خوشی  
کبھی لہنی سفر میں پردہ محفل سے گر جھانکی  
شباب بہت چھوٹی آنکھوں میں تھی تو لہنی باہی ہے  
ہوئی ہے گرم بازارِ ہای باعثِ ثیاں کی  
خدا را بھیج دے مجھ کے لہلا گھر میں تو اسکو  
سُبری حالت ہوئی ہے ہجر میں جنوں کی اماں کی  
مٹا کر داڑھی مونچھیں پاٹ کر تے نہیں دہرا  
ادھر تصویر بیجا تہا ہے کالج کوئے جاناں کی  
دہ تھلا کر سبھی کچھ انھوں نے بات کی مجھے  
خدا رکھے زباں اب کھل رہی ہے سب ٹیال کی  
کر میں کیا یار کو چھپ پنے عادت ہو گھڑیاں کی  
لدا بھرتا ہے دن بھر راہ کی ہو جانی آفتیں



انس اور وحشی ہے۔ میں آپ کی قدیم غزلوں سے بھی نظریانہ شعر چکر بٹھا کر آیا ہوں  
اور ان اشعار کا بھی نمونہ دکھاتا ہوں جو آپ نے غزلت کے نام سے نظم و جاہت  
میں لکھے ہیں۔ نمونہ کلام

## واعظ اور سرسید

### تظہیر نظم اکبر مرحوم الہ آبادی

شہرہ جہاں کے وعظ کا تو گو نہیں بھلا  
پھر تو وہ خود کو دلیس سمجھنے لگے ذرا  
اب کیا تھا بیٹے بڑے بڑا ایسا صلا  
سید سے جا کے حضرت واعظ نے کیا

جے چاہے جایا کرتے حال تباہ کا  
شاید ترا دماغ ٹھکانے نہیں رہا  
اے مرد آدمی یہ تجھے ہو گیا ہے کیا  
تسست کا تو مفر ہے نہ قائل نصیب کا  
دل میں خیالی بھی نہ لالہ کا

کسنا ہے تو زبان سے دل کو تو قوم قوم  
سوتا ہے خوب رات کو ہو ہو کے مسکے  
یاد خدا میں کوئی گزرتا نہیں ہے یوم  
ہے کچھ سے ترک حج و زکوٰۃ و صلوٰۃ و یم  
کچھ ڈر نہیں جناب رسالت پناہ کا

جبری یہ رسم کیا ہے یہ جبر ہے کیا رواج  
سارے جہان سے تو نے لکا لایا رواج  
دنیا و دین کا تیرے ہے بالکل جدا رواج  
اُسے دیا جواب کہ مذہب ہو یا رواج  
راحت میں جو محل ہو وہ کا نشا ہے راہ کا

درس و حدیث و فقہ میں کی زندگی بسر  
کھوئی ہے ایک عمر بخاری میں بیٹھ کر  
ہر سوئی ہے روشنی اب تو ہے جلوہ گر  
انسوس ہے کہ آپ ہیں دنیا سے بچ کر

دیکھا نہیں ہے رنگ جو شام و پگاہ کا

حجر و نہیں سجدہ دل میرا ہے آپ عمر بھر  
یہ زہد خشک آبِ وضو سے ہوا نہ تر  
سب حال ہو عیاں جو ہند سے ہو گزر  
یورپ کا پیش آئے اگر آپ کو سفر  
گزرے نظر سے حال رعایا و شاہ کا

یورپ کی لیڈیوں سے ہو صورتِ رباب کی  
چینی کی موتیں ہیں عجب ٹپ ٹاپ کی  
ہوٹل میں جا پین سیر کریں کافی شاپ کی  
دعوت کسی امیر کے گھر میں ہو آپ کی  
کم سن مسوں سے ذکر ہو الفت کا چاہ کا

خوش وضع خوش کلام خوش انداز ہمیں  
میں چند لفظ بھول گیا بول نہیں نہیں  
دلدار و دلستان و دل آرام و دل نشیں  
لوزخیز جامہ زیب گل اندام ناز نہیں  
غارِ حل پہ جن کے بار ہو دامن بنگا کا

پر جائے پھر تو سایہ سپر یون کا واسطی  
اندر کے بھی اکھاڑے ہیں آسے نہ سر  
اس بے تکلفی پہ بھی اسے مرد پار سا  
ہوئے اگر تو ہنس کے کہے ایک مہ لقا  
دل تو لوسی یہ بات نہیں ہے گناہ کا

دنیا میں اس سے کوئی بھی اچھا نہیں ہے کام  
افسوس ہے کہ اسکو سمجھے ہو تم حرام  
پی لو ہمارے ہاتھ سے دھسکی کا ایک جام  
اسوقت قید آپ کو جھک کر گردن سلام  
بھرتا نام بھی حضور جو لیس قبلہ کا

## ہم کیا ہیں

تالیخ احکام قرآنی ہوں میں  
پیرو دین مسلمان ہو نہیں  
دیکھنا دھوکا نہ کھا جانا کوئی  
صبح کا زب کی خوشنما نہیں

معتکف حجرے میں تھا بدنام  
آگیا ننانوے کے پھر میں  
نفس امارہ کا دشمن بن گیا  
کیوں نہ درو قوم کا دورہ اٹھے  
ہوشیار اسے اہل دنیا ہوشیار  
یہ مری ریش مقدس راہ واہ  
کام آجاتی ہے اس ٹی کی آٹ  
اب وجاہت ہے یہ سراہل مال

معتکف یا قطب ربانی ہوئیں  
حافظ اسمے یزدانی ہوئیں  
یہ جو روسی ہے تو جاپانی ہوئیں  
غملگار نوع انسانی ہوئیں  
افراد مکر کا بانی ہوئیں  
خضر ہوں الیاس کا ثانی ہوئیں  
اک محکم شکل شیطانی ہوئیں  
سچ یہ ہے ننگِ مسلمان ہوئیں

### ہندستانی اور یوشین مس کی نوک چھوک

کہا جو لیانے یہ بدرالنسارے  
نیا کوئی انداز تم میں نہیں ہے  
سمجھتی ہو زید کو زینت کا سامان  
بناوت سے تم چاہتی ہو چمکتا  
دہی کرتی انگلیا دہی بند محرم  
لڑائی میں بڑ بکر ہو بھٹیاریوں کے  
نہیں تم میں مغرب کا کوئی قرینا  
ہو پردہ کے زندان میں تم مقید  
مسیح کے دن کا ٹٹی ہو جہاں میں  
تمہیں جیتے جی مار رکھا ہے اُسے  
کماٹن کے بی بی نے لے میم صاحب

کہ موجودہ تہذیب کے تم ہوعاری  
پُرانی ہیں ساری ادا میں تھاری  
خوشی سے اٹھاتی ہو یہ بوجھ بھاری  
لگاتی ہو کپڑوں پہ گوٹا کناری  
چلی جاتی ہے حسن کی پڑہ داری  
جلاتی ہو بیڈ بچھری دیکھاری  
نئی روشنی میں چلن ہیں گناری  
تھارا نہیں کوئی فضل اختیاری  
یہ جینا ہے یا نزع کی دم شماری  
پڑے بھاڑ چولھے میں یہ ضوعاری  
بس اب چپ ہو آئی اب میری باری

نئی روشنی کے سنہ گیت گئے  
 تماشا تو دیکھو کہ بدودہ اٹھا کر  
 نظر پڑتی ہے غیر لوگوں کی ہر دم  
 کیا کرتی ہو غیر مردوں سے باتیں  
 ہوتی ڈوڈی اور ہنر گارٹی نفرت  
 نہ احتراؤ میوں کا سایہ پس نہ کر  
 چلا ہنس کی چال پہنچی بھولا  
 خطا راں کی شہدائیں عورتیں بھی  
 ترقی کر عظم شاہستگی میں  
 اسے کہتے ہیں لوگ تقلید بیجا  
 کوئی آنکھ بھر کر نہیں دیکھ سکتا  
 ہے دنیا انھیں کے لئے بے حجابی  
 نہیں ملک میں رش و بربادی  
 مبارک انھیں مغربی پورٹ مشو

برت کر نے بڑا ہر کوئی کھنڈ  
 بنی پھر تو ہے مجھ میری پکاری  
 تمہارا یہ چہرہ ہے اپنا ہر دم  
 چٹکتی نہیں پاس تک مساری  
 پسند آئی بانسکل کی سواری  
 کہ صورت ہے کالی کلونٹھاری  
 نہ کام آئی کو سے کی کچھ بشاری  
 بیا ہی مسر اور مس ہے کنواری  
 نہ چھوڑو مگر اپنی تم خسواری  
 بناوٹ ہے یہ سادگی بھاری  
 حکومت کا میوں کی سرکے جاری  
 ہے شایاں ہمارے لئے پروہاری  
 حکومت سے بھٹی ہیں باتیں ساری  
 ہیں ایشیا کی پرانی پٹری

جو کا ضعیفی میں قد شیخ کا  
 گرے اس میں عشاق کے دل بہت  
 میرا ماں میں میکے کے شیخ  
 غور و مہرے دل میں رہتے ہیں

کبھی تیر تھا اب کہاں ہو گیا  
 ذوق ایک خونی کنواں ہو گیا  
 آن کے گھر کی دکان ہے گویا  
 یہ حسینوں کی کان ہے گویا

ہلکے کمبوں زمیں کا سہارا نہ لے  
 یہ بڑا بہت ناتواں ہو گیا

زل دنیا بھی ہے بڑی چھوٹی  
 آسماں بھی ہے پیر نابالغ  
 ناز سے ڈال لو بل ابرو میں  
 قیس دیوانگی کی حالت میں  
 سوت کرتی ہے چاروں خانے چت  
 ہے نیا ڈھنگ اس پُرانی کا  
 دقت دیکھا نہیں جوانی کا  
 چیخ کس دو ذرا کمائی کا  
 راجہ تھا بن کی راجد ہائی کا  
 ہے رواں داؤ ہسلوانی کا

مقتل میں غیر آنے سکا ڈر کے ہٹ گیا  
 حاضر ہوا نہ حشر میں اچھا نہٹ گیا  
 نام رقیب میں نے لفافہ پہ لکھ دیا  
 واعظ کی گت بنائی تھی رنڈن بیطرح  
 لیکن وہ دم چرے پڑا تھا زین پر  
 بزدل نہیں تھا بڑھنگا نور ہٹا کٹ گیا  
 اس غیر حاضری میں مرنا مٹ گیا  
 کچھ غم نہیں ہے خواجہ اخیس لگٹ گیا  
 یہ جانتے تھے اسکا بسا پاپ کٹ گیا  
 رندوں نے پشت پھیری تو اٹھ کر چھٹ گیا

دل ہے برسات میں بھی نر مردہ  
 ہم نے کتنی ہی اٹھائیں کیں  
 سوکھ کر یہ شجر ہرانا ہوا  
 وہ مگر ٹس سے مس ذرا نہ ہوا

اب ٹھکانا ہے ہمیں عشق کے دکھیاؤں کا  
 پاس شیریں تھا جو فرما دے گا اکسار  
 کوچہ یار شفا خانہ ہے بیمار دل کا  
 ورنہ یہ کام ہے مزدوروں کا ہمارا دل کا

قتل کر ڈالیں جو وہ جھکو تویرے خون سے  
 ہے خم محراب ابرو سے صنم کیا خوشنما  
 بعد مردن بھی رہی انکی باہم لاگ ڈانٹ  
 تو سن عمر رواں بنجائے دلدل کا جواب  
 بحر عالم میں کہیں دیکھنا اس بل کا جواب  
 برہمن کے پھول ہوں گے شمع کے فکری جواب



جنت سے آئے حضرت آدمؑ  
دکھتے پھولوں کی چڑیلوں کے کھیلنا  
نکلی ہوئی تھیں چاندنی  
رواں کر مٹو پگھلی چاکر دامن کی خانہ

رند و چلو کہ شیخ کی گڑھی بکے گی آج  
نیلام ہوگا پیر مغاں کی دکان پر

مرے دل کی پریشانی اچھو کر نہ کھرا ہے  
حاکم ڈال رکھی ہے گھٹے میں اس گھٹیا حاصل  
ذرا تو گیسوں میں اور ابھی لہاؤں جیلا  
دھڑلے لہاؤں میں جھکنا تو دقتیں پیدا کر  
تیرے گھرا تو دشمن بھی چلے آتے ہیں بے کھٹکے  
جو روکے دور سے غیروں کو کہہ رہا ہے یادگار

مر گیا میں تو ہنس کے وہ بوئے  
رحم چرانے کے تین ہزار طریق

نہایت بے تحفہ ہے آتشاموں کی صحبت بھی  
ذرا میخانے میں کھو نہاں شیخ کی سچ درج  
ادھر دو چار لیٹے ہیں آدھروں پر بیٹھے ہیں  
کہہ نہ سکتے ہیں تحفہ اسٹچی و سٹاپشے ہیں  
عدو کی موت نے غصوٹ کر دیا بالکل  
کہا یہ شیخ نے زہد سے سن کے جھکا ذکر  
اسی پر ہم بھی سر نہا مند لے بیٹھے ہیں  
وہ آگے نہیں بھوکا کبھی

وہ صبر پاس آتے نہیں بھوکا کبھی  
کرۃ الہیہ عشق کے بحر میں فیصل  
میں ان کے پاس جاؤں تو کہتے ہیں نہ ہو  
تم حسن کی کھیری کے عدد الصد ہو  
سب رند یہ کہتے ہیں کہ بھیک کے خدا کا  
سننے ہیں جو اعظ سے کھوئے کی نیت

مرغ کے ہمراہ دیتا ہوں زنا بھی زنا  
اومی کوئی اگر ہو جائے زنا تو ہو

باد آدم خاں سے پہلے تھے ہم گھر سے تھے قصہ کو تہ باب کا پیر و پسر اتنا تو ہو

نقد جان تک لوٹ لیتے ہیں جس عشق میں چنگیز خانی اور ہے

ملک عدم آباد میں ہے سخت حکمت پرچہ کوئی نکلے تو دہاں سے خبر آئے

جان جو بس دم کی سچی جان تار ساتھ راجہ کے یہ رانی جانیگی

خزرو اس کے رخ صاف پر نقاب ہے جو قیمتی ہے وہ جزو الٰہ میں کتاب ہے

جنت میں بسر ہو گی نہ حوروں سے ہماری سننے ہیں دہاں کا تو رواج اور ہی کچھ ہے

نظام ملک جفا میں جو ابتری ہو گی رقیب کو وہ مدار المہام کر لیں گے

سو ڈاڈا اثر ہو کہ انگور وغیرہ کا پھوڑ پیاس لگتی ہے تو پی لیتے ہیں ہم ہر پانی

سانپ زلفوں کے پان کچے ہیں وہ حسین کیا ہے اک پیرا ہے

مل گیا امر برہیں سستا ایک کوڑی کا ایک پھیرا ہے

بھٹاڑ کھا بیگیا قیص کو اکدن سنگ لیلی کا نام شیرا ہے

دیکھی رفتار بلق نام چاقو بند یہ بھیرا ہے

جو اس اُن کے جاتے رہے صبح وصل  
مے گہری پچھڑی رہ گئی  
جلے دل رگ جان جلنے کو ہے  
یہ اب آخری پھل پچھڑی رہ گئی  
دھڑاکنی عشق کے دشت میں  
وجاہت ہی کی چھڑی رہ گئی

دل رہا بچ کر بھاگنا دنا سے  
لے گیا بازی کیو تر باز سے

جان دی ہے ہنسنے کو سے دلریا کے سہنے  
تغریہ ٹھنڈا ہوا ہے کر بلا کے سہنے

وحید کوئی صاحب بدایوں کے رہنے والے اور موجودہ شعراء میں سے  
ہیں۔ سرت غزالت کی طرٹ میلان طبع ہے۔ یہ دو شعر جناب قمر بدایونی نے  
سنائے تھے۔ جو درج کرتا ہوں۔

ہوئی نکلا مجھے اور اُن سے راند میں  
میں کتا تھا میں بل لورہ کہنے تھے کیلے  
کہا میں نے کہ اک نہ کہتا پا کا مجھے دیدو  
میر کی ریت رو کہنے لگا سالاکھت بابا

وصل سر مرزا محمد اسحاق نام تھا، میرا سیمہ تھنہ، بقا قدیر امینا کے  
بیٹے اور شرف الدین خانوں کی شہسوی کے شاگرد تھے۔ شہزادہ متھہ میں کے طبقے سے  
تعلق رکھتے ہیں۔ تاریخ وقات اور جو تلاش دستیاب نہیں ہوئی۔ بیشتر و کثر  
حصہ عمر مرتبہ کہنے میں گزارتے تھے۔ مگر کبھی کبھی اتھما سے طبیعت اور  
تھنہ کے ظہیر پر شعر مذاقہ بھی کہتے تھے۔ رویتا شعر میں تھے۔

ایک جا خوش میں تو بولا  
ابے چھوڑ کب تک مسن رہ جاؤ  
اتھ میں ہاتھ نے غیروں کا پڑے پھرتے ہو  
ہم جو دامن چھوین تو آپ بھٹکتے جاؤ

دھن کی شب میرا انگیا پر اگر ہو دستریں میں یہ سمجھوں انکی سونے کی چڑیا باتیں

وفا تخلص ہے ذاب محمد عرفان صاحب بہادر خلع برق الدولہ بہادر  
رئیس اعظم حیدر آباد کا۔ آپ نہایت قابل اور مشہور نثر نویس ہیں چنانچہ عاشق  
ناشاد۔ ناصر حمید۔ گلزار وفا۔ وغیرہ ناول آپ کی تصنیف سے ہیں ایک  
نظم پغوان۔ نئے تعلیم یافتوں کا فوٹو۔ آپ کی تصنیف سے نظر سے گزری۔  
اگرچہ اس نظم کو کوئی طریقہ نہ نظم کہنا غلطی ہے۔ مگر چونکہ اکثر جگہ بیان میں  
شوخی اور شگفتگی ہے اسی لئے اس کے بعض اشعار درج کرتا ہوں۔

عجب انداز سے کچے آج ہم فریاد کرتے ہیں  
نئی تعلیم پا کر کالجوں سے جو نکلتے ہیں  
برل کر ٹھاٹ اپنا اس طرح گھر سے نکلتے ہیں  
چرٹ منہ میں تو سر پر ٹکی ٹوپی ہاتھ میں تھڑ  
اگر رستہ میں لجا تا ہے اگلی وضع کا کرنی  
کمر بابتہ رکھ کر جب کبھی میں کھڑے ہونگے  
ترقی کر گئی ہیں غیر تو میں تم بھی اب جاگو  
یہ سب کچھ کہہ کے جب تھریر اپنی خیم کرتے ہیں  
پسند آتی نہیں ہے قوم کی صنف نہیں کوئی  
ڈرامے شکسپیر کے اٹھا کر ویکھ لیں سارے  
حتو را داب تلیات کہنے پر تو یہ خوش ہیں  
بظاہر شاعروں کی جوج میں مصروف ہیں لیکن  
نہ ہو جب تک چھری کا شایہ کھانا کھا نہیں سکتے  
نئی تعلیم والوں کی بیاں رو دا کرتے ہیں  
صلاح قوم کی وہ ہر جگہ فریاد کرتے ہیں  
زمین تک کا پتے ہیں بوٹ بھی فریاد کرتے ہیں  
چڑھا کر آنکھوں پر عینک نظر برباد کرتے ہیں  
تو ہنس کر ادلڈ فیش کہہ کے اسکو یاد کرتے ہیں  
پکاریں گے کہ آؤ قوم کو ہم یاد کرتے ہیں  
نصاحت بلا عینک ہی ارشاد کرتے ہیں  
تو پوچھ جاتے ہیں میخاؤں کو وہ آباد کرتے ہیں  
براڈی اور چرٹ سے اپنے دل کو شاد کرتے ہیں  
کہ شاعری زمین شعر کو آباد کرتے ہیں  
اگر یاد کہے کوئی تو بس فریاد کرتے ہیں  
بھلا کیوں دلوں سے اپنے دل کو شاد کرتے ہیں  
اگرچہ نہ ہو تو ہر گھڑی فریاد کرتے ہیں

پیراؤ اور مٹھن قبر سے ایک لفرکت  
 اٹھیں نفرت نہ کیوں ہو باپ دادا کے مذہب سے  
 قریب رہیں ورنہ جو توڑ کر نہ کھینچتے ہیں  
 کہ ان کو تو یہ ہر دم قول کسر یاد کرتے ہیں  
 ہم ان کی روضہ پر بھی درہی سے صاف کرتے ہیں  
 ہی تہذیب سے تو ہم کو کچھ مطلب نہیں اُن سے

## حزینہ

ہاشمی گیارہویں صدی ہجری کا شاعر نصر قی کا معاصر ہے۔ سادہ زاد  
 نابینا تھا۔ مگر عقل و ذہانت اور طباعی میں اپنا نظیر نہ رکھتا تھا چنانچہ ۹۹۰ھ میں  
 ایک فتویٰ پر سعد زلیخا کے نام سے لکھی جس سے اسکی ذہانت پر روشنی پڑتی ہے  
 اور معلوم ہوتا ہے کہ زبان اردو کے شروع زمانے میں بھی یہ اسی طرح زبان پر  
 قدرت رکھتے تھے جیسے کہ لوگ آج اسپرنا کرتے ہیں۔ بہ لحاظ قدامت ریختی کا  
 موبند انھیں کو تسلیم کیا جاسکتا ہے۔ نمونہ کے طریقہ پر ان کے اشعار جو درج  
 کئے گئے ہیں وہ میں بھی ذیل میں لکھتا ہوں ہاشمی نے ۹۹۰ھ میں انتقال  
 کیا اور آخر تک برابر یہ رنگ کتے رہے۔

اگر کوئی آکے دیکھے نکلا تو دلیں کیا کیے گا مجھے بدنام کیا کرتے کہیں میں جاؤ گی چھوڑ  
 رضا گر جھکو دیتے ہی کو فنگی نظر میں جا دارو اگر مجھ ہو ویلی قسمت صبح پھر آؤ گی چھوڑ

پاسے واسے۔ تخلص توغیر یہ کیا ہوگا۔ مگر اسی تخلص سے ایک منجلی  
 شاعر نے اپنی طباعی اور ذہانت کے جوہر دکھائے۔ اودہ پنج سابق کے ایک  
 نامہ نگار ہیں۔ جس زمانہ میں داغ مرہوم کا انتقال ہوا ہے۔ اُس وقت  
 خدا معلوم اوٹیر مرحوم کی ذاتی اغراض سے یا اور کسی سبب سے اودہ پنج میں  
 ظرافتہ تار بخیں کا وہ طوہار بند ہاتھا کہ سننے والوں نے کانوں میں انگلیاں

رہے لی تھیں۔ جذبات ظرافت میں ایک حشر و نشر کا عالم برپا تھا جس کی کوئی خبر نہ تھی۔  
 سر ضروری کام چھوڑ کر داغ لگنے لگے ایک طرف لٹاؤ، دوسری طرف گھڑی۔ ادنیٰ اکثر  
 تہذیب کے درجہ سے بھی گر گئیں۔ مدتوں تک یہ سلسلہ جاری رہا چونکہ داغ مرحوم ایک  
 مسلم الثبوت۔ استاد اور ملک کے نامور شعراء میں سے تھے۔ اس لئے اکثر حضرات کو  
 اپنا صحیح نام و تخلص لکھنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ سمجھے تھے کہ داغ کے ایک دو شاگرد  
 تو ہیں نہیں بے تعداد ہیں بے شمار ہیں۔ اگر ذرا بھی کسی کو معلوم ہو گیا تو آفت  
 آجائے گی۔ اسی لئے عجیب و غریب تخلصوں کے ساتھ سب چیزیں لکھی جاتی تھیں  
 چنانچہ ان صاحب نے اپنے لئے اسے واسے تخلص پسند کیا ہے۔ تاریخ میں ایسے داغ  
 دونوں کو لیا ہے اور اوہ پنج سابق مطبوعہ ۱۶۔ مارچ ۱۹۳۸ء میں تھوڑی سی  
 نشر کے ساتھ یہ تاریخ شائع کرانی ہے۔ ممکن ہے کہ اور بھی کچھ طریقہ کلام ہو۔ مگر  
 مجھ کو صرف یہی لازم ہے جو مندرجہ نقل کرتا ہوں۔

حضرت سنے یوں تو لوگ روز ہی روتے ہیں لیکن بند درگاہ کا رونا کوئی ایسا  
 ویسا معمولی محرم و حرم کی مناسبت سے نہیں۔ کیا معنی لوگ صرت دین و دین  
 ہی میں سینہ کو بیاں کر کے روتے رولتے سعادت دارین حاصل کرتے ہیں لیکن کیا  
 جانتے ہمارے شہر میں سدا سہاگوں میں بھی سال بھر کی محرم ہی محرم رہتا ہے  
 اجنبی آدمی تو یہ جانتا ہے محرم ہے غم حسین میں لوگ ہلک رہے ہوں گے مگر حقیقت  
 حال معلوم ہونے پر اپنی جو قوت ہی پر رونا آتا ہے یعنی جس کو لوگ تابوت جیٹ کریتے  
 ہیں وہ ہمارے شہر کا طاعونی مردہ ہوتا ہے۔ اور گھر والوں کا رونا جو سوز و  
 فوج سمجھا جاتا ہے صرت خدا واسطے کا رونا ہوتا ہے۔ علی ہذا القیاس یہاں کی حالت  
 دیکھئے میرے نزدیک رونا ایک معمولی مشغلہ ہے۔ اسی وجہ سے بہلا اور موات  
 کا کیا ذکر کرتے مرنے والی کے نام پر بھی میں نے دو آنسو نہیں بہائے۔ ہاں خوب

یاد آیا۔ عمر بھر میں صرف ایک بار رویا ہوں اور وہ بھی غمی میں نہیں۔ بلکہ شادی  
میں۔ کب جب میں بناتا تھا۔ بننے سے یہ نہ خیال فرمائے گا بنانا تھا۔ بلکہ اور لوگوں  
نے بنایا تھا۔ الحمد للہ وہ بگڑ گئیں میں آدمی بن گیا۔ یا اس مرتبہ حضرت داغ  
کے مرنے کا قلق ہوا۔ لوگوں کی شرائشی دیکھا دیکھی میں بھی روتا ہوں۔ ہاں  
اور سنئے اگرچہ میں خانہ فانی شاعر نہیں اور نہ خدا نخواستہ ملک کے مشہور شاعروں میں  
میرا شمار ہے۔ لیکن موزوں طبع ضرور ہوں اسوجہ سے ذرا نظم کہتے ذرا پڑھتے  
ہوئے جھجکتا ہوں۔ اور پھر ایسے شہر میں جہاں کے تعیش اور خلقت کا یہ حال ہے  
دس دن حرم میں بھی شوہر پرستی سے باز نہیں رہتی بجائے غزل ٹھمری پٹہ خیال کے  
غم حسین کے پردے مرثیوں کی اداسی میں کھلم کھلا گانا سننے سوز و ساز کے لطف  
چھپر چھاپ کے مزے لٹکتی ہے۔ پس بندہ بھی قیود شاعری کو سلام کر کے ذرا  
یا حضرت داغ کی وفات کا قطعہ تاریخ لکھتا اور خوب جی کھول کے روتا ہے۔ اور  
اگر روتے نہ بنے تو بقول شخصے عذرا گزار ہوں آتی نہیں فریاد مجھے۔

### روتا ہوں بھئی روتا ہوں

دے گئے داغ امیر داغ ملے میرے داغ	دل کو ہو غم سے کیا فرخ ہائے امیر داغ
کہ غزل رنائے داغوں سے پائے	روئے اور رولائے ہائے امیر داغ
کہتی ہیں ندیاں بھول چوک میں کہ تیرا	غزل ہے بجائے حسین ہائے امیر داغ
کام ہے اپنے کام سے دریا غرض سلام سے	کہنے کوئی لفظ نہ ہائے امیر داغ
وہ جو ہیں تائیں گے ہم بھی دکن ہی جینگے	مرے تو نام پائیں گے ہائے امیر داغ
ہاں مجھے ظالم ہے رنج ظالم کمال ہے	غم سے بڑا یہ حال ہے ہائے امیر داغ
بلکہ میرض تھا لا دوا ہونا تھا جو وہی ہوا	دا با اجل نے ٹیٹھو ہائے امیر داغ



ایمان و نور خدا دہے اور غزال ہی یا شہ ہے  
 رنج یہ مستزاد ہے بسے میر داسے مرغ  
 غم سے جو آپین آئے سال وفات کیا سکا  
 کتابہ دل کہہ بے بائے بائے لیلہ دلخ

داغ صاحب مرگئے شرم و حضور ہی گئی  
 کیا کہوں اک حسرت عرض ضروری لگائی  
 میرے دل سے پرچھپے مدرسہ ہو گیا بانی  
 میرے غم کے زندگی اپنی اور ہوتی دگئی  
 یہ خبر سن کر کوئی گھر سے ہمارے چل دیا  
 مجھے گھر کے ہی ہاتھ جلد سے یہ بات  
 پر کتر کے لئے گئے داغ اور اندر سے قلع  
 سال تیار رنج سسجی سے جو دوری لگئی  
 شاعری ہندوستان میرا بٹھوری لگئی

پھر آپ کا نام پٹنٹ تریہوں ناتھ والد کا نام پٹنٹ بٹھناتھ صاحب پرورد  
 تخلص صاحب برتھا حضرت جگر ۱۸۵۷ء میں تحصیل چنبا میں پیدا ہوئے۔ گزرا وہ تریہ  
 سکونت فیض آباد میں رہی۔ علوم مشرقی زمانہ کے دستور کے مطابق کتب میں پڑھے پھر  
 پھر متعدد جگہ انگریزی علم کی تحصیل کر کے کیننگ کا کچھ کھنڈ میں ایف۔ اے تک تعلیم پائی  
 مگر چونکہ امتحان میں پاس نہ ہوئے اس لئے دل ٹوٹ گیا اور تعلیم کے سلسلہ کو ختم کر دیا۔ بعد  
 تہ تلاش معاش اور دے کے مختلف اضلاع میں گھوم کر گوڈہ میں مستقل سکونت کا قصد کیا تھا  
 اور وہیں ایک دوکان مسلسل رہے بھی۔ مگر گردش تقدیر سے زمانہ کا درد پیدا ہوا جسے  
 مدوں پریشانی کا سلسلہ اور ملازمت کا قلمسلسلہ قائم رکھا۔ تاکہ اسی کے علاج کے  
 لئے فیض آباد آئے۔ آخر کار یہیں چھ ماہ بیمار رہ کر عمر ۳۳ سال ۱۸۸۷ء میں  
 انتقال کیا۔

بقول منشی سجاد حسین مرحوم صاحب ادب پڑا وہ رنج اس اخبار کے سب سے پہلے  
 قہر دان اور خریدار پھر تھے۔ ایک سال تک مختلف مشاوارہ پر آپ کے مفاد میں پڑھیں

میں شائع ہوتے رہے۔ نہ صرف اودھ پنج بلکہ ملک کے مشہور مشہور اخبارات و رسائل میں آپ کے نہایت معرکہ الارامضامیں شائع ہوئے اور پبلک نے مخصوص قدر دانی کے ساتھ ان کو پڑھا۔

جیسے کہ آپ ایک کامل نثار تھے اسی صورت سے آپ کو شعر گوئی کا شوق تھا۔ حضرت قدر بگرا می کے شاگرد تھے۔ اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں فکر شعر کرتے تھے اور دونوں میں نہایت اچھے شعر نکالتے تھے۔ مگر زیادہ تر میلان طبع ظرافت کی طرف تھا۔ اسی سبب سے اکثر مثنوی اشعار میں بھی یہ رنگ نظر آتا تھا۔ مگر فوس ہے کہ اپنے اپنے کلام کو کبھی جمع نہیں کیا۔ یہی سبب ہے کہ اب مشکل سے چند شعر دستیاب ہو سکے جو درج ذیل ہیں۔

مرے ساتی چاند کو چھٹا پلا	کہ ہستم اسپر کمند ہوا
مزا کر کرا ہو گیا دے جس	نداریم غیر از تو فریاد رس
خوش از چاند بازی کر گزشت	دیز گرم تر ہیج بازار نیست
مک چوں مس قلب کیست	کہ افیوں ہمہ درد ہمارا دواست
جو تو چاند بازی کرے اختیار	شود خلق دنیا ترا دوستدار
یہ افیونیوں کی کمر خم نہیں	نہد شاخ پر میوہ سر نریں
مکرم ہوئی۔ گیا منفرد پوست	تواضع ز گردن فرازاں نکوست
مک کش لگائے اگر دم سحر	زند سوز او شعلہ در آب دگل
او ہر لاؤ عقد لگاؤ نہ دم	کہ ناگہ شود سر بسر کالعم
جو افیوں پئے ہے وہی آدمی	نہ زبید ز مردم بجز مرد می
میاں ہجرینیک ہیں لٹوں پہر	بغفلت میر غم درد سے بسر
ہجر مردم نے ایک مرتبہ ایک۔ قوی اتفاق کے موقع پر ایک صاحب	

کی شان میں حالی کے مسدس کے طریق پر جو یہ نظم لکھی تھی اس نے خصوصیت کے ساتھ  
شرن قبول حاصل کیا جس کے چند بند تعین طبع کے طور پر ہدیہ ناظرین کے بہتے ہیں

سہنل قومی اعزاز کے کھولنے والے      زمانے میں تخم حسد بونے والے

جہالت کے چشمے سے منہ مٹانے والے      خردوار بے خبر سونے والے

گھٹا کی طرح چھا رہی ہے تباہی

تری قوم پر آہی سب تباہی

عدالت کے لئے کھڑے کانے والے      جہالت کی زنجیر کھڑکانے والے

دلوں کو ضعیفوں کے دھڑکانے والے      نیار و زاک جو ٹھہر کانے والے

یہ کیانت نئی شہید بازیاں ہیں

یہ کیا قوم میں رخنہ اندازیاں ہیں

اگر لکھنؤ میں تمہیں باخدا تھے      بڑے نیک طینت تھے پار تھے

اگر قوم میں تم ہیجا دم آتا تھے      بڑے پاک باطن تھے پار تھے

تو ہنر تھا گھر بار سب تباہ دیتے

چلے جانے کا شی میں سناس لیتے

یہ ذاتی تشخص یہ نخوت کہاں تک      یہ پنداریہ عجب و نخوت کہاں تک

یگانوں سے اپنے یہ نخوت کہاں تک      یہ بیڑھے لڑانے کی عادت کہاں تک

ذر الحول کر کاں سن اس سخن کو

سہ در پیش چہ آخر رخ چاہ کن کو

ہدایت خواہ ہدایت اللہ کے عون سے مشہور تھے ممکن ہے کہ یہی نام

بھی ہو۔ شاہ طہماسپ اور شاہ عباس ماضی کے اصطبل خانے کے داروغہ تھے

شعر و شاعری میں شہر بھر میں مشہور تھے۔ خدہ شدہ یہ خضر بادشاہ کے کانوں تک پہنچتی پرچا کہ کیوں ہدایت تم شعر کہتے ہو۔ انہوں نے اقرار کیا۔ ان میں نے کہا کہ اگر شاہ عہد سکندر نامہ نظامی کے وزن پر کم سے کم پانچ سات شعر یعنی کھمبہ سناؤ۔ انہوں نے کہا کہ حضور پانچ سات شعر کیا معنی اگر حکم دیجئے تو خمسہ نظامی کے جواب میں ایک بے معنی خمبہ کہ دوں۔ بادشاہ نے کہا کہ یہ کام بہت مشکل ہے۔ انہوں نے کہا کہ اگرچہ مشکل ہے مگر حضور کے اقبال سے غلام آسانی کے ساتھ اس فرض کو ادا کر سکتا ہے حضور انعام مقرر فرمائیں۔ بادشاہ نے ہر سیٹ کے بدلے میں ایک عباسی دینے کا وعدہ فرمایا۔ مگر ساتھ ہی یہ بھی شرط کر لی کہ اگر کوئی شعر یا معنی خمبہ میں نکل آئیگا۔ تو ہر شعر کے عوض آپ کا ایک دانت توڑ دیا جائے گا۔ ہدایت نے اقرار کر لیا اور اسکے بعد قلیل عرصہ میں ایک خمبہ مہملہ کہا نذر گزارنا۔ تمام خمبہ میں تین شعر یا معنی نکلے اسکے بدلہ میں وعدہ کے موافق تین دانت اکٹھا دئے گئے۔ اور بقیہ اشعار کے بدلہ میں وعدہ عطاے یک عباسی فی شعر پورا کر دیا۔ چنانچہ اس کے سکندر نامہ مہمل کے تین شعر یہ ہیں۔

اگر عالی بختیہ بر مومزن	بخت پینہ بر فصل آہو مزن
بر غم ملک تیر کزازی مکن	بآہنگ ماہیج بازی مکن
کہ نعل از تبسم مر باشد	نصیر آسیا کتہ حلوا شود

### نمونہ ہفت سیکر مہمل

شاہ سرد عاے گوز مکن	رخنہ در ہر جوال دوز مکن
دم بخر طوم زندہ پیل مزن	سایماں بر سر خلیل مزن

## نمونہ شیریں خسرو مہمل

منہ چوں میل سرور پائے خشنکاش      مکن چوں سر مردانہ بر بے نقاش  
بیابانِ وقت گل دروازہ دارد      کلید بویا آوازہ دارد  
نہ تنہا دوستی در کا ہزار است      کدیز ناراں جابِ عاشقان است

ہر گھر ان کا نام عبدالرحمن تھا۔ اور بچہ رب وطن۔ مگر جن زمانہ میں دلی کی شاعری عروج پر تھی اور بالکلوں کا مجمع اس کے وقار و عزت کا نشان ہو گیا تھا اسی زمانہ میں کسی خاص وجہ سے یہ اپنا اصلی وطن ترک کر کے دلی چلے آئے تھے۔ وہاں حکیم آزاد جان عیش کے مکان کے قریب آکر رہے۔ اس زمانہ میں مطلبی بڑا چلتا تھا۔ کچھ روٹے لئے اور پڑبانے بیٹھ گئے۔ چہا تے رہے۔ مگر اسی طرح جیسے پہلے آکر پڑھایا کرتے تھے۔ اتفاق وقت کچھ یاشارت اعلان کیے۔ ایک روز کسی روٹے کو بلانا انسانی کی مشہور تصنیف لکھنے والا کا بستی پڑا رہے تھے۔ اور بہت سکیم آزاد جان عیش گزرے۔ چیتے چیتے کان میں ان معارف اور مطلب کی بے تک چوکی جو میانجی اپنے ہونہار شاگرد کو بتا رہے تھے۔ حکیم مر سب تو خود زعفران لادے تھے۔ ہی ٹھہر گئے۔ چہر تو کھڑے ہو کر پورا سہن سنا۔ سچا انہر سہن سنا۔ ذہانت کے عجائب خانہ کا منظر سامنے آگیا۔ جو مشابہت عجیب و غریب ہوئی۔ کان تک پہنچے انوکھے۔ اب کیا تھا۔ ان نفع یا روحانی غلہ ہاتھ آگئی۔ چپکے سے ہاتھ کا اشارہ کر کے ایک ایک کے کو بانگ بلایا اور تاکید کر کے کہدیا کہ آج اپنے مولوی صاحب سے ہوا۔ اسلام کہنا اور کہدیا کہ آپ سے کچھ ضروری کام ہے بلایا ہے۔ یہ کہہ چلے گئے۔ ادھر روٹے نے حکیم صاحب کے الفاظ آخرت کی طرح حوالہ دیا۔

کو سادے دوسرے روز حکیم صاحب سے ملنے کے لئے گئے۔ حکیم صاحب نے باتوں باتوں میں بیاقت علمی کا حال معلوم کیا تو دعول میں پل نکلے پس پھر کیا تھا۔ اب تو ایک چیز پانچ لگ گئی حکیم صاحب نے پھر پوچھا کہ کیوں بھلا جناب کو کچھ شعر و شاعری کا بھی ذوق ہے یا نہیں۔ مولوی صاحب نے کہا کیا مشکل ہے نہیں ہے تو اب ہو سکتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ اچھا اب غزل کہئے تو آپ کو مشاعرے چلیں۔ انہوں نے مشاعرہ کی صورت پوچھی۔ حکیم صاحب نے وہ صورت بھی کھینچ کر دکھائی دوسرے ہی دن یہ حکیم صاحب کے قریب ارشاد کے لئے ایک کمرے کا کھڑا غزل کہلائے۔ مولوی صاحب کی کہی ہوئی غزل حکیم صاحب کے لئے کشت زعفران جتنی اس میں کچھ اپنا تصرف کر کے بالکل دیوار فقہ بنادی۔ اسے دن مشاعرے ہو ہی کرتے۔ تھے کسی مشاعرے میں اپنے ساتھ لے گئے۔ مولوی صاحب کا ہر ہر تخلص قرار دیا گیا۔ مگر شاعر کے روز ان کی جو وضع تھی یعنی نوکدار ڈاڑھی۔ گھٹا ہوا سر۔ اسپر عمامہ۔ بالکل کھٹک بڑھیا معلوم ہوتے تھے۔ حکیم صاحب تو ظرافت کے مزاج تھے کہنے لگے کہ مولوی صاحب کوئی ظریفانہ تخلص رکھئے انہوں نے جواب دیا کہ تجویز کر دیجئے۔ انہوں نے وضع قطع کے موافق بدھ تجویز کر دیا۔ انہوں نے منظور فرمایا۔ انہوں نے مشاعرے میں ان کی پوری پوری تعریف کر کے موجد تخلص کا اظہار کر دیا۔ ظریفوں کی خصوصاً اور سامعین کی نظر میں عموماً ادھر متوجہ ہو گئیں۔ جب غزل پڑھی تو وہ چل پوں مچی کہ حکیم صاحب کیا۔ مولوی صاحب ایک خوش ہو گئے۔ اور مشاعرہ کی داہ واہ سجاں اشارے نے وہ منظر دکھایا کہ عمر بھر نہ دیکھا تھا چند روز کے بعد حکیم صاحب کو ایک اور مذاق سوچھا۔ بادشاہ کی تعریف میں ایک قصیدہ کہلایا اور انہیں دربار میں لے پہنچے۔ اور جہاں پناہ کے سامنے وہ قصیدہ پڑھوایا۔ جس میں کے چند شعر یہ ہیں۔

جو تیری طرح میں میں چونچ اپنی ڈاکر دلا  
تو رشک باغ ارم اپنا گھوٹلا کر دلا  
جو آگے زیر کرے میرے آگے موسیقار  
تو ایسے کان ٹوڑوں کہ بے سارا کر دلا  
جو سرکشی کرے آگے مرے ہما آکر  
تو آگے چونچ کے پر شکلاں پڑا کر دلا  
میں کھانے والا ہوں نعمت کا اور تیرے لئے  
فلک کے چہ مقدس میں باجر اکبر دلا

بادشاہ سلامت نے قصیدہ بڑے غور سے سنا۔ مشکل سے اس سے پہلے کو فارسی  
مدح سنی ہوگی۔ باغ باغ ہو گئے۔ اور نور ظاہر الاراکین۔ شہر اندک۔ بہار الشعرا  
منقار جنگ بہادر خطاب دیا اور سات روپیہ ماہوار چٹکے کے لئے مقرر کر دیئے۔ پھر  
تو ہمد کے چند روز میں اور ہی ٹھٹھاٹ ہو گئے۔

ایک دفعہ برسات زیادہ ہوئی۔ سکنات گرے۔ چیلیاں شاہ بیڑیں انھیں  
میں میاں ہمد کا بھی مکان نذر سیلاب ہو گیا۔ انھوں نے حکیم صاحب سے کہا۔  
حکیم صاحب نے کہا کہ شہر میں سیکڑوں مکان پڑے ہیں کیا ان میں سے ہمد کے  
گھر نسلے کو کوئی جگہ نہ ملے گی، دیکھ کوئی بندہ دست کئے دیتے ہیں جھٹ پٹ  
ایک عرضی نظم کر دی۔ پوری درخواست اب کہاں ملتی ہے بعض شعر یہ ہیں۔

جز تیرے شاہنشا کہہ کسے آگے روئے  
کس سے جا کے کسے یہ غم کو ہائے کھوئے  
جھکو ہے تنے کیا ملک سخن کا شوسیار  
ہمیں بچا کرنے سمند طبع کے میاں بولے  
حیف آتما ہے کہ فن شعر میں کیوں کوئے عمر  
کاشکے ہم سیکھتے اس سے بتائے بولے  
سنگلاخ ایسی زمین ہر دیکھ ایدل تا کجا  
فلک کیجئے صرت آئیں از چہر ڈھوئے  
رفشہ عمر شہنشاہ ہمال ہووے دراز  
یا خدا کھلتے رہیں جب تک جہاں میں ہوئے  
دیکھ اسکو بھی زمین غور دی کہ بن کر گھولے  
مارا پھرتا رہا ہمد ہے تابک ٹوئے  
ایک دفعہ تنخواہ کے لئے دہر ہو گئی۔ انھوں نے ایک درخواست نظم کرتے ننگرانی

ابن زرارہ نے کہیں نہیں۔ مگر نتیجہ معلوم ہے کہ اتحاد اہل ضرور ہو گئی۔

راجہ دیپ سنگھ خانسما مانی کی خدمت پر مامور حبیب اللہ ایسٹرن کمانڈر کے لکچر پر یہ  
شعر لکھے۔

جہاں ہے آج وہی گھر ترانہ ہو کر رہا ہے  
 سینہاں نے جو تیرے ہاتھ میں ہنر کی کھنچی  
 شکم پر جہاں کے سہ پہر شکرانے کی بجائے  
 کسی کو دوسرے نے تنخواہ تو منشا ہے  
 تھک جانا سب ہمیشہ پرہیز کے لئے ظرافت کا سرچشمہ  
 ہر اسے رستہ شہتہ اور ہر ہمارے کے رزاقی سخن کی سپرانیہ کر دیتے تھے۔ بعض مشرین ہیں۔

۱۔ یہ کہنا قیاس ہے نہ اسباب سے  
 ۲۔ ہمارے ہر ایک نیا کھانا سب سے  
 ۳۔ ہر شے کے لئے اسباب ہے یہ  
 ۴۔ ہر شے کے لئے اسباب ہے یہ

دست آئینوں کو قرب ہے کچھ آئینوں سے  
تیر نکلا جو کہاں سے تو گہریاں نکلا  
آسٹیاں سے جو غزل پڑھنے کو بہر کیا  
غل ٹپا پیش رو ملک سبیاں نکلا  
حکیم صاحب نے ساتھ ہی ساتھ ایک اور دنگی کی - غزل میں دو ایک شعر  
ایسے بھی رکھ دیتے تھے جنہیں معاشرہ پر چڑیں ہوا کرتی تھیں - مثلاً جب غالب پر  
چڑیں کھینچا تیں تو ہر بدسر مشاعرہ کہتے کہ یہ غزل مرزا غالب کے رنگ پر ہے پوری  
غزل ٹپڑ جاتے نہایت حسرت بندش اور رنگینیاں الفاظ ہوتے - مگر مستی نہ آو - بعض  
شعریہ ہوا -

مرکز محو گروہوں بہ لب آپ نہیں

تا خون قوس قرح ششیدہ مضرب نہیں



غالب مرحوم خود ایک فطرت اور دریا دل آدمی تھے جن پر ان کی قوس کی گہ  
اثر ہوتا۔ ہنست اور ڈال دیتے۔ مگر اور لوگوں نے ہر ایک کے جو آپ کے لئے ایک شخص کو  
تخلص باز رکھا۔ اور شاعرے میں لائے۔ ہارے اپنی بازی دکھایا اور شاخہ کو  
بازی گاہ بنا دیا۔ مگر قبول خاطر طے سخن خدا دوست۔ بیچارے ہائے شمع  
میں سے ایک شمع بھی شہر نہ ہوا۔ ہر خیال ہر حسرت چاہے کیا دربار میں غزل کہ  
اس کے کئی شہزادہ بھی ان لوگوں کے لوگ زبان پر نہ

جیسے کہتے ہیں، ہر ہندو تو شیرو نگار اور ہندو  
نگریاں کہتا ہے کہ ہندو میں نہ تو کوئی خدا ہے نہ  
مقرر باد جو پانچوں سب کہا تو نے  
ہر سب سے زیادہ اہم نہیں تو کون خبر اسکی  
جب اس نے پانچوں میں اپنے آپ کو دیکھا  
جیسے کہتا ہے۔ مگر یہ لوگ فکر میں لگے ہوئے  
ہیں کہ ہندو میں تو کوئی خدا ہے نہ تو کوئی  
مقرر باد جو پانچوں سب کہا تو نے  
ہر سب سے زیادہ اہم نہیں تو کون خبر اسکی  
جب اس نے پانچوں میں اپنے آپ کو دیکھا

ہوتا ہے۔ اور اس کے لئے کہ اس کو کھانسی  
 ہو جائے اور اس کو کھانسی ہو جائے  
 اور اس کو کھانسی ہو جائے اور اس کو  
 کھانسی ہو جائے اور اس کو کھانسی ہو

Ameyo D. K. K.

ہم کو یہ سچے سچے دوستوں کی ضرورت ہے

فرغین کہ باری باری سے جو جو جانور ہر ہر کے مقابل ہوتے گئے اس نے  
مارے چونچوں کے سب کا بھر کس نکال دیا۔ اور آخر وقت تک بادشاہ کے یہاں سے  
وہی اذوقہ جاری رہا۔ جو ایک دفعہ جاری ہو گیا تھا۔ اس کے علاوہ ادھر ادھر سے  
بھی کچھ کچھ لے کر لے رہا تھا۔

ہر چند۔ عبد الکریم نام ہے مارہرہ ضلع ایٹہ کے رہنے والے ہیں۔  
زمانہ حال کے خوش فکر ظریف شعرا میں ہیں مگر افسوس کہ کلام زیادہ نہ لے سکا تھا  
ایک شعر یہ ناظرین کر سکتا ہوں۔  
ہم جو کم ہے عیاشی غیر تہمتی ہے در نہ.... واسطی کوی ہمتی ہے

خواجہ محمد شریف نام تھا۔ مرزا غیاث بیگ کے باپ اور نوجواں  
بیگم انیسہ جہانگیر بادشاہ کے دادا تھے نہایت ظریف خندہ پیشانی بذلہ سنج لطف  
گرتھے۔ شاہ ظہار سب ماضی کے زمانہ میں زندہ و سلامت موجود تھے ایک ضخیم  
دیوان ان سے یادگار ہے۔ مگر ناپید ہے اسی لئے ان کی لطافت کے پورے پورے  
نمونے نہیں دئے جاسکتے صرف ایک قطعہ نمونہ درج کیا جاتا ہے۔ جو اس وجہ  
سے کہا گیا تھا کہ ایک مرتبہ سلامی اور کلامی نے جو دونوں بھائی تھے اور مشہور  
شاعروں میں گنے جاتے تھے خواجہ مذکور کی تعریف میں بے امید انعام ایک قصیدہ  
کہا۔ خواجہ نے انعام دیا اور یہ قطعہ نظم کر کے ان کو سنا دیا۔

دو چیز ست بدتر ز تیر حرامی سلام سلامی کلام کلامی  
باوجود تلاش کے مجھے ان کا نام و مقام معلوم نہ ہو سکا۔ البتہ ایک مجموعہ  
ہزلیات میں ایک غزل ظریفانہ رنگ کی دستپاب ہوئی۔ مگر افسوس ہے کہ

فواش سے سرتاپا لبریز ہے۔ اس نے صرف دو تین شعراء لکھا ہوں۔

جتنے ہیں اسرار ہو جائیں گے تجھ پر آشوب  
خوش گئی میں دل لگی یوں ہی اگر تھوٹی رہی  
اے مجھ جب فنا فی..... تو ہو جائیگا  
اے ہزل کامل غزل گوئی میں تو ہو جائیگا

میر صاحب نے بنا کر جو بنائے گیسو  
جرم سنگین تھا باندھے گئے کمر بھر میں ہاتھ



# حرفِ یا

یار۔ محرفیق تخلص ہے اصلی وطن خلع بہتاب گڑھ میں ہے۔ گھر چنگ  
 پہ سلسلہ ملازمت ان کے والد کا قیام لکھنؤ ہی میں رہا۔ اسی وجہ سے (راش)  
 عمر سے یہیں رہتے رہے۔ اب دو تین برس ہوئے کہ ان کے والد کی انتقال ہو چکی  
 ہو گیا مگر اس شہر کی دانگیر خاک نے وطن جانے کی تہ بھی اجازت نہ دی  
 اب بھی یہیں محلہ حسین گنج میں رہتے ہیں اور مری کبھی میں ملازم ہیں  
 شعر و شاعری کا مدتوں سے شوق ہے۔ بہشت تخلص ہے اور راقم تذکرہ  
 کو اپنی غزلیں دکھاتے ہیں۔ کبھی کبھی خرافت بھی کہتے ہیں اس وقت کا تخلص  
 کرتے ہیں۔ نہایت نیک طبیعت سلیم المزاج پابند صوم و عسلوۃ متشرع ہیں  
 اب تقریباً ۲۸ برس کی عمر ہو گئی۔ چند شعورنگسٹ نظریات و درج کرتا ہوں۔  
 جوان کو چھپتا ہے کہتا ہے انکو وہ شیریں لبوں میں آپ کے شکوے کا کارخانہ ہے  
 مغل کے چھوٹے جھکودہ اکیڈن لے یاد میں آج بچا ہوں ان کا بڑا ہاتھ ہے

دراؤن کی دونوں سے وہ بکری قتل کرتے ہیں  
 نتیجہ کیا ہے آخر محتسب اس لڑکھے سے  
 ملا ہے جان دیکر بوسان کے لال لالوں کا  
 اٹھا کر لیکیا آئینہ ان کے قصر عالی سے  
 نہ چوکیہ ار کا غم ہے نہ ٹھانیدار کا ڈر ہے  
 مرد و حصہ میں صبیٹا ہے ترہ حصہ میں گھر ہے  
 بہت میٹھا سہی لیکن بڑا امنگ جھنڈ ہے  
 یہ اب بند رہیں اپنے نصیب کا سکند ہے

ہم نے الفت کا حسینوں کی نتیجہ دیکھا موت کی دھار میں بہتا ہوا مہیا دیکھا  
 ناز دیکھا ترا نخر ترا اٹھا دیکھا کیا کہیں ہم کہ شب وصل میں کیا دیکھا

بس ہی تار دل کی ہے نشانی لے یا بھر کی شب جو رہے ٹھونٹھ بہ الو ہو کر

خانہ بر ووش اسے کہتے ہیں ملے زخموں پہ اپنے کندھتے پہ اٹھتا ہے جو جھیرا پتا  
 پڑی آواز وہ سہا یوں خمر زنجی لے یا دھوڑ بھر پھوڑتی ہے آپ یہ شوہر اپنا

لیلیٰ کی امان نے یہ مجھوں کے پاس کہا آپ سمجھائیے گا اپنے بر خور کو  
 یہ سیدنا جہان میں لکھا ہے فقر و انے بیشک ٹکس لیا ہے کرکٹ

یا سمن - ایک شاعر تھے جکانا - چنبلی تھا - یا سمن نام کی مناسبت  
 سے تخلص اختیار کیا تھا - سید انشا کی کینز تھی - جوان العمر تھی - مگر مرد کی  
 صحبت سے اس قدر متفرقت تھی کہ اُس کی طرف بھی رخ بھی نہ کرتی تھی مگر  
 سید انشانے بموجب اتباع شریعت اس کا نکاح کر دیا تھا - حالانکہ جس شخص  
 سے نکاح ہوا تھا وہ شخص نہایت عقول اور عقولیت پسند تھا - مگر چونکہ چنبلی  
 باطن مرد کی صحبت سے متفرقت تھی اس لئے اس کی صحبت اس سے ناگوار رہی اور نکاح  
 کے تیسرے روز نیز کسی غرض کے تحت ہو گئی - اس عورت کی طبیعت نہایت  
 موزوں تھی - اور غرض کہ شاعری کے اندازہ کبھی کبھی غرضت بھی کرتی تھی -  
 چنانچہ اس کا ایک شعر میں سکا -  
 دختر زہرے رات صحبت تھی شیخ بی کا مگر وضو نہ گیا

یل۔ عبد القادر نام تھا۔ دیہی کارہنے والا۔ اور وہاں کے نہایت  
مشہور و معروف پہلوانوں میں تھا ایک مرتبہ اپنی پہلوانی کے غور میں کسی شخص  
سے لڑا۔ اگرچہ وہ شخص زور میں اس سے زیادہ نہ تھا مگر چونکہ فن کشتی سے اچھی  
طرح واقف تھا اسی لئے اس پر غالب آیا۔ اس معرکہ میں کچھ ٹپنے کے بعد اس پر  
ایسی غیرت کا غلبہ ہوا کہ شہر چھوڑ کر نکل گیا اور پھر کبھی عمر بھر دلی میں نہ آیا۔ شعر  
و شاعری سے بھی شوق تھا اور بہ سبب کم علمی کے اکثر طریقاً نہ شعرت تھا۔ چنانچہ  
شعریہ ہیں۔

کہد و ترے کہ وہ باز آئے جنگ سے  
پھرتے ہو بل بنے ہوئے تم کچھ دنگ سے  
لب کا بڑا دیا ہے مزاح خط سب نے  
دو چار صورتیں کہیں آتی ہیں گر نظر  
آجائی نہ بیچ میں ظالم کے دیکھنا  
ہرگز نہیں میں یار بھی کم اس دنگ سے  
مطلب نہ نام سے ہی غرض ہو نہ تنگ سے  
ساتی نے پشت دی عہد صافی کو تنگ سے  
واں ہم بھی جا دہکتے ہیں دلگی انگ سے  
یاری تو تم نے کی ہر لیں شوخ و تنگ سے



